

BNIS202DET

اسلام اور جدید مسائل

(Islam and Modern Issues)

بی۔ اے۔ (آنرس)

چار سالہ پروگرام

دوسرا سمسٹر (اسلامک اسٹڈیز)

مرکز برائے فاصلاتی و آن لائن تعلیم

مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی

حیدرآباد-32، تلنگانہ، بھارت

Copyright © 2025, Maulana Azad National Urdu University, Hyderabad

All right reserved. No part of this publication may be reproduced or transmitted in any form or by any means, electronically or mechanically, including photocopying, recording or any information storage or retrieval system, without prior permission in writing form the publisher (registrar@manuu.edu.in)

ISBN : 978-81-993135-1-4
Course : Islam and Modern Issues
First Edition : September 2025
Copies : 2100
Price : 120/- (The price of the book is included in admission fee of distance mode students)

Course Coordinator

Dr. Alim Ashraf, Prof. (Arabic), Dept. of Arabic, MANUU

Editorial Board/Editors

Prof. Abdul Ali, Former Head, Dept. of Islamic Studies, AMU, Aligarh	Prof. Mohammad Ishaque Prof. of Islamic Studies, JMI, New Delhi
Prof. Mohammad Habib, HOD, Dept of Islamic Studies MANUU	Prof. Mohd. Fahim Akhter Dept. of Islamic Studies, MANUU
Prof. Ghazanfar Ali Khan Dept. of Islamic Studies, Kashmir Campus, MANUU	Prof. Ziauddin Dept. of Islamic Studies, Aligarh Muslim University, Aligarh
Dr. Mohammad Haziq Assistant Professor, Islamic Studies, CDOE, MANUU	Dr. Syeda Amina Assistant Professor (Contractual)/ Guest Faculty, Islamic Studies, CDOE, MANUU

Production

Prof. Nikhath Jahan, Professor (Urdu), CDOE MANUU	Mr. P Habibulla, Assistant Registrar, Purchase & Stores Section, MANUU	Dr. Mohd Akmal Khan, Assistant Professor (C/Guest faculty), CDOE MANUU
Mohd Abdul Naseer, Section Officer, CDOE MANUU	Shaik Ismail, UDC, CDOE, MANUU	Syed Faheemuddin, LDC, Purchase & Stores Section, MANUU

On behalf of the Registrar, Published by:

Centre for Distance and Online Education

Maulana Azad National Urdu University

Gachibowli, Hyderabad-500032 (TG), India

Director: dir.dde@manuu.edu.in Publication: ddepublication@manuu.edu.in

Phone number: 040-23008314 Website: manuu.edu.in

CRC Prepared by Dr. Syeda Amina, Faculty Islamic Studies, CDOE, MANUU

Printed at: Print Time & Business Enterprises, Hyderabad

فہرست

پیغام	وائس چانسلر، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی	5	
پیغام	ڈائریکٹر، مرکز برائے فاصلاتی و آن لائن تعلیم	6	
کورس کا تعارف	کورس کوآرڈینیٹر (اسلامک اسٹڈیز)	7	
اکائی نمبر	اکائی کا نام	مصنف	صفحہ نمبر
1-	حقوق انسانی کا تعارف	مولانا کمال اختر قاسمی	9
2-	اسلام میں بنیادی انسانی حقوق (حصہ اول)	ڈاکٹر سیف اللہ اصلاحی	25
3-	اسلام میں بنیادی انسانی حقوق (حصہ دوم)	ڈاکٹر سیف اللہ اصلاحی	43
4-	اسلام میں خواتین کا مقام و مرتبہ	مفتی امانت علی قاسمی	59
5-	ماحولیات کا تعارف	ڈاکٹر مصعب گوہر	77
6-	ماحولیات کی حفاظت	ڈاکٹر ندیم اشرف	95
7-	آلودگی کی مختلف صورتیں (حصہ اول)	مفتی امانت علی قاسمی	113
8-	آلودگی کی مختلف صورتیں (حصہ دوم)	مفتی امانت علی قاسمی	133
	نمونہ امتحانی پرچہ		149

(Writer's Details)

Maulana Kamal Akhtar Qasmi, Researcher, Idara Tahqeeq wo Tasneef e Islami, Aligarh	مولانا کمال اختر قاسمی، محقق ادارۃ تحقیق و تصنیف اسلامی، علی گڑھ
Dr. Saifullah Islahi , Research fellow, Idara Uloom al Quran Aligarh	ڈاکٹر سیف اللہ اصلاحی ادارہ علوم القرآن، علی گڑھ
Mufti Amanat Ali, Teacher of Hadith , Darul Uloom Deoband	مفتی امانت علی قاسمی، استاد دارالعلوم دیوبند
Dr. Musab Gauhar, Aligarh	ڈاکٹر مصعب گوہر، علی گڑھ
Dr. Nadeem Ashraf, Asst. Prof., Dept of Sunni Theology, AMU, Aligarh	ڈاکٹر ندیم اشرف، اسٹنٹ پروفیسر، شعبہ سنی دینیات، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

نوٹ: زیر نظر کتاب کا علمی مواد (Study Material) مختلف مصنفین نے تیار کیا ہے اور اس سے کوآرڈینیٹر و ایڈیٹر کا اتفاق کرنا ضروری نہیں ہے۔

پروف ریڈرس (Proofreaders):

اول : ڈاکٹر سیدہ آمنہ
دوم : ڈاکٹر محمد حاذق

ٹائٹل پیج (Title Page):

ابراہیم اکرم صدیقی

پیغام

مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی (MANUU) 1998 میں پارلیمنٹ کے ایک ایکٹ کے ذریعے قائم کی گئی۔ یہ ایک مرکزی جامعہ ہے جس نے این اے اے سی کی جانب سے گریڈ A+ حاصل کیا ہے۔ اس جامعہ کے قیام کے مقاصد ہیں: (1) اردو زبان کا فروغ، (2) پیشہ ورانہ اور تکنیکی تعلیم کو اردو میڈیم میں قابل رسائی اور دستیاب بنانا، (3) روایتی اور فاصلاتی طریقہ تعلیم کے ذریعے تعلیم فراہم کرنا، اور (4) خواتین کی تعلیم پر خصوصی توجہ دینا۔ یہ وہ نکات ہیں جو اس مرکزی جامعہ کو دیگر تمام مرکزی جامعات سے ممتاز کرتے ہیں اور اسے ایک انفرادیت بخشتے ہیں۔ قومی تعلیمی پالیسی 2020 میں بھی مادری زبانوں اور علاقائی زبانوں میں تعلیم حاصل کرنے پر زور دیا گیا ہے۔

اردو کے ذریعے علم کے فروغ کا مقصد یہی ہے کہ اردو جاننے والے طبقے کے لیے عصری علوم اور مضامین تک رسائی آسان بنائی جائے۔ ایک طویل عرصے تک اردو میں درسی مواد کی کمی رہی ہے۔ اردو یونیورسٹی کے پاس اب اردو میں 350 سے زیادہ کتابوں کا ذخیرہ موجود ہے اور ہر سمسٹر کے ساتھ اس تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے۔ اردو یونیورسٹی این ای پی 2020 کے وژن کے مطابق مادری/گھریلو زبان میں تعلیمی مواد فراہم کرنے کے قومی مشن کا حصہ بننے کو اپنے لیے ایک اعزاز سمجھتی ہے۔ مزید یہ کہ اردو بولنے والا طبقہ اردو میں مطالعہ کے مواد کی عدم دستیابی کے سبب نئے اُبھرتے شعبوں اور جدید تر معلومات کے موجودہ میدانوں میں تازہ ترین معلومات و اطلاعات کے حصول سے محروم نہیں رہے گا۔ مذکورہ بالا میدانوں میں مواد کی دستیابی کی بدولت حصول معلومات کا نیا شعور بیدار ہوا ہے جو یقیناً اردو داں طبقے کی دانشورانہ ترقی پر اثر انداز ہوگا۔

فاصلاتی اور آن لائن طلبہ کے لیے تعلیم و تدریس کے عمل کو سہل بنانے کے لیے یونیورسٹی کا سینٹر فار ڈسٹنس اینڈ آن لائن ایجوکیشن (CDOE) اردو اور متعلقہ مضامین میں خود اکتسابی مواد (SLM) کی تیاری کو یقینی بناتا ہے۔

MANUU فاصلاتی اور آن لائن لرننگ کے طلبہ کے لیے SLM بلا معاوضہ فراہم کرتا ہے۔ یہ مواد اردو کے ذریعے علم حاصل کرنے میں دلچسپی رکھنے والے ہر شخص کے لیے برائے نام قیمت پر دستیاب ہے۔ تعلیم تک رسائی کے دائرے کو مزید پھیلانے کے مقصد سے، اردو/ہندی/انگریزی/عربی میں eSLM یونیورسٹی کی ویب سائٹ پر مفت ڈاؤن لوڈ کے لیے دستیاب رکھا گیا ہے۔

مجھے بے حد خوشی ہے کہ متعلقہ فیکلٹی کی محنت اور مصنفین کے مکمل تعاون کی بدولت FYUG بی۔ اے، بی۔ ایس سی اور بی۔ کام کی کتابوں کی اشاعت کا عمل بڑے پیمانے پر شروع ہو گیا ہے۔ فاصلاتی اور آن لائن لرننگ کے طلبہ کی سہولت کے لیے خود اکتسابی مواد (SLM) کی تیاری اور اشاعت کا عمل یونیورسٹی کے لیے اہمیت رکھتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ ہم اپنے خود تعلیمی مواد کے ذریعے اردو جاننے والے ایک بڑے طبقے کی ضروریات کو پورا کرنے کے قابل ہوں گے اور اس یونیورسٹی کے مقصد قیام کو پورا کریں گے اور اپنے ملک میں اپنی موجودگی کو جائز ٹھہرا سکیں گے۔

نیک تمناؤں کے ساتھ!

پروفیسر سید عین الحسن
شیخ الجامعہ، مانو

پیغام

موجودہ دور میں فاصلاتی تعلیم کو دنیا بھر میں ایک نہایت مؤثر اور مفید طریقہ تعلیم کے طور پر تسلیم کیا جاتا ہے اور بڑی تعداد میں لوگ اس طریقہ تعلیم سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی نے بھی اردو زبان بولنے والے عوام کی تعلیمی ضروریات کو مد نظر رکھتے ہوئے اپنے قیام کے وقت سے ہی فاصلاتی تعلیم کا طریقہ متعارف کرایا۔ مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی نے 1998 میں ڈائریکٹوریٹ آف ڈسٹنس ایجوکیشن (نظامت فاصلاتی تعلیم) کے ساتھ کام کا آغاز کیا اور 2004 سے باقاعدہ پروگرام شروع ہوئے، اس کے بعد مختلف شعبہ جات قائم کیے گئے۔

یو جی سی نے ملک میں نظام تعلیم کو مؤثر طور پر منظم کرنے میں ایک اہم کردار ادا کیا ہے۔ اوپن اینڈ ڈسٹنس لرننگ (ODL) موڈ کے تحت چلنے والے مختلف پروگرام، جو سینٹر فار ڈسٹنس اینڈ آن لائن ایجوکیشن (CDOE) میں چل رہے ہیں، یو جی سی-ڈی ای بی کے منظور شدہ ہیں۔ یو جی سی-ڈی ای بی نے فاصلاتی اور باقاعدہ تعلیم کے نصاب کو ہم آہنگ کرنے پر زور دیا ہے تاکہ فاصلاتی تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ کے معیار کو بہتر بنایا جاسکے۔ چونکہ مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی ایک ڈھیرے طرز (ڈسٹریکٹ موڈ) کی یونیورسٹی ہے جو فاصلاتی اور روایتی دونوں طریقہ تعلیم کی خدمات فراہم کرتی ہے، اس لیے اپنے مقاصد کو یو جی سی-ڈی ای بی کے رہنما خطوط کے مطابق حاصل کرنے کے لیے اس نے چوائس میڈ کریڈٹ سسٹم (CBCS) متعارف کرایا گیا جس کا خود اکتسابی مواد (Self Learning Materials) یو جی سی کے قوانین اور کریڈٹ فریم کے مطابق نئے سرے سے تیار کیے جا چکا ہے۔

سینٹر فار ڈسٹنس اینڈ آن لائن ایجوکیشن (CDOE) کل انیس (19) پروگرام پیش کرتا ہے جن میں یو جی، پی جی، بی ایڈ، ڈپلومہ اور سرٹیفکیٹ پروگرام شامل ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ تکنیکی مہارتوں پر مبنی پروگرام بھی شروع کیے جا رہے ہیں۔ سی ڈی او ای نے جولائی 2025 سے این ای پی-2020 کے مطابق چار سالہ یو جی پروگرام کا آغاز کیا ہے۔ بی اے، بی ایس سی اور بی کام کے آئز پر و گراموں کو این سی ایف کے مطابق ڈیزائن کیا گیا ہے جس سے طلبہ کو آئز ڈگری حاصل کرنے میں مدد ملے گی۔ سال 2025-2026 سے ایم بی اے پروگرام اوڈی ایل موڈ میں متعارف کرایا گیا ہے۔

مانو نے طلبہ کی سہولت کے لیے نورینجیل سنٹر (بگھور، بھوپال، در بھنگہ، دہلی، کوکنا، ممبئی، پٹنہ، رانچی اور سری نگر) اور چھ سب ریجنل سنٹر (حیدر آباد، لکھنؤ، جموں، نوح، وارانسی اور امر اوتی) کا ایک وسیع نیٹ ورک قائم کیا ہے۔ اس کے علاوہ بے واڑا میں ایک ایکسٹینشن سنٹر بھی قائم کیا گیا ہے۔ ان ریجنل اور سب ریجنل سنٹروں کے تحت ایک سو پچاس سے زیادہ لرنر سپورٹ سنٹر (LSCs) اور بیس پروگرام سنٹر بیک وقت چلائے جا رہے ہیں تاکہ طلبہ کو تعلیمی اور انتظامی سہولیات فراہم کی جاسکیں۔ سینٹر فار ڈسٹنس اینڈ آن لائن ایجوکیشن اپنی تعلیمی اور انتظامی سرگرمیوں میں آئی سی ٹی کا بھرپور استعمال کرتا ہے اور اپنے تمام پروگراموں میں صرف آن لائن موڈ کے ذریعے ہی داخلے فراہم کرتا ہے۔

طلبہ کے لیے سیلف لرننگ میٹریل (SLM) کی سو فٹ کاپی سینٹر فار ڈسٹنس اینڈ آن لائن ایجوکیشن کی ویب سائٹ پر دستیاب کرائی جاتی ہیں اور آڈیو ویڈیو ریکارڈنگ کے لنک بھی ویب سائٹ پر فراہم کیے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ طلبہ کو ای۔ میل اور واٹس ایپ گروپ کی سہولت بھی فراہم کی جا رہی ہے جن کے ذریعے انہیں پروگرام کے مختلف پہلوؤں جیسے کورس رجسٹریشن، اسائنمنٹ، کاؤنسلنگ، امتحانات وغیرہ کے بارے میں مطلع کیا جاتا ہے۔ باقاعدہ کاؤنسلنگ کے علاوہ گزشتہ دو برسوں سے طلبہ کے تعلیمی معیار کو بہتر بنانے کے لیے زائد تدارکی (Remedial) آن لائن کاؤنسلنگ بھی فراہم کی جا رہی ہے۔

امید کی جاتی ہے کہ سینٹر فار ڈسٹنس اینڈ آن لائن ایجوکیشن تعلیمی اور معاشی طور پر پسماندہ آبادی کو عصری تعلیم کے دھارے میں شامل کرنے میں ایک اہم کردار ادا کرے گا۔ تعلیمی ضروریات کو مد نظر رکھتے ہوئے نئی تعلیمی پالیسی (NEP-2020) کے مطابق مختلف پروگرامز میں تبدیلیاں کی گئی ہیں اور توقع ہے کہ اس سے اوپن اینڈ ڈسٹنس لرننگ کے نظام کو مزید مؤثر اور کارآمد بنانے میں مدد ملے گی۔

پروفیسر محمد رضا اللہ خان

ڈائریکٹر، سی ڈی او ای، مانو

کورس کا تعارف

موجودہ تعلیمی ضروریات کے پیش نظر نئی تعلیمی پالیسی (NEP-2020) کے تحت اسلامک اسٹڈیز کی کتابیں تیار کرائی جارہی ہیں۔ ان ضوابط کے تحت یونیورسٹی میں فراہم کیے جارہے تمام مضامین میں روایتی اور فاصلاتی نظام تعلیم کا ایک ہی نصاب تیار کیا گیا، اور اس کے مطابق درسی مواد کی تیاری کی گئی جو بیک وقت دونوں نظام تعلیم کے طلبہ و طالبات کے لیے استفادہ کا ذریعہ بن سکے۔ یہ مواد بی اے کے چار سالہ (آٹھ سمسٹر) کورس کے لیے تیار کروایا گیا ہے۔ اس درسی مواد کی تیاری میں یونیورسٹی کو ملک بھر کے ماہرین اسلامک اسٹڈیز، دانشوران اور اسلامی علوم پر گہری نظر رکھنے والے علما کی معیاری خدمات حاصل رہیں، اور اس میں اسلامک اسٹڈیز کے تقریباً تمام موضوعات اور پہلوؤں کا جامع احاطہ کیا گیا۔ اس طرح یونیورسٹی کے ذریعے تیار ہونے والا یہ درسی مواد ایک معیاری، ہمہ گیر اور اسلامک اسٹڈیز کے پورے کورس پر محیط بن کر تیار ہوا، جس سے نہ صرف یہ کہ اسلامک اسٹڈیز کے طلبہ و طالبات کی ایک بڑی ضرورت کی تکمیل ہوئی بلکہ اسلامی مطالعات کے میدان میں قابل قدر اضافہ ہوا۔ امید ہے کہ یہ کتاب طلبہ کے لیے معاون ثابت ہوگی۔

یکساں نصاب کی تیاری کے بعد اسی کے مطابق درسی مواد کی تیاری بھی مطلوب تھی جس میں نئے نصاب کے مطابق پرانے تحریر شدہ مواد میں کہیں کم اور کہیں زیادہ حذف و ترمیم اور تبدیلی کی ضرورت تھی۔ بعض ذیلی عناوین پر بالکل نئی تحریر لکھنے کی ضرورت تھی اور بعض جگہوں پر مکمل اکائی کے اضافہ کی بھی ضرورت پیش آئی۔ ان سب کے علاوہ مواد کی ترتیب کو نئے نصاب کے مطابق تیار کیا گیا۔ نیز ہر اکائی کے تحت اکتسابی نتائج اور متنوع قسم کے سوالات کے تفصیلی نمونے شامل کیے گئے۔ ان تبدیلیوں کے بعد تیار ہونے والا مواد قدیم و جدید کا مجموعہ بن کر سامنے آیا ہے۔

ہمیں خوشی ہے کہ ہم بی۔ اے۔ کورس کی یہ کتاب آپ کے لیے پیش کر رہے ہیں۔ سمسٹر دوم کے اس دوسرے پرچہ کا عنوان ”اسلام اور جدید مسائل“ ہے۔ یہ روایتی تعلیم کے تحت بی اے سمسٹر دوم کے لیے ہے۔ اس پرچہ میں کل آٹھ اکائیاں ہیں۔ اس میں کتاب میں اسلام میں انسانی حقوق کا تصور، حقوق کے تحفظ، خواتین کے عمومی اور خصوصی حقوق کے ساتھ ساتھ ماحولیات کے تئیں اسلامی نظرات، ماحولیات کے تحفظ کے متعلق اسلامی تعلیمات کے متعلق تحریری مواد مہیا کیا گیا ہے۔

پروفیسر سید علیم اشرف

کورس کوآرڈینیٹر

اکائی 1: حقوق انسانی کا اسلامی تصور

اکائی کے اجزاء:

- | | |
|-------|---|
| 1.0 | تمہید |
| 1.1 | مقاصد |
| 1.2 | حقوق انسانی کا مفہوم |
| 1.2.1 | حقوق و فرائض |
| 1.2.2 | حقوق اللہ اور حقوق العباد |
| 1.2.3 | حقوق کی ہمہ گیریت |
| 1.2.4 | حقوق انسانی کا تعین وحی کی بنیاد پر |
| 1.3 | تکریم انسانیت کا تصور |
| 1.3.1 | مساوات |
| 1.3.2 | عدل و انصاف کا قیام |
| 1.4 | بنیادی حقوق انسانی |
| 1.4.1 | انفرادی حقوق |
| 1.5 | مذہبی آزادی اور اسلام کی مذہبی رواداری |
| 1.5.1 | مذہبی شعار اور مذہبی نمائندوں کا احترام |
| 1.6 | اجتماعی و معاشرتی حقوق |
| 1.7 | اقتصادی نتائج |
| 1.8 | نمونہ امتحانی سوالات |
| 1.8.1 | معروضی جواب کے متقاضی سوالات |
| 1.8.2 | مختصر جواب کے متقاضی سوالات |

1.8.3 طویل جواب کے متقاضی سوالات

1.9 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1.0 تمہید

انسان بغیر معاشرہ اور سماج کے نہیں رہ سکتا۔ سماج اور معاشرہ میں پر امن طور پر رہنے کے لیے حقوق و فرائض اور اصول ہوتے ہیں۔ بنیادی طور پر ہر انسان کے حقوق ہوتے ہیں اور اس کے ساتھ واجبات اور فرائض بھی ہوتے ہیں اگر انسان ان کا لحاظ کرتا ہے اور ایک دوسرے کے حقوق کی رعایت کرتا ہے تبھی ایک صالح معاشرہ تشکیل پاتا ہے ورنہ سماج میں فساد عام ہو جاتے ہیں۔

اس ضمن میں اسلامی تعلیمات ہمیں بتاتی ہیں کہ اللہ نے انسان کو بہترین سانچے میں تخلیق کیا اور اس کے لیے پوری کائنات کے نظام کو جاری کیا۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو تمام مخلوقات میں اشرف مقام عطا کیا۔ اور بنی نوع انسان کو تکریم دی انہیں زمیں پر اتار کر دنیا آباد کی اور ایک سماج وجود میں لایا۔ اس سماج و معاشرے میں بسنے کے لیے واجبات حقوق و فرائض کی تعلیم و تربیت اور رہنمائی کے لیے انبیاء اور آسمانی کتب کا سلسلہ جاری کیا تھا۔ قرآنی تعلیمات بتاتی ہیں کہ انسانی حقوق کی تعین اور ادائیگی کے رہنمایانہ اصول مذہب اسلام کا لازمی جز ہیں۔

1.1 مقاصد

اس اکائی کا مقصد ہے کہ آپ

- قرآنی تعلیمات کی روشنی میں حقوق انسانی کے اسلامی تصور کو سمجھیں گے۔
- حقوق و فرائض کے توازن کی اہمیت کو بیان کریں گے۔
- مساوات، تکریم انسان اور عدل و انصاف کے اصولوں کو وضاحت سے بیان کریں گے۔

1.2 حقوق انسانی کا مفہوم

حقوق عربی میں حق کی جمع ہے جس کے معنی موافقت، ہم آہنگی، درست اور واجب کے ہیں۔ قرآن مجید میں حق باطل کے مقابلے میں بھی استعمال ہوا ہے جیسے: وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ۔ اسی طرح باہمی حقوق اور افراد کے درمیان متعدد معاملات اور تعلقات میں ایک دوسرے کی ذمہ داریوں کی ادائیگی کے لیے بھی حق کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔

اصطلاح میں حقوق ان ذمہ داریوں اور واجبات و مطالبات کو کہا جاتا ہے جن کا بعینہ پورا کرنا ضروری ہے، خواہ ان کا تعلق عقیدہ، نظریہ اور ایمان سے ہو یا دنیاوی معاملات سے ہو۔ ایسی ثابت شدہ چیز کو حق کہا جاتا ہے جس کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔ حقوق انسانی دراصل ان معیارات اور طرز ہائے عمل کا نام ہے جو انسان کو دنیوی اور اخروی ہر طرح کی خوشگوار زندگی فراہم کرنے اور لوگوں کے تمام مصالح کے

تحفظ کے لئے ضروری ہیں اور جن کے بغیر انسان کو شرف و عزت، امن و انصاف اور آزادی و مساوات پر مبنی زندگی میسر نہ ہو سکے۔

1.2.1 حقوق و فرائض

اسلامی تعلیمات میں حقوق کے ساتھ فرائض کو بھی بیان جاتا ہے اور دونوں کو ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم قرار دیا جاتا ہے، کیوں کہ معاشرہ میں لوگوں کو صرف حقوق ہی حاصل ہوتے رہیں اور ان پر کسی طرح کی کوئی ذمہ داری عائد نہ ہوں تو معاشرہ جمود و تعطل اور انتشار و بد امنی کا شکار ہو کر رہ جائے گا، اسی طرح صرف لوگوں پر فرائض ہی عائد کیے جائیں اور ان کے حقوق کو نظر انداز کر دیا جائے تو معاشرہ میں غلامی، جبر و استبداد اور ظلم و زیادتی کا خوفناک رجحان غالب آجائے گا۔ اس طرح دونوں صورتوں میں معاشرہ کو حقیقی استحکام حاصل نہیں ہو سکتا ہے۔ جب کہ معاشرے کی تعمیر و ترقی اور استحکام کا دار و مدار ہی اس بات پر ہے کہ معاشرہ میں فرائض و حقوق کے درمیان توازن و تناسب قائم رہے۔ اس کے بغیر افراد کو اپنی صلاحیتوں کا مظاہرہ کرنے اور اپنی شخصیت کو پروان چڑھانے کے مناسب مواقع دستیاب نہیں ہو سکتے اور نہ ہی مثالی معاشرہ کے قیام کا خواب شرمندہ تعبیر ہو سکتا ہے۔ اس لئے اسلام حقوق و فرائض کا تعین اور ان کے درمیان توازن کو ضروری قرار دیتا ہے۔ کیوں کہ انسان کی تخلیق اس فطرت پر ہوئی ہے کہ وہ تنہا اس دنیا میں زندگی نہیں گزار سکتا، بلکہ اپنی ضروریات زندگی اور مشکلات کے حل کے لیے باہمی تعاون کا محتاج ہے۔ جس کے پیش نظر انسانوں پر یہ فرائض اور ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ ایک دوسرے کی مدد کریں اور ہر ایک کے لئے خوشگوار زندگی فراہم کرنے کی کوشش کرے۔ اس کے علاوہ حقوق و فرائض کی ادائیگی کے لیے دو فریق کا ہونا ضروری ہوتا ہے، جن میں سے ایک حق ہوتا ہے اور دوسرے کا فرضہ۔ اس لیے اسلام اس مزاج کو پروان چڑھاتا ہے کہ حق لینے کے ساتھ ساتھ فرضہ کی ادائیگی پر بھی اسی قدر توجہ ہو۔ چنانچہ اسلامی تعلیمات میں حقوق کے ساتھ فرائض و واجبات اور ذمہ داریوں کی نشاندہی کرتے ہوئے ان کی ادائیگی کی بار بار تاکید کی گئی ہے اور حقوق انسانی کے اسلامی تصور میں حقوق و فرائض دونوں کو لازم و ملزوم قرار دیا گیا ہے اور دونوں کے درمیان توازن و تناسب کو ملحوظ رکھنے کی تاکید کی گئی ہے۔

1.2.2 حقوق اللہ اور حقوق العباد

نبی اکرم ﷺ نے اسلام کا آغاز ہی حقوق انسانی کے تصور سے فرمایا اور خالق و مخلوق کے درمیان تعلقات کی حیثیت سے متعارف کرایا اور انسانوں کو مخلوق کے حقائق و معارف اور ان کے اسرار و رموز کو سمجھنے کی ترغیب دی۔ قرآن و سنت میں حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں حقوق کی بات کی گئی ہے۔ انسانی حقوق اللہ اور بندوں کے درمیان عبدیت کے تعلقات کی بنیاد پر اخذ کیے جاتے ہیں جس کا پہلا حق یہ ہے کہ عبد اپنے معبود کے احکامات کو بجالانے کے ساتھ انسانی حقوق کے تحفظ کے لیے تمام میدان میں اقدامات کو یقینی بنائے۔ حقوق انسانی کے متعلق اسلام جہاں حقوق العباد اور حقوق اللہ دونوں کی اہمیت کو بیان کرتا ہے وہیں دونوں کے درمیان توازن و تناسب کی بھی ہدایت کرتا ہے۔ اسلام کا مطلوبہ رویہ ہر گز بھی یہ نہیں ہے کہ انسان حقوق اللہ پر سختی سے عمل پیرا ہوں لیکن حقوق العباد سے غافل رہے اور حقوق انسانی کی رعایت کا حامی ہو لیکن اپنے خالق کے حقوق سے غافل رہے۔ اسلامی تعلیمات میں یہ دونوں تصورات ناپسندیدہ ہیں بلکہ اسلام دونوں کے درمیان توازن و تناسب قائم کرنے کی تاکید کرتا ہے۔ چنانچہ متعدد مقامات پر حقوق اللہ اور حقوق انسانی دونوں کو ایک ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

ایک جگہ ارشاد ہے: وَاعْبُدُوا اللَّهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَبِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ وَاجْنِ السَّبِيلِ وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ مَن كَانَ مُخْتَالًا فَخُورًا۔ (سورۃ النساء: 36) ”اور اللہ ہی کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بناؤ اور ماں باپ اور قرابت والوں اور یتیموں اور محتاجوں اور رشتہ دار ہمسایوں اور اجنبی ہمسایوں اور رفقاء پہلو اور مسافروں اور جو لوگ تمہارے قبضے میں ہوں سب کے ساتھ احسان کرو کہ اللہ تعالیٰ تکبر کرنے والے بڑائی مارنے والے کو دوست نہیں رکھتا۔“

اللہ کے رسول ﷺ نے مسلمانوں کی تربیت میں اس پہلو کو خصوصی طور پر ملحوظ رکھتے ہوئے حقوق اللہ اور حقوق انسانی کے درمیان بہترین توافق و توازن قائم فرمایا اور اس کی تاکید کی کہ حقوق اللہ کی بنیاد پر حقوق انسانی کی اور حقوق انسانی کی بنیاد پر حقوق اللہ کی نفی نہیں کی جا سکتی، بلکہ دونوں کو ایک دوسرے کی تکمیل کا ذریعہ قرار دیا۔ حقوق انسانی کو دستاویزی شکل میں تو بیان کیا جاسکتا ہے لیکن دستاویز سے اوپر اٹھ کر زمینی سطح پر انسان کی عملی زندگی میں نفاذ کے لیے ضروری ہے کہ انسان کو دونوں قسم کے حقوق کا پابند بنایا جائے۔ ایسا ہو ہی نہیں سکتا کہ حقوق اللہ کے دائروں کو نظر انداز کرنے والا انسان حقوق العباد کی مکمل رعایت کر سکے گا، کیونکہ اللہ نے انسان کو پیدا کیا اور کائنات کو اس کے موافق کر کے اس پر ان گنت احسانات و کرامات کی بارش کر دی جن کا انسان ہر لمحہ محتاج ہوتا ہے۔ ان عظیم احسانات کو فراموش کرنے اور حقوق اللہ کے خلاف ورزی کرنے سے انسان کی طبیعت اور مزاج میں نافرمانی، ظلم، نفس پرستی اور طرح طرح کی فکری و عملی خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں، جو حقوق انسانی کی رعایت کے لیے زبردست رکاوٹ ہیں۔ اس کے برخلاف انسان جب اپنے خالق کے احسانات کو یاد رکھتا ہے تو اس کے اندر خالق کی مخلوق کے تئیں محبت و شفقت، رأفت و رحمت اور احترام و اکرام کے جذبات پروان چڑھتے ہیں جو حقوق انسانی کے اصل محرکات ہیں۔ اسلام میں حقوق سے زیادہ فریضے کی ادائیگی پر زور دیا جاتا ہے اور تمام انسانوں پر یہ فرض عائد کیا جاتا ہے کہ وہ تمام بنی آدم سے محبت کرے اور ان کے تمام حقوق کو ادا کرے۔

1.2.3 حقوق کی ہمہ گیریت

اسلام حقوق کی ہمہ گیریت کا قائل ہے، اس لئے اسلام میں ہر انسان کے حقوق متعین کئے گئے ہیں اور ایسا تصور پیش کیا گیا ہے جو انسانی زندگی کے تمام شعبوں پر محیط ہے اور جس میں انسان کے باہمی تعلقات اور باہمی روابط سے لے کر نفسیاتی تقاضوں اور جذبات کا بھی لحاظ رکھا گیا ہے۔ حقوق میں نہ تو قومی و نسلی اور علاقائی بنیادوں پر تفریق کی گنجائش ہے اور نہ ہی فریضے کی ادائیگی سے کسی کو مستثنیٰ رکھا گیا ہے، بلکہ ہر شخص کو اس کے دائرے اور اس کی ذمہ دارانہ حیثیتوں کے اعتبار سے ذمہ دار بنایا گیا اور ہر ایک کو ایک دوسرے کے حقوق کی ادائیگی کا پابند بنایا گیا ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ”تم میں سے ہر ایک ننگراں ہے اور اس کے ماتحتوں کے متعلق اس سے سوال ہوگا۔ امام ننگراں ہے اور اس سے سوال اس کی رعایا کے بارے میں ہوگا۔ انسان اپنے گھر کا ننگراں ہے اور اس سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال ہوگا۔ عورت اپنے شوہر کے گھر کی ننگراں ہے اور اس سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال ہوگا۔ خدام اپنے آقا کے مال کا ننگراں ہے اور اس سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال ہوگا۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ میرا خیال ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ

انسان اپنے باپ کے مال کا نگران ہے اور اس کی رعیت کے بارے میں اس سے سوال ہو گا اور تم میں سے ہر شخص نگران ہے اور سب سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال ہو گا۔“ (صحیح بخاری۔ 893)

اسلام میں حقوق انسانی کی عمومیت اس حد تک ہے کہ رحم مادر میں موجود بچوں کے حقوق کا بھی لحاظ رکھا گیا اور جنین کو حق زندگی عطا کرنے کے ساتھ ساتھ اسے میراث کا بھی حقدار بنایا گیا۔ اسلامی تعلیمات کے مطابق حقوق انسانی انسان کے رحم مادر میں قیام سے شروع ہو کر موت تک اور موت کے بعد تک قائم رہتے ہیں۔ رحم مادر کے قیام کے وقت جنین کا حق اور والدین کی ذمہ داری ہے کہ اس کا ضیاع نہ ہو اور جنین کی مکمل حفاظت کا خصوصی اہتمام کیا جائے۔ چنانچہ اسلامی قانون کے مطابق بچوں کے پیدا ہوتے ہی والدین سے وابستگی، وراثت میں حصہ داری وغیرہ جیسے لازمی حقوق ثابت ہو جاتے ہیں جن سے انہیں محروم نہیں کیا جاسکتا ہے۔

1.2.4 حقوق انسانی کا تعین وحی کی بنیاد پر

حقوق انسانی کے اسلامی تصور کی اہم بنیاد وحی پر ہے۔ یعنی انسانی زندگی کے مختلف شعبے اور متنوع فرائض و معاملات ہوتے ہیں جن میں حقوق کی پاسداری ضروری ہے۔ اسلام کی نظر میں حقوق کے تعین کا دار و مدار وحی پر ہے اور وحی کی روشنی میں حقوق و فرائض کا تعین کیا جاتا ہے نہ کہ سوسائٹی اور معاشرے کے پسند و ناپسند پر۔ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر اس کو بطور اصول بیان کیا گیا ہے کہ جو حکم اللہ نے نازل فرمایا ہے اسی کے مطابق فیصلہ کیا جائے اور لوگوں کی خواہشوں کی پیروی نہ کی جائے۔ کیوں کہ اگر سوسائٹی کے پسند و ناپسند کو معیار بنا کر حقوق کا تعین ہو گا تو اکثریت کی طرف سے اقلیت پر ظلم و استبداد کا خوفناک سلسلہ قائم ہو سکتا ہے اور قانون سازی اکثریت کے مفاد اور مقاصد کے تابع ہوگی اور اقلیت سماج کے کمزور طبقات مظلوم و متہور زندگی گزارنے پر مجبور ہوں گے۔ اس لیے حقوق کا تعین وحی کی بنیاد پر ہونا ضروری ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب ہر گز نہیں ہے کہ اکثریت کے مفادات اور خواہشات کو کچل دیا جائے، بلکہ سوسائٹی کے وہ مفادات اور خواہشات جو عدل و انصاف کی معارض ہوں گی انہیں رد کر دیا جائے گا اور جو حق و انصاف کے تابع ہوں گی ان کا احترام کیا جائے گا۔ لہذا وحی کی بنیاد پر حقوق کے تعین کا مطلب یہ ہے کہ انسانوں کے تمام طبقات کے حقوق کا مساویانہ طریقے سے احترام کیا جائے۔

1.3 تکریم انسانیت کا تصور

حقوق انسانی کے متعلق اسلامی تصور یہ ہے کہ تمام انسان قابل احترام ہے اور تمام معاملات میں انسانی اقدار اور انسانیت کے احترام کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ تکریم انسانیت اور انسانیت کی تعظیم اسلامی تعلیمات کا اہم موضوع ہے، قرآن مجید میں اس کو اہمیت کے ساتھ بیان کیا گیا تاکہ انسان خود انسانیت کے مقام و مرتبہ کو سمجھتے ہوئے ایک دوسرے کے ساتھ عزت و تکریم کا رویہ اختیار کرے اور ایسے کسی بھی طرز عمل اختیار کرنے سے بچے جو انسانیت کی عزت و عظمت اور مقام و مرتبہ کو متاثر کر سکے۔ انسانوں کا اعزاز ہے کہ ان کے لیے اعضاء و جوارح اور عقل و خرد کے اعتبار سے نہایت حسین اور بے حد خوبصورت ساخت کا انتخاب کیا گیا چنانچہ قرآن مجید میں شرف انسانیت کا احساس دلاتے ہوئے کہا گیا کہ ہم نے انسان کو بہترین ساخت پر بنایا ہے اور کائنات میں پھیلی تمام چیزیں انسانوں کے فائدے کے لئے تابع کی گئی ہیں۔ دنیا کو تکریم انسانی کا تصور درحقیقت اسلام نے ہی دیا ورنہ تمام ادوار میں انسانوں کو طاقت و قوت کی بنیاد پر مختلف خانوں میں تقسیم کیا گیا اور کمزوروں پر ہر طرح

کے مظالم پر پا کر ناطقت و روں کا حق مانا جاتا تھا۔ لیکن اسلام نے انسان کی عظمت کا یہ تصور دیا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے بہترین ساخت میں پیدا کیا، دنیا کی تمام مخلوقات پر فضیلت دی، تمام مخلوقات کو اس کی خدمت میں لگادیا انسان کو عظیم منصب پر فائز کر کے اپنی نیابت اور زمین کی خلافت کے لئے منتخب کیا۔ تکریم انسانیت کا اہم پہلو یہ ہے کہ اللہ نے انسانوں کو عام مخلوق کے بجائے عقلمند، دانا اور ذی علم مخلوق بنایا اور خلافت ارضی کی صلاحیت سے نواز کر فرشتوں کا بھی مسجود بنا کر پیش کیا۔ انسانیت کی تکریم کا یہ تقاضا بھی ہے کہ انسان کو عام مخلوقات کی طرح بے سرو و پا آزاد نہ رکھا جائے بلکہ انسان کا شعور اور عقل اور زمین کے انتظام و انصرام کی صلاحیت کا مطالبہ ہے کہ انسان ذمہ دار مخلوق بنے اور اپنی ذمہ دارانہ حیثیتوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہر وقت اپنی ذمہ داریوں کی ادائیگی کے لیے بے قرار رہے۔

1.3.1 مساوات

قرآن و سنت کے مطابق حقوق انسانی کی بنیاد مساوات انسانی ہے۔ دنیا کی تاریخ میں حقوق انسانی کی پامالی کا معاملہ جہاں بھی پیش آیا سب کی کلیدی وجہ عدم مساوات ہی ہے، اپنے ہی جیسے انسان کو کمتر سمجھ کر اس کو ظلم و جبر کا شکار بنایا جاتا ہے۔ اس لئے اسلام نے حقوق انسانی کے لیے مساوات کو سب سے مقدم رکھا اور مساوات کو عام کرنے کے لیے ہر ممکن کوشش کی۔ چنانچہ انسان کو بحیثیت انسان مکمل مساوات کی تعلیم دی اور ان کے درمیان حقوق انسانی اور استحقاق میں برابری کے جذبات پر مشتمل انسانی معاشرہ کی تشکیل کی اور اس تصور کو عام کیا کہ سارے انسان بہ حیثیت انسان برابر ہیں، لہذا سارے انسان جینے، آزاد رہنے، کھانے پینے، رہن سہن، شادی بیاہ اور دیگر تمام معاملات میں مکمل طور پر آزاد ہیں۔ چنانچہ تاریخ انسانی میں پہلی مرتبہ مساوات کے آفاقی تصور کو پیش کیا گیا اور پورے زور و شور سے اعلان کیا گیا کہ تمام انسان ایک ماں باپ سے پیدا کئے گئے ہیں۔ اس تصور کو قرآن مجید نے جس اہمیت کے ساتھ متعدد آیات میں بیان کیا ہے وہ اپنے آپ میں عظیم مثال ہے۔ چنانچہ ایک جگہ ارشاد ہے: يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا۔ (سورۃ الحجرات: 13) ”لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور تمہاری قومیں اور قبیلے بنائے تاکہ ایک دوسرے کو شناخت کرو۔“

احادیث میں اس حقیقت کو بڑی اہمیت کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے تاکہ مساوات کی راہ میں حائل تمام تعصبات کو ختم کرنے کی ترغیب ہو جائے اور نسلی، لسانی، علاقائی اور جنسی یہاں تک کہ افکار و نظریات کی بنیاد پر سماج میں پیدا ہونے والے تعصبات کو بھی ختم کیا گیا۔ حضور اکرم ﷺ نے ایام تشریق کے خطبے میں ارشاد فرمایا ”اے لوگو، سنو! تمہارا رب ایک ہے، تمہارا والد ایک ہے، سنو کسی عربی کو عجمی پر، نہ ہی کسی عجمی کو عربی پر اور نہ ہی کالے کو گورے پر اور نہ کسی گورے کو کالے پر فضیلت ہے سوائے تقویٰ کے۔“ (مسند احمد 6/570)

تکریم انسانی اور ربانی انعامات و نوازشات کے تمام پہلوؤں میں سارے انسان برابر کی حیثیت رکھتے ہیں، نسلی، علاقائی، قومی، مذہبی اور امیری و غریبی کسی کو بھی کائنات میں پھیلی قدرت کی فیاضیوں سے استفادہ کرنے اور اس کی عنایت کردہ ساخت اور جسمانی ڈھانچوں کی تشخیص میں کوئی امتیازی حیثیت نہیں رکھی گئی، بلکہ سب کو برابر مقام دیا گیا اور ان امور میں کسی کو بھی ذرہ برابر کوئی اختیار نہیں دیا گیا تاکہ کوئی انسان خواہشات و سرکشی کے جذبات سے مغلوب ہو کر دوسرے کی زندگی کو مشکل میں نہ ڈال سکے۔

1.3.2 عدل و انصاف کا قیام

حقوق انسانی کا اہم اسلامی تصور یہ ہے کہ اسلام عدل پر مبنی ایسا نظام حیات پیش کرتا ہے جس میں عدل و انصاف کو تمام انسانوں کا بنیادی حق قرار دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انبیاء و رسل اور کتاب و میزان بھیجنے کا مقصد ہی یہ بتایا کہ معاشرہ میں عدل و انصاف قائم ہو اور یہ حکم دیا گیا کہ اپنی امانتیں اور ذمہ داریاں امین افراد کے سپرد کرو اور فیصلے عدل و انصاف کے ساتھ کرو، یہاں تک کہ دشمنوں کے ساتھ بھی عدل و انصاف کرنے کی تاکید کی گئی۔ اسلام میں عدل و مساوات کا یہی بنیادی تصور اجتماعی زندگی کے تمام شعبوں میں کار فرما ہے۔ کیوں کہ دین اسلام میں کسی کے لیے کوئی امتیاز نہیں ہے، بلکہ قانون کے سامنے سب برابر ہیں۔ قبیلہ بنی مخزوم کی فاطمہ نامی عورت سے جب چوری کا عمل سرزد ہو گیا اور لوگوں کی طرف سے معافی کی سفارش کرائی گئی تو اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ: ”تم سے پہلے جو امتیں گزری ہیں وہ اس لیے تباہ ہوئیں کہ وہ لوگ کمتر درجے کے لوگوں کو قانون کے مطابق سزا دیتے تھے اور اونچے درجے والوں کو چھوڑ دیتے تھے، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں محمد ﷺ کی جان ہے، اگر میری اپنی بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی پکڑی جاتی تو میں ضرور اس کا ہاتھ کاٹ دیتا۔“ (صحیح بخاری۔ حدیث نمبر: 1688)

حقوق انسانی کے تحفظ کو یقینی بنانے کے لیے عدل و انصاف کا قیام بنیادی حیثیت رکھتا ہے، اسلام نے اس کے قیام کو یقینی بنایا اور کبھی بھی اس کو طاقت و قوت، امیری و غریبی اور دیگر تفریقات سے متاثر ہونے نہیں دیا اسلام کا عادلانہ مساوات کا نظام جس کی ضرورت آج کی سسکتی انسانیت کو ہے جہاں انصاف ملنے کے بجائے بکتے ہیں اور جہاں طاقت و قوت، مال و دولت اور ربط و تعلق کی بنیاد پر عدل و انصاف کے ڈھانچوں کے پرچے اڑا دیے جاتے ہیں۔

1.4 بنیادی حقوق انسانی

حقوق انسانی کے متعلق اسلام نظریاتی بیانات کے ساتھ ان بنیادی مسائل کو بھی تفصیل سے بیان کرتا ہے جو انسان کو پر امن اور خوشحال زندگی فراہم کرتے ہیں۔ ان میں سے چند ایسے حقوق کا تذکرہ کیا جا رہا ہے جن کو اسلامی تعلیمات میں بہت زیادہ اہمیت دی گئی ہے اور جو انسان کی تعمیر اور فلاح و بہبود اور خوشگوار زندگی کے لیے بے حد اہم ہیں۔

1.4.1 انفرادی حقوق

انسانی اجتماعیت کی سب سے اہم اکائی انسانی گروہ کے افراد ہیں۔ جب تک ہر فرد ایک دوسرے کے حقوق کا محافظ اور ہر ایک کے حقوق کی فراہمی کے لئے نہایت فعال حصہ نہیں ہو گا انسانی سماج میں ترقی و ارتقاء، امن و امان اور تحفظ و بقا کا تصور کرنا محال ہے، اس لیے اسلامی تعلیمات میں فرد کی ہمہ گیر تعمیر پر خصوصی توجہ دی گئی ہے۔ فکر و نظر کی اصلاح، عمل و کردار کی بلندی اور اخلاق و اقدار کی درستگی کو اسلامی تعلیمات میں مرکزی اہمیت دی گئی ہے، تاکہ صالحیت و صلاحیت سے معمور افراد پر مشتمل انسانی گروہ تیار کیا جاسکے۔ چنانچہ اسلام نے فرد کے ان تمام حقوق متعین کیے ہیں جو فرد کی ارتقاء اور فلاح و بہبود میں بنیادی کردار ادا کرتے ہیں۔

جان کا تحفظ

فرد کے حقوق کے بہت سے گوشے ہیں ان میں سب سے بنیادی حق جان کے تحفظ اور زندہ رہنے کا حق ہے۔ اسلامی تعلیمات میں فرد کے اس حق کو بے پناہ اہمیت دی گئی اور اس حق کے چھیننے کی کوشش کرنے والوں کے لیے خوفناک سزایمان کی گئی ہے تاکہ فرد کا یہ حق مکمل طور پر محفوظ رہے کیوں کہ جس معاشرہ میں فرد کے زندہ رہنے کا حق تلف کر دیا جائے یا اس کا یہ حق محفوظ نہ رہ پائے تو وہاں دوسرے حقوق کی ادائیگی کا تصور بھی محال ہے۔ گویا تمام حقوق دراصل فرد کے اسی حق تحفظ پر مبنی ہیں۔ اسلامی تعلیمات میں انسانی زندگی کے تحفظ کو پوری انسانیت کا مسئلہ قرار دیا گیا اور بتایا گیا کہ ایک انسان کا قتل پوری انسانیت کے قتل کے برابر ہے اور ایک انسان کو بچانا پوری انسانیت کو زندہ کرنا فراہم کرنے کے مانند ہے۔ حجۃ الوداع کے موقع سے ہر فرد کی جان کے تحفظ کو حرم مکرم کے تقدس سے جوڑ کر نہ یہ کہ صرف ضروری قرار دیا گیا بلکہ لوگوں کی جان کو تحفظ فراہم کرنے کو نہایت مقدس عمل بھی قرار دیا۔ تاکہ حفاظت جان صرف قانونی حیثیت سے اختیار کرنے کے بجائے اس کی تقدیس کا تصور بھی قائم کیا جاسکے اور یہ تصور بھی پیدا کیا جائے کہ انسانی زندگی کی حفاظت نہایت مقدس اور پاکیزہ عمل ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا کہ بیشک تمہارے خون اور تمہارے مال تم پر اسی طرح حرام ہیں جیسے تمہارا یہ دن (یوم النحر) تمہارے اس مہینے (ذوالحجہ) اور تمہارے اس شہر (ام القریٰ مکہ) کی حرمت ہے۔ (صحیح مسلم)

جان کی حفاظت ہر انسان کا مساوی حق ہے۔ اس میں نسل و علاقہ، امیر و غریب اور مسلم و غیر مسلم کی تفریق کی گنجائش نہیں ہے۔ بطور خاص اسلامی ریاست میں غیر مسلموں کی جان و مال کو تحفظ فراہم کرنے کی بار بار تاکید کی گئی، اس کی سزائیں مقرر کی گئیں اور سنگین و عید بیان کی گئی۔ مثال کے طور پر ایک موقع سے اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ جس نے کسی معاہدہ کو قتل کیا وہ جنت کی خوشبو بھی نہیں پاسکے گا۔ (بخاری)

عزت و احترام کا حق

عزت و احترام بھی ہر فرد کا بنیادی حق ہے اور دیگر تمام افراد معاشرہ اور ریاست کی ذمہ داری ہے کہ وہ ہر فرد کے حق کا احترام کرے۔ ایسا کوئی رویہ اور قانون سازی عمل میں نہ آسکے جس سے کسی بھی فرد کی عزت کی پامالی کی راہ نکلتی ہو اور کسی کی عزت و شہرت اور وقار مجروح ہوتا ہو۔ نسل، عقیدہ، مال و دولت، سماجی مرتبہ اور سیاسی عزت و وقار سے قطع نظر ہر شخص کو وہ عزت اور مقام حاصل ہے جسے کوئی فرد یا معاشرہ پامال نہیں کر سکتا۔ اسلام نہ صرف حکومت کا فرض قرار دیتا ہے، بلکہ معاشرے کے ہر فرد کو اس بات کا ذمہ دار ٹھہراتا ہے کہ وہ کوئی ایسا کام سرانجام نہ دے جس سے معاشرے کے کسی بھی فرد کی عزت و وقار مجروح ہو۔ عیوب نکالنا، عیب جوئی کرنا، ناموں کو بگاڑنا، غیبت اور شخصی رازداری میں مداخلت اور تمسخر و غیرہ سے سختی سے منع کیا گیا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

”مومنو! کوئی قوم کسی قوم سے تمسخر نہ کرے ممکن ہے کہ وہ لوگ ان سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں عورتوں سے ممکن ہے کہ وہ ان سے اچھی ہوں اور اپنے (مومن بھائی) کو عیب نہ لگاؤ اور نہ ایک دوسرے کا بُرا نام رکھو ایمان لانے کے بعد بُرا نام (رکھنا) گناہ ہے اور جو توبہ نہ کریں وہ ظالم ہیں۔ اے اہل ایمان! بہت گمان کرنے سے احتراز کرو کہ بعض گمان گناہ ہیں اور ایک دوسرے کے حال کا تجسس نہ کیا کرو اور نہ

کوئی کسی کی غیبت کرے۔ کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرے گا کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے اس سے تو تم ضرور نفرت کرو گے (تو غیبت نہ کرو) اور اللہ کا ڈر رکھو بیشک اللہ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔“ (سورۃ الحجرات: 11 تا 12)

مذکورہ بالا آیات میں ان برائیوں کی نشاندہی کی ہے جن کی وجہ سے افرادِ معاشرہ کی عزت و آبرو متاثر ہوتی ہے، اسلامی قانون کے مطابق ریاست اس بات کی پابند ہے کہ وہ معاشرے میں عزت و آبرو کے تحفظ کے لیے مذکورہ قوانین پر عمل کا اہتمام کرے اور اس میں کسی لاگ لپیٹ کی گنجائش نہ ہو۔ عیوب کی پردہ داری رکھنا فرد کی عزت و احترام کے تحفظ و بقا کا اہم ذریعہ ہے، اس لئے ایک طرف جہاں غیبت و بہتان اور الزام تراشی جیسے فتنہ فعل سے منع کیا گیا وہیں ایک دوسرے کے عیوب پر پردہ ڈالنے کی تاکید کی گئی۔ اسلامی تعلیمات کے مطابق عزت نفس اور احترام ہر فرد کا بنیادی حق ہے، اس لیے ہر ایک کے مقام و مرتبہ کے اعتراف کے ساتھ اس کو مطلوبہ عزت و احترام دینا ضروری ہے۔ اس سے معاشرہ کو پر امن اور خوشگوار ماحول حاصل ہوتا ہے۔

آزادی کا حق

انسانی حقوق کے تصور میں آزادی کا تصور بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔ حریت و آزادی کے متعلق اسلام کا نظریہ یہ ہے کہ انسان نہ تو ایک جانور ہے جو آزادانہ طریقے سے اس دنیا میں جو چاہے کرے اور نہ ہی وہ مجبور محض ہے کہ اس کا اختیار ہی نہ ہو۔ اسلام ایسے جانور نما آزادی کو تسلیم نہیں کرتا کہ کوئی انسان اپنی خود سری میں مگن ہو کر دوسرے انسانوں کے حقوق کا استحصال کرنے لگے۔ بلکہ اسلام یہ تعلیم دیتا ہے کہ تمام انسان محترم ہے اور تمام مخلوقات پر اسے فضیلت دی گئی ہے لہذا انسانی حریت و آزادی اس کی عزت و عظمت کے ساتھ انسانی اقدار سے مزین ہوتی ہے، اخلاق و کردار اور روحانیت پہ مبنی ان حدود و قیود کی پابند ہوتی ہے جو پاکیزہ انسانی معاشرے کی تشکیل کے لیے درکار ہوتی ہیں۔ اسلامی تعلیمات میں انسان کی آزادی کو انسان کا سب سے اہم حق قرار دیا گیا اور واضح طور پر بتایا گیا کہ انسان تمام مخلوقات میں سب سے اشرف اور معزز ہے اور دنیا میں اسے خدا کا نائب بنا کر بھیجا گیا ہے۔ وہ صرف اپنے ایک خدا کی مرضیات کی پابندی کے ساتھ زندگی کے دیگر تمام معاملات میں بالکل آزاد ہے۔ چنانچہ اسلام نے تفریق و امتیاز کی تمام شکلوں پر پابندی لگادی اور واضح پیغام دیا کہ کوئی اپنی برتری ثابت کرتے ہوئے دوسروں کو اپنی مرضیات کا اسیر نہ بنائے۔ ایک حدیث میں آزادی کا حقیقی تصور بیان کرتے ہوئے ارشاد ہے کہ: ”اے لوگو! تمہارا پروردگار ایک ہے اور تم سب کا باپ ایک ہے۔ تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم مٹی سے پیدا ہوئے۔ تم میں سے جو شخص تقویٰ اور پرہیزگاری میں جتنا بڑھا ہو گا اللہ کے نزدیک اتنا ہی عزیز ہو گا۔ کسی عرب کو غیر عرب پر کسی غیر عرب کو کسی عربی پر فضیلت و برتری نہیں ہے اور نہ کسی گورے کو کسی کالے پر اور کسی کالے کو کسی گورے پر کوئی برتری ہے۔“ مزید فرمایا کہ: ”آدمی کی برتری کا معیار تقویٰ اور برائیوں سے بچنا ہے۔“ (مسند احمد)

یہ محض ایک اعلان نہیں تھا، بلکہ اسلامی معاشرہ میں اس کو قانونی حیثیت حاصل ہوئی اور مسلمانوں نے کسی پر اپنی مرضی نہیں چلائی بلکہ احکام الہی کے دائرے میں رہتے ہوئے سب کو آزاد سمجھا گیا۔ جب کہ غلامی جو کہ انسانی شرف و عزت کے لئے بدترین حالت ہے، ایک عرصہ تک تمام انسان سماج کا حصہ رہی اور دورِ جدید کے سرمایہ دارانہ استحصال نے انسان کو کسی نہ کسی پہلو سے غلامی اختیار کرنے پر مجبور کر رکھا ہے۔ اسلام نے انسانوں کے بدترین استحصال کے خاتمہ کا اعلان کیا اور باضابطہ قانون بنادیا کہ گرفتار کیے گئے قیدیوں کو بہر صورت آزاد کیا

جائے گا۔

حق ملکیت اور معاشی حقوق

اسلام نے سرمایہ دارانہ اور اشتراکیت کے برخلاف ہر چیز پر اصلی ملکیت کا حق خود خالق کائنات کا ہے، قرآن مجید میں بار بار اس حقیقت کی یاد دہانی کرائی گئی ہے کہ زمین و آسمان کی تمام چیزیں اللہ کی مملوک اور ماتحت ہیں۔ قرآن مجید کی متعدد آیات میں اللہ کی ملکیت کا مختلف انداز و اسلوب میں تذکرہ کیا گیا ہے، جس کا واضح مقصد یہ ہے کہ انسان کے ذہن و دماغ میں یہ بات مکمل طور پر نقش کر جائے کہ کائنات میں اللہ کے علاوہ کسی کی ادنیٰ ملکیت بھی نہیں ہے اور نہ ہی اس ملک میں کسی کی معمولی شرکت ہے۔ ایک جگہ ارشاد ہے: ”اللہ وہ ذات ہے جو آسمانوں اور زمین کی بادشاہت کی تہا مالک ہے اور جس نے نہ تو کوئی بیٹا بنایا ہے اور نہ اُس کی بادشاہت میں کوئی شریک ہے اور جس نے ہر چیز کو پیدا کر کے اُس کو ایک نیا تلاء انداز عطا کیا ہے۔“

انسان کو دنیا میں موجود اللہ کی نعمتوں سے استفادہ کا مساوی حق دیا گیا ہے اور فرد کو آزادانہ اختیار دیا گیا ہے کہ اپنی محنت کی بنیاد پر عام استعمال کی چیزوں کے جس قدر حصے کو بھی چاہے صرف کرے بشرطیکہ اس میں کسی دوسرے کا استحصال نہ ہو۔ کیوں کہ معاشی مساوات کا قیام انسانی سماج کے وجود و بقا کے لیے خشت اول کی حیثیت رکھتا ہے اس لئے اسلام میں ترجیحی بنیاد پر تمام لوگوں کے معاشی حقوق و فرائض کا واضح تعین کرتے ہوئے ایک دوسرے کے معاشی حقوق کا مکمل احترام کیا گیا اور کائنات کے مالک نے ہی یہ اصول بیان کیا ہے کہ اللہ کی ملکیت میں اُس کے سارے بندے برابر کے حقدار ہیں اور کرہ ارض میں موجود تمام قسم کے اسباب معیشت پر سب انسان برابر کا حق رکھتے ہیں۔

تعلیم کا حق

تعلیم حاصل کرنا ہر انسان کے بنیادی حقوق میں شامل ہے۔ حکومت کے لیے لازم ہے تمام افراد کے لیے معیاری و عصری ضرورتوں کے مطابق تعلیم و تربیت کا بندوبست کرے کیونکہ قوموں کی ترقی کا راز علم حاصل کرنے میں ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ تعلیم ہی وہ قیمتی جوہر ہے جس پر ملک و معاشرے کی بنیاد قائم کی جاتی ہے اور جس سے ملک و قوم اور معاشرے کو مناسب رخ فراہم ہوتی ہے۔ تعلیم سے جہاں معاشرے کو فلاح و بہبود کی گراں قدر بلندی حاصل ہوتی ہے وہیں یہ تمام مفاسد و مضرات اور زوال و تحلف کا علاج بھی بتاتی ہے اور مادی ترقیات سے لے کر اخلاقی و روحانی اصلاحات میں کلیدی کردار ادا کرتی ہے۔ شریعت اسلامیہ ہر شخص کے لیے تعلیم کو ضروری بلکہ فریضہ قرار دیتی ہے اور ریاست پر لازم ہے کہ تمام افراد کو بلا تفریق مواقع فراہم کرے۔ آنحضرت ﷺ تعلیم کو اتنا لازم قرار دیتے ہیں کہ آپ نے مسجد نبوی میں پہلی اسلامی یونیورسٹی کی ابتدا کی جہاں پر ملکی اور بین الاقوامی طلبہ کو تمام دینی اور دنیاوی علوم سکھائے جاتے تھے اور اسی طریقے پر تمام خلفائے راشدین نے بھی عمل کیا۔

1.5 مذہبی آزادی اور اسلام کی مذہبی رواداری

دین و مذہب کی آزادی انسان کے ان بنیادی حقوق میں سے ہے جو انسانی فطرت کا تقاضا ہے، مذہب و عقیدہ کا تعلق دل سے ہوتا ہے

اور دل میں رچی بسی فکر کو طاقت و قوت اور دھوکہ اور فریب کے ذریعہ بدلا نہیں جاسکتا۔ بلکہ دل میں نقش کردہ نظریات کے تئیں مزید احترام اور یقین کا جذبہ پیدا ہو جاتا ہے اور ان کے تعلق سے یقین و اعتماد مزید بڑھ جاتا ہے، کیوں کہ مذہب انسان کی دانشورانہ صحت کا آئینہ دار ہوتا ہے اور ماننے والے کے اندر درست انداز میں سوچنے کی حس بیدار کرتا ہے۔ ہر عہد کا انسان اپنی فطرت اور ضرورت کے تحت خدا کا طالب ہوتا ہے۔ اس لئے انسان کے اس حق کو تسلیم کرنا اور اسے مذہبی آزادی فراہم کرنا کسی بھی سماج اور ملک کے استحکام کے لیے ضروری ہے۔ قرآن مجید میں نہایت واضح لفظوں میں بیان کر دیا گیا ہے کہ دین میں کسی قسم کی زور زبردستی کی گنجائش نہیں ہے، کیوں کہ دین کی راہ دل کے اعتقاد و یقین کی راہ ہے اور اعتقاد دعوت و موعظت سے پیدا ہو سکتا ہے نہ کہ جبر و اکراہ سے۔ اس لیے ایمان قبول کرنے کے باب میں کسی کو مجبور کرنے کا تصور بھی ہو سکتا ہے۔ کیونکہ مجبور کرنے کا مطلب ہے کسی کے سر ایسا کام تھوپ دینا جس کو وہ ناپسند کرتا ہے۔ لہذا یہ چیز افعال و جوارح میں تو پائی جاسکتی ہے لیکن ایمان جو تصدیق قلب اور انقیاد محض کا نام ہے دباؤ کے ساتھ نہیں پایا جاسکتا ہے۔ مذہبی عصبيت کے مقابلے میں دنیا کو مذہبی رواداری کی سخت ضرورت ہے۔ رواداری سے مراد تحمل و برداشت ہے۔ رنگ و نسل، فکر و اعتقاد، زبان و وطن اور مذہب کی بنیاد پر عصبيت کا شکار ہوئے بغیر ایک دوسرے کو برداشت کرنا رواداری کہلاتا ہے۔ مذہبی رواداری کا واضح مطلب یہ ہے کہ مذہبی بنیاد پر آراء و نظریات کے اختلافات کا احترام کیا جائے اور مذہبی، دینی اور معاشرتی معاملات میں فراخ دلی اور وسعت نظری کا مظاہرہ کیا جائے۔ اسلام مذہبی عصبيت اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والی شدت پسندی اور جارحیت کا سخت مخالف ہے۔ مذہبی رواداری کی ضد مذہبی انتہا پسندی ہے جس کی بڑی وجہ فرقہ واریت ہے جو عدم برداشت اور شدت پسندی کو فروغ دیتی ہے۔ قرآن وحدیث کی تشریحات میں ہر طرح کی فرقہ واریت سے اجتناب کرنے کی تاکید کی گئی ہے اور مذہبی رواداری اور مذہب سے اوپر اٹھ کر باہمی تعاون پر ابھارا گیا ہے۔ حتیٰ کہ اللہ کے آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے دیگر انبیاء پر اپنی برتری کا تذکرہ کرنے سے بھی منع فرمایا۔ ایک موقع سے آپ نے ارشاد فرمایا کہ: ”مجھے موسیٰ علیہ السلام پر فضیلت مت دو اس لئے کہ لوگ قیامت کے دن بے ہوش ہو جائیں گے اور میں بھی ان لوگوں کے ساتھ بے ہوش ہو جاؤں گا۔ سب سے پہلے مجھے ہوش آئے گا۔ میں دیکھوں گا کہ موسیٰ علیہ السلام عرش کا کونہ پکڑے ہوئے ہوں گے۔ میں نہیں جانتا کہ وہ بے ہوش ہو کر مجھ سے پہلے ہوش میں آجائیں گے یا اللہ عزوجل نے ان کو بے ہوشی سے مستثنیٰ کر دیا ہے۔“ (بخاری)

اللہ کے رسول ﷺ نے مقام رفعت پر فائز ہونے کے باوجود اس طرح کی فضیلت بیانی اور ترجیحی طرز عمل اختیار سے منع فرمایا۔ کیوں کہ یہ طرز عمل معاشرے میں مذہبی انتہا پسندی، عدم برداشت اور فرقہ واریت کو بڑھا دیتا ہے اور مذہبی رواداری اور باہمی الفت و محبت پر مبنی رویوں کو ختم کر کے انسانی معاشرہ کو فساد و غارت گری کا ڈھبنا دیتا ہے۔

1.5.1 مذہبی شعار اور مذہبی نمائندوں کا احترام

مذہبی رواداری کو بڑھاوا دینے کے لئے دوسروں کے مذہبی شعار اور مذہبی نمائندوں کو برا بھلا کہنے سے سختی سے منع کیا گیا کیوں کہ اس سے مذہبی منافرت، انتشار اور عدم برداشت کی صورت حال جنم لیتی ہے اور معاشرے میں جارحیت کی جڑیں مضبوط ہوتی ہیں۔ قرآن مجید میں ایک جگہ ارشاد ہے: وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ فَيَسُبُّوا اللَّهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ كَذَلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ أُمَّةٍ عَمَلَهُمْ

ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّهِمْ مَرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُم بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ (سورة الانعام: 108) ”یہ لوگ اللہ کے سوا جن کو پکارتے ہیں انہیں برا بھلا مت کہو، کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ لوگ لاعلمی کی وجہ سے اللہ کو برا بھلا کہنے لگے۔“

1. مذہبی رواداری کی عملی مثالیں

اسلام کی مذہبی رواداری ایسی مسلمہ حقیقت ہے جس کی شہادت نہ یہ کہ صرف اسلام کے ماننے والوں کی زبان و قلم سے بیان ہوتی ہے بلکہ ان لوگوں نے بھی اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے جو ہمیشہ اسلام کی تعلیمات پر تنقید کرتے رہے ہیں۔

مثال کے طور پر مشہور مستشرقہ ”Dr Laura VecciaVaglieri“ اسلامی رواداری کا تذکرہ کرتی ہوئی لکھتی ہیں:

”قرآن مجید اعلان کرتا ہے کہ اسلام میں جبر نہیں ہے۔ محمد خدائی تعلیمات پر سختی سے کاربند تھے۔ بالعموم تمام مذاہب کے ساتھ اور توحیدی مذاہب کے ساتھ خصوصی رواداری کا معاملہ کرتے تھے۔ چنانچہ آپ کفار کے ساتھ صبر و تحمل کا رویہ اختیار کرتے۔ عیسائی اداروں کی حفاظت کی تاکید فرماتے۔ ساتھ ہی یہودیوں کو ان کے مذہب کی وجہ سے کسی طرح کی تکلیف نہ پہنچے اس کے لئے آپ بے تحاشا فکر مند رہتے تھے۔“ (An interpretation of Islam)

مذہبی رواداری کے متعلق جہاں قرآن و سنت میں بار بار تلقین کی گئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا شاندار عملی نمونہ پیش کیا وہیں آپ کے جانشینوں نے ہر زمانے میں اس کو اپنے نظام حکومت کا بنیادی حصہ بنائے رکھا اور اس پر سختی سے کاربند رہے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں غیر مسلموں کے حقوق اور مذہبی امور کی حفاظت کے لیے باضابطہ معاہدے تحریر کرائے گئے۔ ان معاہدوں میں مندرجہ ذیل امور پر خصوصی توجہ دی جاتی تھی کہ غیر مسلموں کی عبادت گاہیں مسمار نہ کی جائیں اور نہ وہ قلعے گرائے جائیں جن میں دشمنوں سے حفاظت کے لیے پناہ لیتے ہیں، ناقوس بجانے اور تہوار و تقریب کے موقع سے علامتی جھنڈے، صلیب وغیرہ نکلنے سے نہ روکا جائے۔“ (کتاب الخراج)

خليفة ثانی حضرت عمر نے بھی اس طرح کے معاہدوں کو خوب اہمیت دی اور غیر مسلموں سے دیگر متعدد معاہدے کیے۔ مثال کے طور پر اہل ایلیاء سے کیا گیا معاہدہ کافی مشہور ہے جس میں بطور خاص کہا گیا کہ یہ امان ہے جو اللہ کے بندے امیر المومنین عمر نے اہل ایلیاء کو دی۔ یہ امان جان و مال، گرجا، صلیب، تندرست و بیمار اور ان کے تمام اہل مذاہب کے لئے ہے۔ نہ ان کے گرجے گرائے جائیں، نہ ان کے گرجوں میں سکونت اختیار کی جائے، نہ ان کے احاطوں کو نقصان پہنچایا جائے۔ مذہب کے بارے میں ان پر کوئی جبر نہیں کیا جائے اور نہ کسی کو کسی بھی طرح کا نقصان پہنچایا جائے۔ (الفاروق)

دنیا کے ذخیرہ اخلاق میں مذہبی رواداری اور مذہبی توسع کے تعلق سے یہ بات نادر الوجود ہے کہ مذہب و عقیدہ کی بنیاد پر جانی دشمنوں کے ساتھ عنود و گزر اور ہمدردی و غمخواری اور ان کے حقوق کی رعایت کو لازم قرار دیا گیا ہو اور اس پر سختی سے عمل کرنے کی تاکید کی گئی ہو۔ اسلامی تعلیمات میں اس طرح کے ہزاروں عملی ثبوت تاریخ کے صفحات پر جلی قلم سے درج ہیں۔ خود قرآن مجید اس طرح کی تاکید سے بھرپور ہے۔ مثلاً ایک جگہ ناپسندیدہ رویوں اور بدسلوکی کے بدلے خیر و بھلائی کا رویہ اختیار کرنے کی تاکید کی گئی۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ

و سلم کی تعلیمات جو صحیح ترین سند سے ہم تک پہنچی ہیں ان میں دشمنوں کے ساتھ عفو و درگزر اور حسن سلوک کی جو عملی مثالیں موجود ہیں وہ قدیم دنیا کی تاریخ تو دور معاصر دنیا کے تصور میں بھی نہیں آسکتی ہیں۔ اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے سخت ترین دشمنوں کے ساتھ بھی کبھی انتقامی کارروائی نہیں کی۔ اہل مکہ نے جو زیادتیاں آپ کے ساتھ کیں وہ تاریخ کے کسی بھی طالب علم کی نگاہ سے پوشیدہ نہیں ہیں۔ متعدد مرتبہ آپ پر قاتلانہ حملے کیے گئے، تمام قبائل کے منتخب افراد آپ کو قتل کر دینے کے لئے آپ کے گھر میں حملہ آور ہوئے۔ اس کے علاوہ آپ پر اس قدر زیادتیاں کی گئیں کہ آپ کو ترک وطن کرنا پڑا، لیکن نو سال بعد جب اسی شہر میں آپ فاتحانہ داخل ہوئے اور سامنے وہی ظالم و جابر صف بستہ کھڑے تھے جنہوں نے آپ کو پورے خاندان سمیت شعب ابی طالب میں محصور کر کے آپ کا مکمل بائیکاٹ کیا تھا اور بے پناہ مظالم ڈھا کر ترک وطن پر مجبور کر دیا تھا۔ آپ نے ان لوگوں کے توقعات کے خلاف ان کے لیے معافی عام کا اعلان کرتے ہوئے فرمایا کہ آج تم پر کوئی گرفت نہیں ہے تم سب آزاد ہو۔

1.6 اجتماعی و معاشرتی حقوق

جس طرح ہر انسان کے انفرادی حقوق اور انفرادی ذمہ داریاں ہوتی ہیں اسی طرح اسلام ہر انسان کو اجتماعی حق دیتا ہے اور ہر ایک پر اجتماعی ذمہ داریاں بھی عائد کرتا ہے۔ اجتماعی سطح پر حقوق و فرائض کی ادائیگی انسانی زندگی کی ہمہ جہت خوشگواہی کے حصول کے لیے ضروری ہے۔ اسلام معاشرے کے تمام افراد، معاشرتی اداروں اور معاشرے سے متعلق تمام امور کے لئے معاشرتی حقوق و فرائض کا تعین کرتا ہے تاکہ ایک متوازن، معتدل اور انسانی حقوق کا احترام کرنے والے معاشرہ کی تشکیل عمل میں آسکے۔ اسلام کے معاشرتی نظام میں دو چیزوں کی خاص اہمیت ہے، رشتہ داروں کا پاس و لحاظ اور حقوق کی ادائیگی۔ چنانچہ اسلام کے بنیادی مراجع میں صلہ رحمی، رشتہ داری کا پاس و لحاظ اور رشتہ داروں کے حقوق کی رعایت کی متعدد مقامات پر تاکید کی گئی ہے اور قطع رحمی سے سختی سے روکا گیا ہے۔ قرابت کے احترام کو ملحوظ رکھنے اور صلہ رحمی کے رویوں کو اختیار کرنے سے معاشرہ میں پیار و محبت کے جذبات عام ہوتے ہیں، باہمی عداوت و دشمنی کا خاتمہ ہوتا ہے اور مشکلات کے وقت ایک دوسرے کے کام آنے اور باہمی تعاون کے جذبات کو مہمیز ملتی ہے۔ اس طرح معاشرے کے تمام افراد باہمی خطرات اور شرارتوں سے حد درجہ مامون ہو جاتے ہیں اور ہر طرف خوشحالی کا ماحول پیدا ہو جاتا ہے۔

1. اہل قرابت اور رشتہ دار کے حقوق

معاشرتی زندگی کا اہم ترین ستون اہل قرابت اور رشتہ دار ہیں، جن کے بغیر سماج کی خوبصورتی بے معنی ہو جاتی ہے۔ اسلامی اجتماعی نظام میں اہل قرابت کے ساتھ حسن تعامل کو خاص اہمیت حاصل ہے، اس لئے اہل قرابت کے ساتھ حسن سلوک، ہمدردی، خیر خواہی اور غم گساری کی تاکید کی گئی ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے: **وَآتِ ذَا الْقُرْبَىٰ حَقَّهُ وَالْمِسْكِينَ وَاجِنِ السَّبِيلَ وَلَا تَبْذُرْ تَبْذِيرًا** (بنی اسرائیل: 26) ”اور رشتہ داروں اور محتاجوں اور مسافروں کو ان کا حق ادا کرو اور فضول خرچی سے مال نہ اڑاؤ۔“

رشتہ دار خواہ غلط رویہ اختیار کریں بلکہ الزام تراشی کریں تب بھی انہیں معاف کر دینا چاہیے اور ان کے ساتھ حسن سلوک کو جاری رکھنا چاہیے۔ حضرت عائشہؓ کے متعلق منافقین کی طرف سے پھیلانے گئے پروپیگنڈوں میں حضرت ابو بکرؓ کا ایک غریب اور محتاج رشتہ دار بھی

شامل ہو گیا تھا، اس وجہ سے حضرت ابو بکرؓ نے اس کی مالی معاونت سے انکار کر دیا تھا، ایسے حالات میں تنبیہ کی گئی کہ اسے معاف کر دینا چاہیے اور معاونت اور حسن سلوک کو بدستور جاری رکھنا چاہیے۔ (النور: 22)

یہاں تک کہ قرابت کے پاس و لحاظ رکھنے میں مذہبی تفریق کو بھی آڑے آنے دینا اسلام میں ناپسندیدہ ہے۔ حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ کی مشرکہ ماں کا ایک مرتبہ ان کے پاس آنا ہوا، حضرت اسماءؓ نے اللہ کے رسول سے پوچھا کہ کیا میں ان کے ساتھ حسن سلوک کر سکتی ہوں؟ آپ نے فرمایا ضرور ان کے ساتھ صلہ رحمی کرو۔ (بخاری)

قرآن مجید کی متعدد آیات میں رشتوں کو جوڑنے کا حکم دیا گیا ہے، رشتہ داری کی اہمیت کو ملحوظ رکھنے اور رشتہ داری کے تقاضوں کو ہر پل نبھانے کی تاکید کی گئی ہے اور اس سے پہلو تہی کرنے والوں اور ان کے حقوق کی رعایت نہ کرنے والوں کو سخت وعید کا مستحق قرار دیا ہے۔

ملازمین اور متعلقین کے حقوق

وہ تمام افراد سماج کا اہم حصہ ہوتے ہیں جن سے ہمارا کسی بھی طرح کا معاملہ ہوتا ہے، جیسے ملازمین، احباب، خیر خواہ وغیرہ۔ اسلام ان تمام لوگوں کے ساتھ حسن سلوک اور باہمی تعاون کی تلقین کرتا ہے۔ یتیموں، بیواؤں، مساکین، مقروض اور سماج کے کمزور افراد کے ساتھ حسن سلوک اور ان کی خیر خواہی کی بار بار تاکید کی گئی اور باضابطہ ان کے حقوق متعین کئے گئے، جو قرآن و سنت میں تفصیل سے درج ہیں۔

1.7 اکتسابی نتائج

اس اکائی میں آپ نے درج ذیل نکات سیکھے:

- حقوق عربی میں حق کی جمع ہے جس کے معنی موافقت، ہم آہنگی، درست اور واجب کے ہیں۔ اصطلاح میں حقوق ان ذمہ داریوں اور مطالبات کو کہا جاتا جن کا بعینہ پورا کرنا ضروری ہے، خواہ ان کا تعلق عقیدہ، نظریہ اور ایمان سے ہو یا دنیاوی معاملات سے ہو۔
- اسلامی تعلیمات میں حقوق کے ساتھ فرائض کو بھی بیان جاتا ہے اور دونوں کو ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم قرار دیا جاتا ہے، کیوں کہ معاشرہ میں لوگوں کو صرف حقوق ہی حاصل ہوتے رہیں اور ان پر کسی طرح کی کوئی ذمہ داری عائد نہ ہوں تو معاشرہ جمود و تعطل اور انتشار و بد امنی کا شکار ہو کر رہ جائے گا، اسی طرح صرف لوگوں پر فرائض ہی عائد کیے جائیں اور ان کے حقوق کو نظر انداز کر دیا جائے تو معاشرہ میں غلامی، جبر و استبداد اور ظلم و زیادتی کا خوفناک رجحان غالب آجائے گا۔
- قرآن و سنت میں حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں حقوق کی بات کی گئی ہے۔ حقوق انسانی کے متعلق اسلام جہاں حقوق العباد اور حقوق اللہ دونوں کی اہمیت کو بیان کرتا ہے وہیں دونوں کے درمیان توازن و تناسب کی بھی ہدایت کرتا ہے۔
- اسلام حقوق کی ہمہ گیریت کا قائل ہے، اس لئے اسلام میں ہر انسان کے حقوق متعین کئے گئے ہیں اور ایسا تصور پیش کیا گیا ہے جو انسانی زندگی کے تمام شعبوں پر محیط ہے اور جس میں انسان کے باہمی تعلقات اور باہمی روابط سے لے کر نفسیاتی تقاضوں اور جذبات کا بھی لحاظ رکھا گیا ہے۔

- اسلام کی نظر میں حقوق کے تعین کا دار و مدار وحی پر ہے اور وحی کی روشنی میں حقوق و فرائض کا تعین کیا جاتا ہے نہ کہ معاشرے کے پسند و ناپسند پر۔ اسلام عدل پر مبنی ایسا نظام حیات پیش کرتا ہے جس میں عدل و انصاف کو تمام انسانوں کا بنیادی حق قرار دیتا ہے۔
- حقوق انسانی کے متعلق اسلامی تصویر یہ کہ تمام انسان قابل احترام ہے اور تمام معاملات میں انسانی اقدار اور انسانیت کے احترام کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ قرآن و سنت کے مطابق حقوق انسانی کی بنیاد مساوات انسانی ہے۔ دنیا کی تاریخ میں حقوق انسانی کی پامالی کا معاملہ جہاں بھی پیش آیا سب کی کلیدی وجہ عدم مساوات ہی ہے۔

1.8 نمونہ امتحانی سوالات

1.8.1 معروضی جواب کے متقاضی سوالات

1. اسلامی تعلیمات میں حقوق کے ساتھ۔۔۔ بھی بیان جاتا ہے؟
(a) نماز روزے کو (b) انسانیت کی خدمت کو (c) حسن سلوک کو (d) فرائض کو
2. اسلام کے نظر میں حقوق کے تعین کا دار و مدار کس چیز پر ہے؟
(a) وحی پر (b) سوسائٹی پر (c) سماج کی ضرورتوں پر (d) انسانی پسند و ناپسند پر
3. ایسا کون سا نظام حیات ہے جو حقوق کی ہمہ گیریت کا قائل ہے؟
(a) مغربی نظام (b) سامراجی نظام (c) کمیونزم (d) اسلامی نظام
4. دنیا میں حقوق انسانی کی پامالی کی کلیدی وجہ کیا ہے؟
(a) عدم مساوات (b) باہمی محبت کا فقدان (c) دولت کی فراوانی (d) لوگوں کی مشغولیت
5. دوسروں کے مذہبی شعار اور مذہبی نمائندوں کو برا بھلا کہنے سے کیا صورت حال جنم لیتی ہے؟
(a) سیاسی انتشار (b) معاشی افراط فری (c) اخلاقی گراؤ (d) مذہبی منافرت و عدم برداشت

1.8.2 مختصر جواب کے متقاضی سوالات

1. حقوق کا مفہوم اور اصطلاح پر ایک نوٹ لکھیے۔
2. حقوق کے ساتھ فرائض کیوں ضروری ہیں؟ قلمبند کیجیے۔
3. حقوق انسانی کا تعین وحی کی بنیاد پر کیوں ہونا چاہیے؟ مفصل لکھیے۔
4. اسلام میں تکریم انسانیت کا تصور کیا ہے؟ بیان کیجیے۔
5. مساوات مرد و زن کے متعلق اسلام کا انفرادی تصور کیا ہے؟ تحریر کیجیے۔

1.8.3 طویل جواب کے متقاضی سوالات

1. حقوق انسانی کے اسلامی تصور میں حقوق و فرائض اور حقوق اللہ اور حقوق العباد کی اہمیت پر تفصیل سے روشنی ڈالیں۔
2. حقوق انسانی میں تکریم انسانیت، مساوات اور عدل و انصاف کی ضرورت کو تفصیل سے تحریر کریں۔
3. بنیادی حقوق انسانی کیا ہیں اور اسلام میں ان کی کیا اہمیت ہے؟ قلمبند کیجیے۔

1.9 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1. اسلام حقوق انسانی کا پاساں : مولانا سید جلال الدین عمری
2. اسلام اور انسانی حقوق اقوام متحدہ کے عالمی منشور کے تناظر میں : ابوعمار زاہد الراشدی
3. قرآن حکیم کی روشنی میں حقوق انسانی : رقیہ بنت علامہ خلیل عرب
4. اسلام میں انسانی حقوق : ڈاکٹر سلیمان بن عبدالرحمن
5. اسلام کا نظام حقوق و فرائض : ابو حمزہ عبدالخالق
6. حقوق العباد : سید بدیع الدین شاہ راشدی

معروضی سوالات کے متقاضی جوابات

1. D	2. A	3. D	4. A	5. D
------	------	------	------	------

اکائی 2: اسلام میں بنیادی انسانی حقوق (حصہ اول)

اکائی کے اجزاء:

2.0	تمہید
2.1	مقاصد
2.2	مساوات کا حق
2.3	دفاع کا حق
2.4	تعلیم کا حق
2.5	محنت کا حق
2.6	لباس کا حق
2.7	امن کا حق
2.8	کھانے پینے کا حق
2.9	اقتصادی نتائج
2.10	نمونہ امتحانی سوالات
2.10.1	معروضی جوابات کے متقاضی سوالات
2.10.2	مختصر جوابات کے متقاضی سوالات
2.10.3	طویل جوابات کے متقاضی سوالات
2.11	تجویز کردہ اکتسابی مواد

2.0 تمہید

بنیادی انسانی حقوق کی ہمیشہ بڑی اہمیت رہی ہے، کیوں کہ ان حقوق سے واقفیت اور ان کی ادائیگی کے بغیر سماج میں امن و آشتی کا قائم ہونا نا

ممکن ہے۔ اسی لئے اسلام نے آج سے تقریباً پندرہ صدی قبل انسان کے بنیادی حقوق کو بہت واضح انداز میں بیان کر دیا ہے اور اس بات کو یقینی بنایا کہ ہر شخص کو اس کا بنیادی حق ضرور دیا جائے۔ اس اکائی میں اسلام کے عطا کردہ سات اہم بنیادی انسانی حقوق کا تذکرہ کیا جائے گا۔

2.1 مقاصد

اس اکائی کا مقصد یہ ہے کہ آپ

- انسانی حقوق کی مفہوم اور اہمیت سے بہرہ ور ہوں۔
- عدم مساوات سے واقع ہونے والی حقوق کی پامالی کا تجربہ کر سکیں گے۔
- قرآنی تعلیمات میں موجود بنیادی حقوق اور ان سے متعلق فرائض کا جائزہ لے سکیں۔

2.2 مساوات کا حق

مساوات انسان کے بنیادی حقوق کا پہلا زینہ ہے، کیوں کہ حقوق انسانی کی پامالی جب بھی اور جہاں بھی ہوئی، عدم مساوات کے سبب ہی سے ہوئی۔ تاریخ ہمیں بتاتی کہ انسان نے اپنے ہی جیسے دوسرے انسان کو اپنے سے کمتر، بلکہ بسا اوقات جانور یا جانور سے بھی بدتر سمجھ کر برتاؤ کیا۔ لیکن اسلام کے نزدیک دنیا کے تمام انسان برابر ہیں۔ کسی کو کسی پر کوئی فوقیت اور برتری حاصل نہیں ہے۔ ہاں اپنی شکل و صورت، رنگ و نسل اور طبیعت و خصلت کے اعتبار سب مختلف ہیں۔ مگر بشریت اور انسانیت کے رشتہ سے سب یکساں ہیں۔ سب ایک ماں باپ کی اولاد ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً (النساء: 1)** ”اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تم کو ایک جان (یعنی آدم) سے پیدا کیا (کیوں کہ سب آدمیوں کی اصل وہی ہیں) اور اس (ہی) جاندار سے اس کا جوڑا (یعنی ان کی زوجہ حواء) کو پیدا کیا اور پھر ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں (دنیا میں) پھیل گئیں۔“ اس آیت سے پتہ چلتا ہے کہ دنیا کے تمام انسان ایک ماں باپ کی اولاد ہیں۔ ان کا مادہ تخلیق اور طریقہ تخلیق ایک ہے، خواہ کوئی غریب کا بچہ ہو، یا امیر کا مزدور کا بچہ یا سرمایہ دار کا، بحیثیت انسان ان میں کسی طرح کا کوئی فرق نہیں ہے۔ البتہ اپنے خالق و مالک کی اطاعت و فرمانبرداری اور تقویٰ و خدا ترسی کی بنیاد پر انسان کو فضیلت ملتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاهُمْ (الحجرات: 13)** ”لوگو، ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور پھر تمہاری قومیں اور برادریاں بنادیں تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔ درحقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تمہارے اندر سب سے زیادہ پرہیزگار ہو۔“

اس آیت میں پہلی بات یہ بتائی گئی کہ سارے انسانوں کی اصل ایک ہے۔ مختلف قوموں، نسلوں، زبانوں اور رنگوں کے درمیان ان کی تقسیم کی کوئی معقول وجہ نہیں ہے۔ دوسری بات یہ بتائی گئی کہ قوموں اور قبیلوں کی تقسیم صرف تعارف کے لیے ہے۔ فخر و فضیلت اور امتیاز کے لیے نہیں ہے۔ اس حقیقت کو رسول اللہ ﷺ نے خطبہ حجة الوداع میں انتہائی بلیغ انداز میں آشکارا کیا ہے، جس میں قومی اور نسلی برتری کے

احساسات کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا اور بتایا کہ آدم کی اولاد سب ایک حیثیت کی مالک ہے، ہاں تقویٰ، خدا ترسی اور رفعت کردار سے انسان عزت و سر بلندی کے مقام پر پہنچتا ہے اور وہ دوسروں کے لیے قابل احترام ٹھہرتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”یا ایہا الناس! الا! ان ربکم واحد و ان اباکم واحد الا! لافضل لعربی علی العجمی ولا لعجمی علی عربی ولا لاحمر علی اسود ولا لاسود علی احمر الا بالتقویٰ“۔ (المیثقی، شعب الایمان) ”اے لوگو! تمہارا رب ایک ہے اور تمہارا باپ ایک ہے۔ سنو! کسی عربی کو کسی عجمی پر کوئی فضیلت نہیں اور نہ کسی عجمی کو عربی پر نہ کسی گورے کو کالے پر اور نہ کالے کو گورے پر ماسوا تقویٰ کے۔“

اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے دنیا کے تمام انسانوں کو ایک دوسرے کا بھائی قرار دیا: ”انا شہید ان العباد کلہم اخوة“۔ (سنن ابی داؤد، کتاب تفریع ابواب الوتر، باب ما یقول الرجل اذا سلم) ”میں اس بات کی شہادت دیتا ہوں کہ سارے انسان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔“

ان آیات و احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بحیثیت انسان کوئی کسی سے کم نہیں ہے۔ البتہ بعض خارجی اسباب کی بنا پر فرق مراتب ہیں۔ ایک کو دوسرے پر ترجیح حاصل ہے اور یہ ایک فطری بات ہے۔ جس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ مثلاً کوئی نیک اور پرہیزگار ہے تو اسے بد اور برے پر برتری یا ایک پڑھا لکھا شخص ہے تو اسے دوسرے جاہل شخص پر فوقیت حاصل ہونا فطری ہے۔ اس فرق کا اعتراف نہ کرنا اور دونوں کے ساتھ مساویانہ طرز عمل ہر معاملہ میں اختیار کرنا ایک پرہی نہیں بلکہ دونوں پر ظلم ہے۔

اگر جاہل کو وہی کام اور ذمہ داریاں دے دی جائیں، جو پڑھے لکھے کو تو اس کا نتیجہ سوائے بد نظمی اور بگاڑ و فساد کے اور کیا ہو سکتا ہے۔ بالکل اسی طرح جو لوگ صنفی برابری اور مرد و عورت کی کامل مساوات کی بات کرتے ہیں وہ بھی بگاڑ کو دعوت دے رہے ہیں کیوں کہ جو کام مرد کر سکتا ہے وہ عورت نہیں کر سکتی اور جو عورت کر سکتی ہے وہ مرد نہیں کر سکتا۔ اس طرح امیر، غریب اور آقا و غلام کا انسانی فرق اسلام کے تصور مساوات نے ختم کر دیا۔ معاشرہ میں اپنی حیثیت کے اعتبار سے جس کا جو بھی رتبہ ہو، انسان کی حیثیت سے سب برابر ہیں اور اپنی صلاحیت و لیاقت کی بنیاد پر آگے بڑھنے کے مواقع سب کے لئے یکساں ہیں۔ قیادت کی بنیاد لیاقت و خدمت قرار پائی، نہ کہ نسل و خاندان۔ غلاموں کو رئیسوں کی دامادی تک کا شرف حاصل ہوا۔ سلطنت مملوک یا غلام خاندان کی سلطنت تاریخ عالم میں اسلام کا ایک امتیازی نشان ہے۔ غرض یہ کہ اسلام نے مساوات انسانی کا وہ تصور دیا جو دنیا کے کسی مذہب کے پاس نہیں ہے۔ اس نے تمام بنی نوع انسان کو سماجی، سیاسی، معاشی اور قانونی مساوات کا حق عطا کیا ہے۔ اور اس میں نسب، رنگ و نسل، زبان و وطن، عقیدہ و خیال کی کوئی تمیز نہیں کی۔

انسانوں کے درمیان فرق و امتیاز اور ان پر ظلم و زیادتی خدا کی آتش غضب کو بھڑکاتی ہے اور جس قوم کو یہ مرض لگ جائے وہ بالآخر تباہ ہو جاتی ہے۔ فرعون اور اس کی قوم نسلی تعصب اور احساس برتری میں مبتلا تھی اور وہ بنی اسرائیل کو اپنے مساوی حیثیت دینے کے لیے تیار نہ تھی، اس نے انہیں غلام بنائے رکھا تھا اور انہیں محض خدمت گار کی حیثیت سے دیکھتی تھی، نسل کشی کے ذریعہ ان کی افرادی قوت گھٹانے اور انہیں کم زور کرنے کی مسلسل تدبیریں کر رہی تھی اور ان کے ابھرنے کے تمام مواقع اس نے مسدود کر رکھے تھے۔ کسی قوم کے ایک طبقہ کو اس طرح دبانا اور کچلنا سنگین جرم تھا۔ قرآن مجید نے اس ظلم و زیادتی کو جگہ جگہ بیان کیا ہے اور واضح کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرعون کی اس روش کے مقابلہ میں بنو اسرائیل جیسی کم زور قوم کو اوپر اٹھایا اور فرعون اور اس کی قوم کو تباہ و برباد کر دیا: ارشاد باری ہے: ﴿فَرَعَوْنَ عَلَیْهِ﴾

الْأَرْضَ وَجَعَلَ أَهْلَهَا شِيَعًا يَسْتَضِعُّ طَائِفَةٌ مِنْهُمْ يَذِئْبُ بَنَاءَهُمْ وَيَسْتَحْيِي نِسَاءَهُمْ إِنَّهُ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِينَ ۝ وَنُرِيدُ أَنْ نَمُنَّ عَلَى الَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا فِي الْأَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ أَئِمَّةً وَنَجْعَلَهُمُ الْوَارِثِينَ ۝ وَنُفَصِّلُ لَهُمْ فِي الْأَرْضِ وَنُرِي فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَجُنُودَهُمَا مِنْهُمْ مَا كَانُوا يَحْذَرُونَ (القصص: 4-6) ”بے شک فرعون نے ارض مصر میں سرکشی کی راہ اختیار کی اور وہاں کے باشندوں کو فرقوں میں تقسیم کیا۔ ان میں سے ایک فرقہ (بنی اسرائیل) کو کمزور بنائے رکھا۔ ان کے بیٹوں کو ذبح کر دیتا اور ان کی عورتوں کو زندہ رکھتا۔ بے شک وہ فساد کرنے والوں میں سے تھا۔ ہم ان لوگوں پر احسان کرنا چاہتے تھے جو زمین میں کم زور بنا کر رکھے گئے تھے، ان کو امام بنانا چاہتے تھے اور ان کو زمین میں اقتدار دینا چاہتے تھے اور فرعون، ہامان اور ان کے لشکروں کو ان کے ذریعہ وہی کچھ دکھانا چاہتے تھے جس سے وہ ڈر رہے تھے۔“

اس آیت سے پتہ چلتا ہے کہ حکومت و اقتدار کسی طبقہ پر ظلم و زیادتی کرنے یا انہیں اپنا غلام بنانے کے لیے نہیں ہے۔ ریاست کا ہر شخص اور ہر آدمی اپنے حقوق رکھتا ہے۔ اسے ان حقوق کو ختم کرنے کا کوئی اختیار نہیں۔ اللہ تعالیٰ اس ظلم و زیادتی کو برداشت نہیں کرتا۔ اور ظالموں کو کیفر کردار (اپنی کرنی کی سزا) تک پہنچا کر رہتا ہے۔ مساوات کا عملی نمونہ دیکھنے کے لیے چند مثالیں پیش کی جا رہی ہیں۔

آپ ﷺ کی نظر میں امیر و غریب، چھوٹا و بڑا، آقا و غلام سب برابر تھے، سلمان فارسی، صہیبؓ رومی اور بلالؓ حبشی سب لوگ غلام رہ چکے تھے۔ آپ ﷺ کی بارگاہ میں روسائے قریش سے کم رتبہ والے نہ تھے۔ ایک دفعہ حضرت سلمان و بلالؓ ایک موقع پر جمع تھے، اتفاق سے ابو سفیانؓ آپؐ کے پاس آئے، ان لوگوں نے کہا کہ ابھی تلوار نے اس دشمن خدا کی گردن پر پورا قبضہ نہیں پایا۔ حضرت ابو بکرؓ نے ان لوگوں سے کہا: سردار قریش کی شان میں یہ الفاظ! پھر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئے اور واقعہ بیان کیا، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”کہیں تم نے ان لوگوں کو ناراض تو نہیں کیا، ان لوگوں کو ناراض کیا تو خدا کو ناراض کیا، حضرت ابو بکرؓ نے فوراً جا کر ان بزرگوں سے کہا: بھائیو! آپ لوگ مجھ سے ناراض تو نہیں ہوئے؟ ان لوگوں نے کہا: نہیں خدا تم کو معاف کرے۔“

مجلس میں جو چیزیں آتیں آپ ﷺ ہمیشہ داہنی طرف سے ان کی تقسیم شروع فرماتے اور ہمیشہ اس میں امیر و غریب، آقا و غلام سب کی مساوات کا لحاظ ہوتا۔ ایک دفعہ خدمت اقدس ﷺ میں صحابہ کرامؓ کا مجمع تھا، اتفاق سے داہنی طرف حضرت عبداللہ بن عباسؓ بیٹھے ہوئے تھے جو بہت کم سن تھے۔ بائیں جانب بڑے بڑے معمر صحابہؓ تھے، کہیں سے دودھ آیا۔ آپ ﷺ نے نوش فرما کر عبداللہ بن عباسؓ سے کہا: تم اجازت دو تو میں ان لوگوں کو دے دوں، انہوں نے عرض کیا: اس عطیہ میں ایثار نہیں کر سکتا۔ چوں کہ وہ داہنی جانب تھے اور ترتیب مجلس کی رو سے ان ہی کا حق تھا آپ ﷺ نے انہیں کو ترجیح دی۔ اسلام میں مساوات کی اسی تعلیم کی وجہ سے آپ ﷺ نے مختلف جیوش کی قیادت سیدنا بلالؓ، سیدنا زید بن حارثہؓ اور سیدنا اسماء بن زیدؓ وغیرہ کو سونپی۔ تاکہ لوگوں کو پتہ چل جائے کہ اسلام میں محمود و ایاز نہ صرف ایک صف میں کھڑے ہوتے ہیں بلکہ ایاز امام ہوتا ہے اور محمود مقتدی۔

مساوات کے تعلق سے خلفاء راشدین کے یہاں بھی ایسے نادر نمونے ملتے ہیں، جن کی نظیر تاریخ عالم میں نہیں ملتی۔ اس کی ایک مشہور مثال وہ تاریخی واقعہ ہے جس پر حضرت عمرؓ نے وہ حکیمانہ جملہ ارشاد فرمایا تھا: متی تعبدتم الناس وقد ولدتهم امہاتہم احراراً۔ وہ واقعہ

یہ ہے کہ مصر کے گورنر کے لڑکے نے ایک عام مصری کو کوڑے سے پیٹا، اس نے حضرت عمر کے پاس شکایت کی، حضرت عمرؓ نے اس لڑکے اور اس کے باپ کو (جو گورنر تھے) دونوں کو بلا بھیجا، اور گورنر باپ کی موجودگی میں اس مصری کو جسے پیٹا گیا تھا، حکم دیا کہ وہ بدلہ لے، چنانچہ گورنر نے اپنی آنکھوں کے سامنے اپنے بیٹے کو اسی عام مصری کے ہاتھوں پٹا دیکھا۔ (المسؤولية الجماعية في العدل والحرية في القرآن و السنة النبوية، أ، نبیل محمد مقبل النشعی، ص 28)

اسی طرح حضرت زید بن ثابتؓ کی عدالت میں حضرت عمرؓ کا مدعا علیہ کی حیثیت سے حاضر ہونا، ان کی تعظیم پر اظہار ناراضگی فرمانا اور یہ کہنا کہ: یہ تمہارا پہلا ظلم ہے۔ مدعی مقدمہ حضرت ابی بن کعب کے برابر بیٹھنا اور پیش نہ کرنے پر قسم کے لیے رضامند ہو جانا اور پھر ابی بن کعبؓ کو حضرت زید بن ثابتؓ کے اس مشورے پر کہ امیر المومنین کو قسم سے معاف رکھو، آپ کا برہم ہونا اور یہ فرمانا کہ زید! جب تک تمہارے نزدیک ایک عام آدمی اور عمر دونوں برابر نہ ہوں تم منصب قضا کے قابل نہیں سمجھے جاسکتے۔

مذکورہ بالا آیات، احادیث اور واقعات اس بات کا کھلا ثبوت پیش کرتے ہیں کہ اسلام کی نظر میں ہر شخص برابر ہے اور اسے سماجی، معاشی، سیاسی اور قانونی حقوق مساوی طور پر حاصل ہیں خواہ وہ مسلمان ہو یا غیر مسلم، امیر ہو غریب، حاکم ہو یا محکوم۔

2.3 دفاع کا حق

اسلام کی نظر میں جان، مال، عزت و آبرو، اور ملک و وطن وغیرہ کی بڑی اہمیت ہے۔ اس کی حفاظت کرنا نہایت ضروری ہے۔ اگر کوئی شخص حملہ کرتا ہے تو اسلام اس شخص کا مقابلہ کرنے کا حکم دیتا ہے اور ہر شخص کو ان چیزوں کی حفاظت کے لیے دفاع کا حق بھی دیتا ہے۔ اس حق کو نہ تو کوئی معقول شخص غلط کہتا ہے اور نہ کسی حکومت نے اس کا انکار کیا ہے۔ دفاع سب کے نزدیک ایک تسلیم شدہ حق ہے۔ اس حق سے کسی کو محروم نہیں کیا جاسکتا۔ جب بھی کسی نے ظلم کے سامنے خود سے گٹھن ٹیک دیے یا اسے اس پر مجبور کیا گیا تو تاریخ بتاتی ہے کہ ظالم کے حوصلے بڑھے اور ظلم میں اضافہ ہوا۔ ایسا ہر زمانہ میں ہوا اور آج بھی ہو رہا ہے۔ اس کا بڑا نقصان یہ ہے کہ خود مظلوم کی نفسیات بدل جاتی ہے۔ وہ سوچتا ہے کہ ظلم سہنا اور جور و ستم برداشت کرنا اس کا مقدر ہے۔ وہ بعض اوقات یہ ماننے کے لئے بھی تیار نہیں ہوتا کہ ظلم وزیادتی کا جواب دینے کا بھی اسے حق حاصل ہے۔ وہ اس سے زیادہ اپنے آپ کو بے بس اور مجبور سمجھنے لگتا ہے جتنا فی الواقع بے بس اور مجبور نہیں ہوتا۔

اسلام نے جہاں دفاع کا حق دیا ہے وہیں اس کے اصول و آداب بھی متعین کئے ہیں؛ کیوں کہ دفاع ایک نازک عمل ہے۔ اس میں سخت احتیاط کی ضرورت ہے۔ بسا اوقات دفاع کے نام پر ظلم وزیادتی اور ناحق کشت و خون ہونے لگتا ہے اور اس کے متعینہ حدود و قیود کا پاس و لحاظ نہیں رکھا جاتا۔ اسلام نے ہر شخص کو دفاع کا حق دیا ہے لیکن دفاع کے نام پر ظلم کی بھی قطعاً اجازت نہیں دی ہے۔ اس کی ہدایت ہے کہ انسان نہ تو خود کسی پر ہاتھ اٹھائے اور نہ کسی دوسرے کو اپنے اوپر دست درازی کرنے کی اجازت دے۔ ظالم کے سامنے سپر نہ ڈالے بلکہ پامردی اور جرأت کے ساتھ اس کا مقابلہ کرے۔ وہ اس بزدلی کو پسند نہیں کرتا کہ آدمی دست بستہ اپنی جان، مال اور عزت و آبرو سب کچھ دشمن کے حوالہ کر دے اور کوئی مزاحمت نہ کرے۔ بلکہ اسلامی حدود و قیود کا پاس و لحاظ کرتے ہوئے دشمنوں کا آخری دم تک مقابلہ کرے۔

فرمایا: وَأَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَمِنْ رِبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ وَآخَرِينَ مِنْ دُونِهِمْ لَا تَعْلَمُوهُمْ اللَّهُ يَعْلَمُهُمْ (الانفال: 60) ”اور (اے مسلمانو!) تم اپنی استطاعت کے مطابق ان (سے مقابلہ) کے لیے ہتھیار تیار رکھو اور بندھے ہوئے گھوڑے، اور ان سے تم اللہ کے دشمنوں کو مرعوب کر سکو اور ان کے سوا دوسرے دشمنوں کی جنہیں تم نہیں جانتے، اللہ انہیں جانتا ہے۔

اسلامی تعلیمات کی رو سے انسان اپنے دین و ایمان، جان و مال، مکان و زمین اور بیوی بچوں کی حفاظت میں جان بھی دے سکتا ہے اور یہ جان دینا شہادت ہے۔ حضرت سعید بن زیدؓ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں: من قتل دون ماله فهو شهيد، ومن قتل دون دينه فهو شهيد، ومن قتل دون دمہ فهو شهيد، ومن قتل دون ابلہ فهو شهيد (ترمذی) ”جو اپنے مال کی حفاظت میں مارا جائے وہ شہید ہے، جو اپنے دین کی حفاظت میں مارا جائے وہ شہید ہے اور جو اپنی جان کی حفاظت میں مارا جائے وہ شہید ہے اور جو اپنے گھر والوں کی حفاظت میں مارا جائے وہ شہید ہے۔

انسان اپنی جان، مال اور عزت و آبرو کی حفاظت کے لئے آخری حد تک کوشش کرے۔ بوقت ضرورت وہ پاس پڑوس، دوست یار، معاشرہ اور حکومت کی مدد حاصل کرے۔ چنانچہ نسائی وغیرہ کی روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور دریافت کیا کہ اگر کچھ لوگ میرا مال چھیننا چاہیں تو مجھے کیا کرنا چاہیئے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: انہیں اللہ کا حوالہ دو اور سمجھاؤ۔ اس نے عرض کیا۔ اس پر بھی اگر وہ نہ مانے تو کیا کریں، آپ ﷺ نے فرمایا اس پاس کے مسلمانوں سے مدد طلب کرو۔ اس نے کہا اگر قریب میں کوئی مسلمان نہ ہو تو کیا کیا جائے؟ آپ ﷺ نے فرمایا حکومت سے مدد طلب کرو۔ اس نے عرض کیا اگر حکومت تک میں پہنچ نہ سکوں تو میں کیا کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اپنے مال کی حفاظت کے لیے تنہا کھڑے ہو جاؤ۔ یہاں تک کہ یا تو تمہاری جان چلی جائے اور تمہارا شمار شہیدوں میں ہو جائے یا تمہارا مال محفوظ رہے۔ (نسائی)

ان احادیث سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ آدمی اپنی جان، مال، عزت و آبرو، بیوی بچوں اور اپنے دین و ایمان کے دفاع کی کوشش میں جان بھی دے سکتا ہے اور یہ جان دینا شہادت ہے۔ دفاع کا حق ہر شخص کا ایک قانونی حق ہے۔ اس سے کوئی بھی شخص اسے باز نہیں رکھ سکتا۔ تمام فقہاء اس بات پر متفق ہیں کہ دفاع کے سلسلہ میں حملہ آور کا جو بھی نقصان ہو گا اس کی ذمہ داری دفاع کرنے والے پر نہ ہوگی۔ اسے نہ تو کسی قسم کی سزا دی جائے گی اور نہ کوئی تاوان اسے ادا کرنا پڑے گا۔

اسلام نے دفاع کے آداب بھی بیان کیے ہیں۔ اس سلسلے میں اس کی ایک تعلیم یہ ہے کہ اگر کسی کی جان، مال، عزت و آبرو پر حملہ ہو، تو معاشرہ کی یہ اخلاقی ذمہ داری ہے کہ جو شخص اس حملہ کو روک سکتا ہو روکے اور مظلوم کے دفاع میں جو بھی مدد کر سکتا ہو کرے۔ اس سے آگے وہ اس کی بھی اجازت دیتا ہے کہ مظلوم کو بچانے کے لیے اگر حملہ آور کی جان بھی لینی پڑے تو وہ لے سکتا ہے۔ شرط صرف یہ ہے کہ اس کا ہر اقدام قانون کے دائرہ میں ہو۔

لیکن اس کے ساتھ قانون یہ بھی دیکھے گا کہ بلاوجہ کسی کی جان نہ لی گئی ہو۔ اگر کوئی شخص حملہ کے بعد اس طرح بھاگ کھڑا ہو کہ

دوبارہ اس کی طرف حملہ کا اندیشہ نہ ہو تو جس پر حملہ ہوا ہے وہ یا کوئی دوسرا فرد اسے قتل کر دے تو وہ مجرم قرار پائے گا اور اسے قصاص میں قتل کیا جائے گا۔ جب کوئی شخص یہ دیکھے کہ چور کسی کے گھر سوراخ کر رہا ہے اور چیخنے چلانے کے باوجود بھاگ نہیں رہا ہے۔ تو اس کے لئے اس کا قتل کر دینا واجب ہوگا۔ اگر کوئی آدمی یہ دیکھے کہ کوئی شخص کسی نامحرم عورت کے ساتھ ہے اور اسے یقین ہو جائے کہ وہ شور کرنے، ڈرانے دھمکانے یا لاشی و غیرہ غیر مہلک ہتھیار استعمال کرنے سے عورت کو نہیں چھوڑے گا تو وہ اسے قتل کر سکتا ہے۔ لیکن اگر قتل کئے بغیر اس کا بھگانا ممکن ہو تو قتل کرنا صحیح نہ ہوگا۔ یہی حکم ان بڑے بڑے جرائم کا ارتکاب کرنے والوں کا ہے جن سے دوسروں کو نقصان پہنچے۔ کھلم کھلا اور علانیہ ظلم و زیادتی کرنے والوں کا بھی یہی حکم ہے۔ عام افراد کے لئے اس کی حیثیت جواز کی ہے اور حکومت کے لیے اس پر عمل کرنا واجب ہے۔ یہ ایک فرد کی بات تھی اگر کوئی شخص کسی جگہ عام مسلم آبادی کے خلاف تلوار اٹھائے اور علانیہ لوٹ مار اور قتل و غارت گری شروع کر دے تو قطع نظر اس کے کہ اس نے کس پر حملہ کیا اور کون اس کے حملہ سے محفوظ رہا یہ سب کافرض ہے کہ اسے اس سے باز رکھنے کی کوشش کریں۔ اس میں کسی طرح کی کامیابی نہ ہو تو اسے قتل کر دیں۔ جو شخص اسے قتل کرے اس پر دیت یا قصاص واجب نہیں ہوگی۔

مذکورہ بالا فقہی بحثوں سے پتا چلتا ہے کہ اسلام مظلوم کے اندر یہ عزم و حوصلہ پیدا کرتا ہے کہ وہ اپنی جان، مال، عزت و آبرو، بیوی بچوں، اہل خاندان اور اپنے دین و ایمان کو دوسروں کے رحم و کرم پر نہ چھوڑے، بلکہ ظلم و زیادتی جس طرف سے بھی ہو اس کا مقابلہ کرے۔ اسلام معاشرہ کو یہ تعلیم دیتا ہے کہ ظلم کے دفاع کے لئے خود بھی کھڑا ہو، دفاع میں مظلوم کا ساتھ دے اور ظلم کو مٹانے اور مظلوم کو بچانے کی ہر ممکن کوشش کرے۔ پھر یہ کہ ظلم کے روکنے کے لیے مظلوم اور اس کے ساتھ پورا معاشرہ جو قدم اٹھائے اسے وہ قانوناً جواز عطا کرتا ہے تاکہ وہ کسی وقت بھی قانونی لحاظ سے خود کو بے بس و بے سہارا نہ محسوس کرے۔ اسی کے ساتھ وہ اس بات کی بھی نگرانی کرتا ہے کہ خود مظلوم کسی مرحلہ میں ظالم نہ بننے پائے اور دفاع کے نام پر ظلم نہ کرنے لگے۔

2.4 تعلیم کا حق

علم کا حصول ہر شخص کا بنیادی حق ہے۔ اسلام میں ذات پات کی بنیاد پر تحصیل علم کا دائرہ محدود نہیں کیا ہے، ہر شخص کے لیے خواہ اس کا تعلق اونچے طبقے سے ہو یا نیچے طبقے سے علم حاصل کرنا اس کا حق ہی نہیں بلکہ فرض ہے۔ اسلام میں علم اہمیت کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ پہلی وحی حاصل کرنے کے بارے میں نازل ہوئی: اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ اقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ ۝ الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ (علق: 1-5) ”پڑھو (اے نبی!) اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا، جسے ہوئے خون کے ایک لو تھڑے سے انسان کی تخلیق کی پڑھو اور تمہارا رب بڑا کریم ہے جس نے قلم کے ذریعہ علم سکھایا انسان کو وہ علم دیا جسے وہ نہ جانتا تھا۔

علم کی اسی اہمیت کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کا تعارف معلم کی حیثیت سے کرایا: كَمَا أَرْسَلْنَا فِيكُمْ رُسُلًا مِنْكُمْ يَتْلُو عَلَيْكُمْ آيَاتِنَا وَيُزَكِّيكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمُ مَا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ (البقرة: 151)

”جیسا کہ ہم نے تم میں ایک رسول تمہیں میں سے بھیجا، وہ تم پر ہماری آیات پڑھتے ہیں اور تمہیں پاک کرتے ہیں اور وہ تمہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتے ہیں اور تمہیں ایسی باتیں سکھاتے ہیں جنہیں تم نہیں جانتے تھے۔ خود رسول اللہ ﷺ نے بھی اپنا تعارف بحیثیت معلم کرایا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: انما بعثت معلما“ میں تو صرف معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ (سنن ابن ماجہ)

قرآن مجید نے علم اور اہل علم کی فضیلت و برتری ان الفاظ میں بیان کی: قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُو الْأَلْبَابِ (الزمر: 9) ”کہو! کیا علم رکھنے والے اور علم نہ رکھنے والے دونوں برابر ہو سکتے ہیں۔ نصیحت تو صرف عقل والے ہی پکڑتے ہیں۔ دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ (الفاطر: 28)“ اللہ کے بندوں میں صرف علماء ہی اللہ سے ڈرتے ہیں۔

احادیث میں بھی رسول اللہ ﷺ نے علم حاصل کرنے اور دوسروں کو علم سکھانے کی بڑی فضیلت بیان فرمائی ہے، حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: ما من رجل يسلك طريقا يطلب فيه علما الا سهل الله له به طريقا الى الجنة۔ (سنن ابی داؤد) ”جو شخص علم حاصل کرنے کے لیے کسی راستے پر چلتا ہے، اللہ اس کے لیے جنت کا راستہ آسان بنا دیتے ہیں۔

حضرت انس بن مالکؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ طالب علم کی رضا طلب کرنے کے لیے فرشتے اپنے پر بچھاتے ہیں۔ (کنز العمال) حضرت ابو الدرداءؓ فرماتے ہیں کہ جو شخص علم کی طلب میں کسی راستے پر گیا، اللہ جنت کے راستوں کو اس کے لیے آسان کر دیتا ہے، اور فرشتے طالب علم کی رضا کے لیے اپنے پر بچھاتے ہیں، اور آسمانوں اور زمینوں کی تمام مخلوق طالب علم کی مغفرت کے لیے دعا کرتی ہیں حتیٰ کہ پانی کی مچھلیاں بھی، اور بے شک عالم کی فضیلت عابد پر ایسے ہے جیسے چودہویں رات کے چاند کی فضیلت تمام ستاروں پر ہے، اور بے شک علماء انبیاء کے وارث ہیں اور انبیاء کسی کو دینار اور درہم کا وارث نہیں بناتے وہ علم کا وارث بناتے ہیں، سو جس نے علم حاصل کیا اس نے عظیم حصہ کو حاصل کیا۔“ (سنن ابی داؤد)

اسلام نے جہاں علم سیکھنے پر زور دیا ہے وہیں علم سکھانے کی بھی فضیلت بیان کرتا ہے۔ اور یہ ضروری قرار دیتا ہے کہ ایک شخص جو کچھ جانتا ہے وہ دوسروں کو بھی سکھائے۔ سکھانے کے عمل میں بخل سے کام نہ لے اور نہ کچھ چھپائے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: خیرکم من تعلم القرآن و علمہ۔ (صحیح بخاری) ”تم میں سے بہتر وہ شخص ہے جو قرآن سیکھے اور دوسروں کو سکھائے۔

علم کی اسی اہمیت اور فضیلت کی وجہ سے اس کو چھپانے اور اس کی نشر و اشاعت نہ کرنے پر سخت ممانعت آئی ہے۔ اس تعلق سے رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: من کتم علما الجم الله بلجام من نار يوم القيامة۔ ”جو علم کو چھپائے (اور اس کی نشر و اشاعت نہ کرے) اس کو قیامت کے روز جہنم کی لگام پہنائی جائے گی۔ علم ہر شخص کے لئے لازمہ زندگی ہے اسی لیے اسے چھپانے کی سخت ممانعت ہے اور اسلامی عہد حکومت میں اس کے سیکھنے سکھانے کا مفت انتظام کیا جاتا تھا۔ اور ہر شخص آزاد تھا کہ جو علم دین و دنیا کے لیے مفید ہو اسے سیکھے اور دوسروں کو سکھائے۔ اسلام علم کو مختلف خانوں میں بانٹ کر بعض کو پسندیدہ اور بعض کو ناپسندیدہ قرار نہیں دیتا، بلکہ وہ ہر اس علم کی تحصیل کی

ترغیب دیتا ہے جس سے خلق خدا کو فائدہ پہنچے، لیکن وہ علم برائے علم کا قائل نہیں، وہ صرف علم کی دو تقسیم کرتا ہے۔ علم نافع اور علم ضار۔ اس تقسیم کی لحاظ سے موجودہ دور کا ہر وہ علم اس میں شامل ہے جس سے لوگوں کو فائدہ پہنچ رہا ہے۔ اس لحاظ سے موجودہ سائنس کے تمام شعبے اس میں داخل ہیں۔ مثلاً علم ہیئت، علم طبیعیات، علم الارض، علم کیمیا، علم حیاتیاتی، علم کیمیا، علم حیوانات، علم نباتات، زرعی تعلیم، میڈیکل سائنس، علم صنعت وغیرہ۔ الغرض وہ تمام علوم جدیدہ جو اپنی اور انسانیت کی زندگی بہتر بنانے اور عام انسانوں کو نفع پہنچانے کے ارادے سے حاصل کیا جائے وہ کار ثواب ہے۔ حضرت زید بن ارقمؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے: اللہم انی اعوذ بک من علم لا ینفع۔ (صحیح مسلم) ”اے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں ایسے علم سے جس سے کسی کو فائدہ نہ پہنچے۔“

آپ ﷺ نے بے فائدہ علم کو بے مصرف خزانہ سے تشبیہ دی ہے۔ فرمایا: ان مثل علم لا ینفع کمثل کنز لا ینفق فی سبیل اللہ۔ (مسند احمد) ”جس علم سے کسی کو فائدہ نہ پہنچے وہ اس خزانہ کے مثل ہے جسے راہ خدا میں خرچ نہ کیا جائے۔ اسلام کی نظر میں علم کا حاصل کرنا کسی خاص گروہ یا نسل سے مخصوص نہیں ہے اور نہ مرد اور عورت کی کوئی تقسیم ہے۔ بلکہ ہر انسان کے لئے اس کے دروازے کھلے ہیں اسے چاہیے کہ وہ جہالت و نادانی کی تاریکی سے نکلنے کے لیے علم حاصل کرے۔“

خلاصہ یہ ہے کہ ایک متمدن اور صالح معاشرہ کو ہر علم و فن کے حامل افراد کی ضرورت ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر اگر کسی سماج میں کوئی ڈاکٹر یا طبیب نہ ہو تو اس کے افراد کی پریشانی کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ اسی طرح کسی بھی حکومت کو اپنا نظام چلانے کے لئے ہر شعبہ میں ماہرین علم و فن کی ضرورت ہوتی ہے۔ لہذا اسلام نے اسی ضرورت کے تحت ہر شخص کو گود سے گورت تک علم حاصل کرنے کی تاکید کی۔

2.5 محنت کا حق

اسلام نے بلا کسی تفریق کے ہر شخص کو یہ حق دیا ہے کہ وہ اپنا کوئی کام تلاش کرے یا کوئی ہنر سیکھ لے جس پر اس کو قدرت ہو اور وہ کام یا ہنر اس کی زندگی کی گذراوقات کے لیے معاون ہو۔ اس لیے انسان کو مختلف کاموں، تجارت، زراعت اور صنعت میں سے کوئی کام اپنے مناسب حال منتخب کر لے جس سے وہ اپنے لئے رزق حلال تلاش کر سکے پھر اللہ کے نام سے اس کام کا آغاز کرے۔ اللہ تعالیٰ اس میں برکت عطا فرمائے گا اور کام میں مدد فرمائے گا۔ اسلام معاشی جدوجہد اور محنت مزدوری کر کے اپنی اور اپنی اہل خانہ کی ضرورتوں کو پورا کرنے کی تلقین کرتا ہے۔ رزق حلال کی تلاش کو اللہ کے فضل کو ڈھونڈنے کے مترادف قرار دیتا ہے۔ کچھ مسلمان بعض متصوفانہ نظریات کی بدولت دنیا اور حصول دنیا سے کنارہ کشی تقویٰ اور پرہیزگاری کی علامت سمجھتے ہیں۔ اسلام اس بات کی سختی سے تردید کرتا ہے۔ قرآن مجید حلال ذرائع سے کمانے اور اسراف نہ کرنے کی پابندی کے ساتھ دنیاوی نعمتوں سے فائدہ اٹھانے اور لطف اندوز ہونے کی ترغیب دیتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: یَا بَنِي آدَمَ خُذُوا زِينَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَكُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ (الاعراف: 31) ”اے بنی آدم! ہر نماز کے لیے اپنے آپ کو مزین کیا کرو اور کھاؤ اور پیو اور اسراف نہ کرو۔ اللہ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔“

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ دنیا کے وسائل رزق سے فائدہ اٹھانا اور اسے اپنے استعمال میں لانا یہ تو مومن کا حق ہے۔ فرمایا: قُلْ

مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللَّهِ الَّتِي أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ وَالطَّيِّبَاتِ مِنَ الرِّزْقِ قُلْ هِيَ لِلَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ
كَذَلِكَ نُفَصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ (الاعراف: 32)“ ان سے پوچھیے یہ زیب و زینت کی چیزیں اور پاکیزہ رزق جو اللہ نے اپنے
بندوں کے لئے مہیا کیے ہیں انہیں کس نے حرام قرار دیا ہے۔ کہہ دیجیے کہ یہ چیزیں دنیا میں ایمان والوں کے لیے ہیں اور قیامت کے دن تو
خاص انہیں کے لیے ہوں گی۔

اس آیت میں پاک چیزوں کا کھانے کا حکم دیا گیا اور پاک چیزوں سے مراد حلال چیزیں ہیں اور سب سے زیادہ حلال چیز وہ ہے جسے
انسان اپنے کسب و محنت سے حاصل کرے۔ حدیث کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنی گذر اوقات کے لیے ہر پیغمبر نے بکریاں چرائی ہیں۔
محنت و مشقت سے اپنی روزی روٹی کا انتظام کرنے کو اسلام پسند کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ اور اس کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ حضرت مقدم بیان
کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”کسی شخص نے اپنی کمائی سے بہتر کھانا نہیں کھایا، اور اللہ کے نبی حضرت داؤد اپنے ہاتھ کی کمائی
سے کھاتے تھے۔ (صحیح بخاری)۔ دوسری حدیث میں حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”تم میں سے کوئی
شخص لکڑیاں کاٹ کر اس کا گٹھا اپنی پشت پر لاد کر لائے وہ اس سے بہتر ہے کہ وہ لوگوں سے سوال کرے وہ اس کو دیں یا منع کریں۔

حضرت عبد اللہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: حلال کمائی کی تلاش ایک فرض کے بعد دوسرا فرض ہے۔ حضرت ابن
عباسؓ سے قرآن مجید لکھنے کی اجرت کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا: اس میں کوئی حرج نہیں، یہ لوگ تو نقش باندھنے والے ہیں اور اپنے ہاتھ کے کام
سے کھاتے ہیں۔ اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ ہر شخص اپنی کمائی کھائے، کوئی کسی پر بوجھ نہ بنے، اسی اہمیت کے پیش نظر اس نے عید، جمعہ اور ایام حج
میں بھی کاروبار کرنے کی اجازت دی ہے۔ سورۃ الجمعہ میں فرمایا: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَى
ذِكْرِ اللَّهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ○ فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانْتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ
اللَّهِ وَادْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ (الجمعة: 9-10) ”اے مومنو! جب جمعہ کے دن نماز کے لیے پکارا جائے تو اللہ کے ذکر کی
طرف دوڑو اور تجارت چھوڑ دو یہ تمہارے لیے زیادہ بہتر ہے اگر تم جانتے ہو۔ پس جب نماز پوری ہو جائے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل
تلاش کرو اور اللہ کا خوب خوب ذکر کرو تاکہ کامیاب ہو جاؤ۔

اسی طرح ایام حج میں روزی کمانے کی اجازت دی گئی ہے۔ ارشاد خداوندی ہے: لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوا فَضْلًا مِنْ
رَبِّكُمْ (البقرہ: 198)“ (حج کے دوران) اپنے رب کا فضل (روزی) تلاش کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

محنت مزدوری سے نہ صرف آدمی اپنی دنیا بناتا ہے اور اپنی دنیوی زندگی کے لیے روزی کماتا ہے۔ بلکہ محنت مزدوری کرنے سے اس
کے گناہوں کا کفارہ ہوتا ہے۔ اور یہ گناہوں کے کفارے کے اسباب میں سے ایک بہت بڑا سبب ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ ”جو شخص رات
تک محنت مزدوری کرتا ہے رات کو اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرمادیتے ہیں۔

ایک اور حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”کئی گناہ ایسے ہیں جن کا کفارہ نماز و روزہ بھی نہیں ہے اور نہ حج و عمرہ اس کا
کفارہ ہیں۔ صحابہ کرامؓ نے پوچھا۔ یا رسول اللہ! پھر ان گناہوں کا کفارہ کیا ہے؟ آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا: ”روزی کمانے کے غم (کسب

معاش میں جو پریشانیاں لاحق ہوتی ہیں وہ ان کا کفارہ ہیں۔ ایک اور روایت میں فرمایا: ”بعض گناہ ایسے ہوتے ہیں جن کو اہل وعیال کی روزی کمانے کی جدوجہد ہی پاک کر سکتی ہے یعنی ان کا کفارہ اہل وعیال کی روزی کمانے کی کوشش اور محنت ہے۔“

اسلام کی اسی تعلیم کے نتیجے میں امت کے اکابر کا بھی کوئی نہ کوئی ذریعہ معاش رہا ہے۔ چنانچہ حضرت ابو بکرؓ بھی خلیفہ بننے سے قبل تجارت کا پیشہ اختیار کیے ہوئے تھے۔ حضرت خباب بن ارتؓ کو ہارتھے۔ زبیر بن عوام خیاط تھے۔ حضرت سلمان فارسیؓ حلاق تھے۔ اسلام کسی شخص کے عمل کو حقارت کی نظر سے نہیں دیکھتا اور نہ کام کے چھوٹے بڑے ہونے کی وجہ سے انسان کی شخصیت کا وزن ہوتا ہے کہ اس شخص کا کام چوں کہ چھوٹا ہے اس وجہ سے یہ آدمی قدر و منزلت کے لحاظ سے چھوٹا ہے۔ بلکہ وہ انسان کی صفات اور خصوصیات کی وجہ سے اس کے مقام اور اس کی شخصیت کا اندازہ لگاتا ہے۔

علامہ یوسف القرضاوی مستدرک حاکم کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ہر زمانہ کے علما و ائمہ نے اپنے اپنے ذوق و شوق کے لحاظ سے مختلف پیشے اختیار کیے، اسی طرح مختلف انبیاء کے ساتھ مختلف پیشے منسلک ہیں۔ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ آدم کا شت کار تھے۔ نوحؑ بڑھئی تھے۔ اور یسٰیؑ درزی تھے، اور موسیٰؑ گڈریا تھے، داؤدؑ زرہ ساز تھے۔ تاریخ اسلام کے بڑے بڑے ائمہ اور علماء جن کی شہرت چار دانگ عالم پھیلی ہوئی تھی اور جن کو ان کی علمی و ادبی تالیفات نے زندہ جاوید بنادیا ہے ان میں سے بیشتر اپنے آباؤ اجداد کی نسبت سے مشہور نہیں تھے۔ بلکہ ان پیشوں سے مشہور تھے جو ان کے یا ان کے آباؤ اجداد کے ذریعہ ہائے معاش تھے اور اسلامی معاشرے میں اسے بالکل معیوب نہیں سمجھا جاتا تھا مثلاً اکثر علماء و ائمہ کے نام کتابوں میں بزار، قتال، جصاص، خیاط، صبان، اور قطان وغیرہ ملتے ہیں۔ یہ سب پیشوں کے نام ہیں۔ (علامہ یوسف القرضاوی، اسلام اور معاشی تحفظ)

تاہم بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ آدمی روزی روٹی کمانے کے لیے پوری جدوجہد کرتا ہے لیکن اس کی تمام کوششیں ناکام ہو جاتی ہیں۔ اب اس صورت میں حکومت کے لیے واجب اور ضروری ہے کہ اس کی مالی امداد و اعانت کرے تاکہ وہ اپنی اور اپنے بال بچوں کی کفالت کر سکے۔ اسی وجہ سے اسلام نے اہل مال کو اہل حاجت کو قرض حسنہ دینے کی ترغیب دی ہے تاکہ وہ قرض کی رقم سے اپنی معیشت کے اسباب فراہم کر سکیں اور سوال کرنے اور مانگنے سے اپنے آپ کو بچا سکیں۔ اسلام نے قرض حسنہ کے ثواب کو صدقہ کے ثواب سے کئی گنا افضل قرار دیا ہے۔ مالداروں کو یہ ہدایت کی ہے کہ وہ ضرورت پڑنے پر لوگوں کو فراخ دلی سے قرض دیں اور کوئی چیز ان سے عاریتاً مانگی جائے تو اسے دینے سے انکار نہ کریں۔ کنز العمال میں ہے۔ ”کسی بندے کے لیے یہ مناسب نہیں ہے کہ اس کا بھائی اس سے قرض مانگنے آئے اور وہ اس کو دینے کی گنجائش رکھتا ہو پھر بھی انکار کر دے۔“

2.6 لباس کا حق

لباس بھی انسان کی بنیادی ضرورتوں میں سے ایک ہے۔ اسلام نے ہر انسان کو لباس پہننے کا حق دیا ہے تاکہ وہ اپنے ستر کو چھپائے اور لوگوں کے درمیان اپنی زینت کا اظہار کرے۔ لباس، لبس سے مشتق ہے اور لبس کا اصلی معنی کسی چیز کو چھپا لینا ہے۔ ہر وہ چیز جو انسان کی قابل

ستر چیز کو چھپائے اس کو لباس کہتے ہیں۔ میاں بیوی کو ایک دوسرے کا لباس کہا گیا ہے۔ اسی لیے کہ شوہر اپنی بیوی اور بیوی اپنی شوہر کی قبیح چیزوں کو چھپالیتی ہے۔ وہ دونوں ایک دوسرے کی عصمت و عزت کی حفاظت کرتے ہیں۔

پردہ پوشی انسان کی فطرت میں ہے۔ وہ برہنہ نہیں رہ سکتا۔ اسی لیے ہم قرآن مجید میں پاتے ہیں کہ جب آدمؑ نے اللہ تعالیٰ کے ممنوعہ درخت کا پھل کھا لیا تو وہ برہنہ ہو گئے اور اپنے جسم کو اس کے پتوں سے ڈکھنے لگے جس کا ذکر درج ذیل آیت میں کیا گیا ہے۔ فَأَكْثَلَا مِنْهَا فَبَدَتْ لَهُمَا سَوْآتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفَانِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَرَقِ الْجُتَّةِ (طہ: 121)۔ پس ان دونوں نے اس سے کھایا، تو ان کے ساسا منے ان کی شرمگاہیں ظاہر ہو گئیں اور وہ دونوں اپنے اوپر جنت کے پتے ڈالنے لگے۔

اس لباس کو قرآن نے انسان کے لیے زینت قرار دیا ہے۔ فرمایا: يَا بَنِي آدَمَ خُذُوا زِينَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ (الاعراف: 31) اے بنی آدم ہر نماز کے وقت اپنی زینت اختیار کرو۔ دوسری جگہ اس لباس کا مقصد بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: يَا بَنِي آدَمَ قَدْ أَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُؤَارِي سَوْآتِكُمْ وَرِيشًا وَلِبَاسُ التَّقْوَىٰ ذَٰلِكَ خَيْرٌ ذَٰلِكَ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ لَعَلَّكُمْ يَتَذَكَّرُونَ (الاعراف: 26)۔ اے اولاد آدم! بے شک ہم نے تم پر لباس نازل کیا جو تمہاری شرم گاہوں کو چھپاتا ہے اور وہ تمہاری زینت بھی ہے۔ اور تقویٰ کا لباس وہی سب سے بہتر ہے۔ یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔ جس طرح تقویٰ کا لباس انسان کو برے عقائد، برے خیالات، غلط نظریات، اور برے اعمال سے بچاتا ہے۔ اسی طرح یہ ظاہری لباس زینت کے ساتھ ساتھ سردی، گرمی، اور موسموں کی شدت اور برسات وغیرہ سے بچاتا ہے۔

لباس انسان کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت بڑی نعمت ہے۔ کیوں کہ اس سے انسان اپنی شرم گاہوں کو چھپاتا ہے جس سے وہ حیوان سے ممتاز ہو جاتا ہے۔ شیطان جب انسان پر حملہ کرتا ہے تو اس کے حملے کا پہلا اثر انسان پر یہ ہوتا ہے کہ وہ لباس اتار دیتا ہے جیسا کہ آج کل مغربی اور یورپی ممالک میں نظر آ رہا ہے۔ قرآن مجید نے لباس کے دو مقصد بتائے۔ ایک شرم گاہ کا چھپانا دوسرا زیب و زینت۔ احادیث میں بھی لباس کے تعلق سے کافی معلومات فراہم کی گئی ہیں۔ لباس پہننے کی دعا، کس رنگ کا لباس ہونا چاہیئے۔ رسول اللہ ﷺ کس رنگ کو زیادہ پسند فرماتے تھے۔ ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کھاؤ، پیو اور لباس پہنو اور صدقہ کرو بغیر فضول کرچی اور تکبر کے۔ لباس اللہ تعالیٰ کا عطیہ اور بخشش ہے۔ اسی وجہ سے رسول اللہ ﷺ جب کوئی نیا کپڑا پہنتے تو اس کا نام لیتے خواہ قمیص ہو یا عمامہ، پھر اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کرتے ہوئے یہ دعا فرماتے۔ اے اللہ! تیرے لیے حمد ہے کہ تو نے مجھے یہ کپڑا پہنایا، میں تجھ سے اس کپڑے کی خیر کا سوال کرتا ہوں اور جس کے لیے یہ بنایا گیا ہے اس کی خیر کا سوال کرتا ہوں، اور میں اس کپڑے کے شر سے جس کے لیے یہ بنایا گیا ہے اس کے شر سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔ (سنن ابی داؤد 4025، سنن ترمذی 1773)

لباس کے رنگوں میں رسول اللہ ﷺ کو سفید رنگ بہت پسند تھا۔ چنانچہ سیدنا ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم سفید لباس پہنو، وہ تمہارا بہترین لباس ہے اور اسی میں اپنے مردوں کو کفن دو۔ (سنن ابی داؤد)۔ حضرت براءؓ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ متوسط قامت کے تھے۔ میں نے آپ کو سرخ حلہ (ایک قسم کی دو چادریں ایک تہبند کے طور پر باندھی جائے اور ایک اوپر بدن پر لپیٹی

جائے) میں دیکھا۔ میں نے آپ سے زیادہ حسین کوئی چیز نہیں دیکھی۔ (صحیح بخاری)۔ حضرت ابو رُمثہؓ فرماتے ہیں کہ میں اپنے والد کے ساتھ سرکارِ دو عالم ﷺ کی خدمت میں گیا۔ میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ پر دو سبز رنگ کی چادریں تھیں۔ (سنن ابی داؤد)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ اسلام عمدہ اور اچھے لباس پہننا پسند کرتا ہے۔ بس صرف لباس زیب تن کرنے والا اس بات کا خیال رکھے کہ اس کے ذریعہ سے وہ نمائش اور ریا مقصود نہ ہو؛ کیوں کہ اسلام اسے ناپسند کرتا ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا: مَنْ جَرَّ ثَوْبَهُ خِيَلًا لَمْ يَنْظُرَ اللَّهُ إِلَيْهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ (صحیح بخاری) جو شخص غرور اور تکبر کی وجہ سے اپنا کپڑا لٹکائے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی طرف نظر نہیں فرمائے گا۔

2.7 امن کا حق

اسلام نے ہر شخص کو امن کا حق دیا، اس کی نظر میں ہر انسان کی جان، مال، عزت و آبرو محترم ہے۔ اسلام سے پہلے دنیا میں ہر طرف ظلم و زیادتی کا دور دورہ تھا، امن و امان نام کی کوئی چیز نہیں تھی، کبھی رنگ و نسل کے نام پر، کبھی زبان و تہذیب کے نام پر اور کبھی وطنیت و قومیت کے نام پر انسانیت کو اتنے ٹکڑوں میں بانٹ دیا گیا تھا کہ آدمیت چیخ پڑی تھی۔ اس وقت کی تاریخ کا مطالعہ بتاتا ہے کہ پوری دنیا بد امنی و بے چینی کی آگ کی لپیٹ میں تھی۔ اسلام سے پہلے بہت سے مذہبی پیشواؤں اور نظام اخلاق کے علم برداروں نے اپنے اپنے طور پر امن و محبت کے گیت گائے اور اپنے اخلاقی مواظظ و نصائح سے اس آگ کو سرد کرنے کی کوشش کی جس کے خوشگوار نتائج بھی سامنے آئے مگر اس عالمی آتش فشاں کو پوری طرح ٹھنڈا نہیں کیا جا سکا۔

جب اسلام آیا، اس نے پہلی بار دنیا کو امن و سلامتی کا باقاعدہ درس دیا اور اس کے سامنے ایک پائیدار ضابطہ اخلاق پیش کیا، جس کا نام ہی اسلام رکھا گیا جس کے معنی امن و سلامتی کے ہیں۔ اس کا صاف مطلب ہے کہ دین اسلام امن و سلامتی کا دین ہے، جس کے ہر امر و نہی کے پیچھے امن و سلامتی کا راز مضمر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج دنیا میں امن و سلامتی کا جو رجحان پایا جاتا ہے اور ہر طبقہ اپنے اپنے طور پر کسی گہوارہ سکون کی تلاش میں ہے یہ بڑی حد تک اسلامی تعلیمات کی دین ہے۔

امن و سلامتی کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے جو دعائیں کی ہیں، ان میں سے ایک اہم دعا یہ ہے وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا (ابراہیم: 35) ”اے اللہ! اس شہر (مکہ) کو امن والا بنادے۔“ ناسی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے چاند دیکھ کر جو دعا پڑھا کرتے تھے اس میں امن و سلامتی کا ذکر ایمان و اسلام سے پہلے کیا ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ چاند کو دیکھ کر یہ دعا پڑھا کرتے تھے: اَللّٰهُمَّ اٰهْلَ اٰهْلِنَا بِالْاَمْنِ وَ الْاِيْمَانِ وَ السَّلَامَةِ وَ الْاِسْلَامِ رَبِّ وَرَبِّكَ اللّٰهُ۔ (سنن ترمذی) ”اے اللہ! ہمیں اس چاند میں امن و سلامتی عطا فرما اور ایمان و اسلام کے ساتھ رکھ۔“ میرا اور تیرا رب اللہ ہے۔ اس سے پتا چل رہا ہے کہ امن ایک نعمت خداوندی ہے جس کے لیے حضرات انبیاء کرام دعا کیا کرتے تھے۔ اسی وجہ سے سورہ قریش میں اس کو ایک نعمت کے طور پر ذکر کیا گیا ہے: فَتَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ ۝ الَّذِيْ اٰطَعْتَهُمْ مِنْ جُوعٍ وَ اٰمَنْتَهُمْ مِنْ خَوْفٍ (قریش: 3-4) ”پس چاہیے کہ عبادت کریں اس گھر کے رب کی جس نے ان

کو کھانا دیا بھوک میں اور امن دیا ڈر میں۔

اسلام کا کوئی تعلق دہشت گردی یا تشدد سے نہیں ہے۔ جہاں تشدد ہو وہاں اسلام کا تصور نہیں کیا جاسکتا، اور جہاں اسلام ہو وہاں تشدد اور دہشت گردی کی ہلکی پرچھائیں بھی نہیں پڑ سکتی۔ اسلام تو امن و سلامتی کا سرچشمہ اور انسانوں کے مابین خیر سگالی کو فروغ دینے والا مذہب ہے۔ جس کی بابت اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے: **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ (البقرة: 208)** اے مومنو! امن و سلامتی میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے قدموں کی تابعداری نہ کرو۔ بلاشبہ وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے۔ اسی طرح دوسرے مقام پر کچھ یوں حکم دیا: **وَلَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا (الاعراف: 56)** اور زمین میں اس کی درستگی کے بعد فساد مت پھیلاؤ۔ جس سماج کا شیرازہ امن بکھیرتا ہے اس کی پہلی زد انسانی جان پر پڑتی ہے۔ اسلام سے قبل انسانی جانوں کی کوئی قیمت نہ تھی مگر اسلام نے انسانی جان کو وہ عظمت و احترام بخشا کہ ایک انسان کے قتل کو ساری انسانیت کا قتل قرار دیا: **مِنْ أَجْلِ ذَلِكَ كَتَبْنَا عَلَى بَنِي إِسْرَائِيلَ أَنَّهُ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا وَمَنْ أَحْيَاهَا فَكَأَنَّمَا أَحْيَا النَّاسَ جَمِيعًا (المائدہ: 32)** اسی لیے ہم نے بنی اسرائیل کے لیے یہ حکم جاری کیا کہ جو شخص کسی انسانی جان کو بغیر کسی جان کے بدلے یا زینی فساد برپا کرنے کے علاوہ کسی اور سبب سے قتل کرے اس نے گویا ساری انسانیت کو قتل کیا اور جس نے کسی انسانی جان کی عظمت و احترام کو بیچنا اس نے گویا پوری انسانیت کو نئی زندگی بخشی۔

انسانی جان کا ایسا عالم گیر اور وسیع تصور اسلام سے پہلے کسی مذہب و تحریک نے پیش نہیں کیا تھا۔ اسی آفاقی تصور کی بنیاد پر قرآن مجید اہل ایمان کو امن کا سب سے زیادہ مستحق اور علم بردار قرار دیتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: **فَأَيُّ الْفَرِيقَيْنِ أَحَقُّ بِالْأَمْنِ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ (81)** **الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ أُولَئِكَ لَهُمُ الْأَمْنُ وَهُمْ مُهْتَدُونَ (الانعام: 82-81)** دونوں فریقوں (مسلم اور غیر مسلم) میں امن کا کون زیادہ حقدار ہے؛ اگر تم جانتے ہو تو بتاؤ جو لوگ صاحب ایمان ہیں اور جنہوں نے اپنے ایمان کو ظلم و شرک کی ہر ملاوٹ سے پاک رکھا ہے امن انہیں لوگوں کے لیے ہے اور وہی حق پر بھی ہیں۔

اسلام قتل و خونریزی کے علاوہ فتنہ انگیزی، دہشت گردی اور جھوٹی افواہوں کی گرم بازاری کو بھی سخت ناپسند کرتا ہے وہ اس کو ایک جارحانہ اور وحشیانہ عمل قرار دیتا ہے، جس سے معاشرے کے امن کو خطرہ لاحق ہوتا ہے۔ اسی طرح جب ہم آپ ﷺ کی سیرت طیبہ پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں آپ ﷺ کی تعلیمات اور پاکیزہ کردار میں امن و سلامتی کے بے مثال نمونے ملتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: **المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده** "صحیح معنی میں مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے محفوظ رہیں"۔ دوسری روایت میں ہے۔ **المسلم من سلم الناس من لسانه ويده، والمومن من امنه الناس على دماءهم واموالهم**۔ "کامل مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے پوری انسانیت محفوظ رہے اور کامل مومن وہ ہے جس انسانیت کی جانیں اور مال محفوظ رہیں"۔ جس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ آپ ﷺ کا لایا ہوا پیغام اسلام اور آپ ﷺ کی حیات طیبہ کا اصل مقصد انسانی سماج کو بلا امتیاز امن اور سلامتی فراہم کرنا ہے۔ ایک اور موقع پر ظلم و تنگ نظری سے بچنے کی تاکید کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: **اتقوا الظلم، فان الظلم ظلمات يوم القيامة واتقوا الشح**

فان الشح ابلک من کان قبلکم۔ (صحیح مسلم) "ظلم سے بچو اس لیے کہ ظلم قیامت کی بدترین تاریکیوں کا ایک حصہ ہے، نیز بخل و تنگ نظری سے بچو اس چیز نے تم سے پہلے بہتوں کو ہلاک کیا ہے۔"

اسی طرح کی متعدد احادیث ہیں جن میں ظلم و جبر سے بچنے، پر امن زندگی گزارنے، دوسروں کے حقوق ادا کرنے، فتنہ و شر انگیزی سے اجتناب اور خیر کی اشاعت، عمل خیر میں زیادہ سے زیادہ شرکت اور فراخ دلی و رواداری اور ہر مذہب و قوم کے مذہبی روایات و شخصیات کے احترام کرنے کی پر زور تلقین کی گئی ہے۔ اسی کے ساتھ اسلام کی تعلیم یہ بھی ہے کہ مسلمان نہ صرف ان تعلیمات پر خود عمل کریں بلکہ دنیا کو اسلام کی تعلیمات کی دعوت دیں۔ قیام امن کے لیے جدوجہد کریں اور مظلوم کا ہر طرح سے ساتھ دیں اور ظالم کو روکنے کی پوری کوشش کریں۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم، صحابہؓ نے فرمایا: یا رسول اللہ! ہم مظلوم کی تو مدد کر سکتے ہیں لیکن ظالم کی مدد کیسے کریں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ظلم سے اس کا ہاتھ روک دینا ہی اس کی مدد ہے۔“

2.8 کھانے پینے کا حق

جیسے ہوا کے بغیر انسان زندہ نہیں رہ سکتا اسی طرح زندہ رہنے کے لیے کھانا پینا بھی ضروری ہے۔ اسی لیے اسلام نے انسان کے اس بنیادی حق کو پوری صراحت اور آداب و مسائل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَكُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ (الاعراف: 31) "اور کھاؤ، پیو، اور اسراف مت کرو، بلاشبہ اللہ تعالیٰ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا ہے۔"

اس بارے میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں کھانے اور پینے کو حلال فرمایا اور انسان کا حق بھی فرمایا جب تک کہ فضول خرچ نہ ہو اور تکبر نہ کرے۔ جتنا کھانے سے رفق حیات باقی رہ سکتی ہے اتنا کھانا پینا فرض ہے۔ رزق حلال کمانے اور بدنی عبادات انجام دینے کے لیے جتنی صحت اور توانائی کی ضرورت ہے اور اس کو حاصل کرنے کے لیے جس قدر کھانے کی ضرورت ہے اتنا کھانا بھی ضروری ہے۔ صحت کے تحفظ کے لیے پرہیزی کھانا اور نقصان دہ چیزوں کو ترک کرنا واجب اور ضروری ہے۔ نبی ﷺ نے شعبان کے روزے رکھنے سے اس لیے منع فرمایا تاکہ رمضان کے فرض روزے رکھنے کے لیے آدمی کمزور نہ ہو جائے۔ اسی طرح عام مسلمانوں کو وصال کے روزے رکھنے سے روکا گیا ہے تاکہ انسان لاغر اور کمزور نہ ہو جائے اور اس کی صحت برقرار رہے۔ جتنا کھانے سے انسان کی توانائی اور طاقت بحال رہتی ہے، اس سے کم کھانا کوئی نیکی کا کام نہیں بلکہ ناجائز ہے۔ یہ جان انسان کی ملکیت نہیں ہے بلکہ امانت ہے۔ ہر امانت کی حفاظت کے لیے ہر اس چیز سے پرہیز واجب ہے جو مضر بدن ہے۔

کھانے کا پہلا ادب یہ ہے اللہ کا نام لے کر کھایا جائے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ بیان فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی کھانا شروع کرے تو اللہ کا نام لے۔ اور اگر کوئی شخص شروع میں بسم اللہ پڑھنا بھول گیا تو اس کو چاہیے کہ کھانا کھانے کے دوران جب بھی بسم اللہ پڑھنا یاد آجائے، یہ الفاظ کہے: بسم اللہ اولہ و آخرہ (اللہ کے نام کے ساتھ شروع کرتا ہوں، اول میں بھی اللہ کا نام اور آخر میں بھی اللہ کا نام) ایک اور حدیث میں حضرت عمر بن ابی سلمہؓ فرماتے ہیں کہ: ”حضور ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ کھانے کے وقت اللہ کا نام لو،

یعنی بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھ کر کھانا شروع کرو اور اپنے دائیں ہاتھ سے کھاؤ اور برتن کے اس حصے سے کھاؤ جو تم سے قریب تر ہے۔ آگے ہاتھ بڑھا کر دوسری جگہ مت کھاؤ۔ اس حدیث میں تین آداب بتائے گئے ہیں (1) بسم اللہ پڑھ کر کھاؤ (2) اپنے سامنے سے کھاؤ (3) سیدھے ہاتھ سے کھاؤ۔ (ابوداؤد)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ”اکھٹے ہو کر کھاؤ۔ الگ الگ نہ کھاؤ کہ برکت جماعت کے ساتھ ہے۔ دوسری حدیث پاک میں آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ کو یہ بات سب سے زیادہ پسند ہے کہ اس کا کوئی مومن بندہ اپنی بیوی اور بچوں کے ساتھ دسترخوان پر بیٹھے اور کھائے تو اللہ ان کو رحمت کی نظر سے دیکھتا ہے اور الگ ہونے سے قبل ان کی بخشش کر دیتا ہے۔“ (ابن ماجہ، نزہۃ المجالس)۔ کھانے سے پہلے بسم اللہ نہ پڑھنے سے کھانے میں بے برکتی ہوتی ہے۔ حضرت ابوایوب انصاریؓ بیان کرتے ہیں: ہم حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر تھے، کھانا پیش کیا گیا۔ شروع میں اتنی برکت ہم نے کسی کھانے میں نہیں دیکھی مگر اخیر میں بے برکتی دیکھی۔ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ایسا کیوں ہوا؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہم سب نے کھانا کھاتے وقت بسم اللہ پڑھا تھا، پھر ایک شخص بغیر بسم اللہ پڑھے کھانے کو بیٹھ گیا اس کے ساتھ شیطان نے کھانا کھالیا۔ دوسری حدیث حضرت جابرؓ سے مروی ہے۔ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب کوئی شخص اپنے گھر میں داخل ہوتے وقت اللہ کا نام لیتا ہے اور کھانے کے وقت بھی اللہ کا نام لیتا ہے تو شیطان اپنے ساتھیوں سے کہتا ہے کہ اس گھر میں نہ تو تمہارے لیے رات کو رہنے کی گنجائش ہے اور نہ ہی کھانے کے لئے گنجائش ہے۔ اس لیے کہ اس گھر میں داخل ہوتے وقت بھی اللہ کا نام لے لیا اور کھانا کھاتے وقت بھی اللہ کا نام لے لیا۔ اس لیے نہ تو یہاں قیام کا انتظام ہے اور نہ بعام کا۔ اور اگر کسی شخص نے گھر میں داخل ہوتے وقت اللہ کا نام نہیں لیا اور ایسے ہی گھر میں داخل ہو گیا تو شیطان اپنے ساتھیوں سے کہتا ہے کہ لو بھائی تمہارے لیے قیام کا انتظام ہو گیا۔ تم یہاں رات گزار سکتے ہو؛ کیوں کہ یہاں پر اللہ کا نام نہیں لیا گیا اور جب وہ شخص کھانا کھاتے وقت بھی اللہ کا نام نہیں لیتا تو اس وقت شیطان اپنے ساتھیوں سے کہتا ہے۔ تمہارے بعام کا بھی انتظام ہو گیا۔ (ابوداؤد)

اسلام جہاں کھانا پینا انسان کی بنیادی ضرورت قرار دیتا ہے وہیں اسے کھانے پینے کے تعلق سے رزق حلال کی زبردست تاکید بھی کرتا ہے۔ آدمی کو حلال و حرام میں تمیز کی سخت ضرورت ہے۔ حلال و حرام کے احکام قرآن و احادیث میں وضاحت کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ پیغمبروں کو مخاطب کر کے حلال اور پاکیزہ چیزیں کھانے کی ہدایت کی ہے۔ فرمایا: **يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا إِنِّي بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ** (المومنون: 51) ”اے پیغمبرو! پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور اچھا کام کرو، میں تمہارے کاموں کو جانتا ہوں۔“

اسی طرح اہل ایمان کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ وَاشْكُرُوا لِلَّهِ إِنَّهُ** **كُتِّبَ إِلَيْهِ تَعْبُدُونَ** (البقرة: 172) ”اے مومنو! ہماری دی ہوئی پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور اللہ کا شکر ادا کرو اگر تم اسی کی عبادت کرتے ہو۔“ حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ”لوگوں پر ایک زمانہ ایسا آئے گا جب کوئی اس بات کی پرواہ نہ کرے گا کہ اس نے جو مال حاصل کیا ہے، کھایا ہے، حلال ہے یا حرام۔“

حرام غذا سے پرہیز کرتے ہوئے حلال چیزوں کا حد اعتدال کے ساتھ کھانا بھی ضروری ہے۔ ایسا نہ ہو کہ حلال کھانا کو پیٹ بھر کر

کھایا جائے یہ بھی غلط ہے۔ اس سے صحت خراب ہوتی ہے۔ بسیار خوری بھی بد پرہیزی میں شامل ہے اور انسانی بدن کے لیے مختلف بیماریوں کا باعث ہے۔ اس وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے بسیار خوری کی مذمت کی ہے۔ چنانچہ حضرت مقدم بن معدی کربؓ فرماتے ہیں کہ: ”میں نے سرکارِ دو عالم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ آدمی کے پیٹ سے بڑھ کر کسی برتن کا بھرنا برا نہیں ہے۔ ابن آدم کے لیے چند لقمے کافی ہیں جن سے اس کی کمر قائم رہ سکے۔ اور اگر اسے زیادہ کھانا ہی ہے تو پیٹ کا تہائی حصہ کھانے کے لیے رکھے اور تہائی حصہ پانی کے لیے اور تہائی حصہ سانس لینے کے لیے۔“ (ترمذی)۔ حاصل کلام یہ ہے اسلام نے کھانے پینے کو انسان کا بنیادی حق قرار دیا ہے۔ لیکن کھانے پینے میں حلال و حرام کی تمیز بھی ضروری ہے اور کھانے کے جو آداب و اصول بتائے ہیں ان کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے۔

2.9 اکتسابی نتائج

- اس اکائی میں آپ نے درج ذیل نکات سیکھے:
- اسلام کے نزدیک دنیا کے تمام انسان برابر ہیں۔ کسی کو کسی پر کوئی فوقیت اور برتری حاصل نہیں ہے۔ البتہ اپنی شکل و صورت، رنگ و نسل اور طبیعت و خصلت کے اعتبار سب مختلف ہیں۔ اسلام نے مساوات انسانی کا وہ تصور دیا جو دنیا کے کسی مذہب کے پاس نہیں ہے۔ اس نے تمام بنی نوع انسان کو سماجی، سیاسی، معاشی اور قانونی مساوات کا حق عطا کیا ہے۔ اور اس میں نسب، رنگ و نسل، زبان و وطن، عقیدہ و خیال کی کوئی تمیز نہیں کی۔
 - اسلام میں ہر شخص کو دفاع کا حق حاصل ہے اور جہاں اس نے دفاع کا حق دیا ہے وہیں اس کے اصول و آداب بھی متعین کئے ہیں؛ کیوں کہ دفاع ایک نازک عمل ہے۔ اس میں سخت احتیاط کی ضرورت ہے۔
 - اسلام نے حصول علم کو ہر شخص کا بنیادی حق قرار دیا ہے۔ اسلام میں ذات پات کی بنیاد پر تحصیل علم کا دائرہ محدود نہیں ہے؛ بلکہ ہر شخص کے لیے خواہ اس کا تعلق اونچے طبقے سے ہو یا نیچے طبقے سے، خواہ مرد ہو یا عورت، علم حاصل کرنا اس کا حق ہی نہیں بل کہ فرض ہے۔
 - اسلام نے ہر شخص کو امن کا حق دیا، اس کی نظر میں ہر انسان کی جان، مال، عزت و آبرو مامون و محفوظ ہے۔ اسلام کا کوئی تعلق دہشت گردی یا تشدد سے نہیں ہے۔ جہاں تشدد ہو وہاں اسلام کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔

2.10 نمونہ امتحانی سوالات

2.10.1 معروضی جوابات کے متقاضی سوالات

1. اسلام میں تمام-----برابر ہیں۔
2. -----مذہب مکمل امن و سلامتی کا داعی ہے۔
3. “اور زمین میں اس کی درستگی کے بعد-----مت پھیلاؤ۔

4. رسول اللہ ﷺ نے اپنا تعارف----- کی حیثیت سے کرایا۔
5. اللہ اس شخص پر رحم نہیں کرتا جو لوگوں پر----- نہیں کرتا۔

2.10.2 مختصر جوابات کے متقاضی سوالات

1. مساوات کا مفہوم بتاتے ہوئے آنحضرت ﷺ کے مساوات کے دو عملی نمونے پیش کریں۔
2. اسلام میں علم کی اہمیت پر روشنی ڈالیے۔
3. محنت مشقت کر کے اپنی اور اپنے بال بچوں کی گذراوقات بیان کرنے والی حدیث لکھیے۔
4. حق لباس کی اہمیت واضح کیجیے۔
5. اسلام کے عطا کردہ حق دفاع کی اہمیت اور اس کے آداب بیان کیجیے۔

2.10.3 طویل جوابات کے متقاضی سوالات

1. اسلام کے عطا کردہ حق مساوات پر روشنی ڈالیے۔
2. اسلام کے بیان کردہ تصور تعلیم اور عطا کردہ حق تعلیم کے بارے میں تفصیل سے لکھیے۔
3. اسلام میں کھانے پینے کے بارے میں جو ہدایات دی گئی ہیں انہیں بیان کیجیے۔

2.11 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1. بنیادی حقوق : محمد صلاح الدین
2. محسن انسانیت اور انسانی حقوق : ڈاکٹر حافظ محمد ثانی
3. اسلام اور بنیادی انسانی حقوق : ڈاکٹر حافظ محمد اشرف
4. اسلام میں انسانی حقوق : ڈاکٹر محمد طاہر القادری
5. اسلام اور انسانی حقوق اقوام متحدہ کے عالمی منشور کے تناظر میں : ابوعمار زاہد الراشدی

معروضی سوالات کے جوابات

1. انسان	2. اسلام	3. فساد	4. معلم	5. رحم
----------	----------	---------	---------	--------

اکائی 3: اسلام میں بنیادی انسانی حقوق (حصہ دوم)

اکائی کے اجزاء:

3.0	تمہید
3.1	مقاصد
3.2	ملکیت کا حق
3.3	نچی زندگی کا حق
3.4	اظہار رائے کا حق
3.5	تنقید کا حق
3.6	مذہبی آزادی کا حق
3.7	انصاف کا حق
3.8	ظلم کے خلاف آواز بلند کرنے کا حق
3.9	اقتصادی نتائج
3.10	نمونہ امتحانی سوالات
3.10.1	معروضی جوابات کے متقاضی سوالات
3.10.2	مختصر جوابات کے متقاضی سوالات
3.10.3	طویل جوابات کے متقاضی سوالات
3.11	تجویز کردہ اکتسابی مواد

3.0 تمہید

آپ نے پچھلی اکائی میں اسلام میں بیان کیے گئے بنیادی حقوق کے بارے میں پڑھا۔ اس اکائی میں بھی ہم مزید بنیادی انسانی حقوق کی

تفصیل معلوم کریں گے جس میں ملکیت کا حق، اظہار رائے کا حق، تنقید کا حق، مذہبی آزادی کا حق، انصاف اور ظلم کے خلاف آواز بلند کرنا جیسے حقوق کے بارے میں اسلام کا نقطہ نظر جائیں۔

3.1 مقاصد

اس اکائی کا مقصد ہے کہ آپ

- اسلام میں بنی نوع آدم کو جو حقوق دئے ہیں، ان کے بارے میں معلومات حاصل کریں۔
- روزمرہ زندگی میں حقوق اور فرائض کے توازن کو پہچان سکیں۔
- قرآنی تعلیمات اور نبی کریم ﷺ کی سیرت کی روشنی میں انسانی حقوق کی اہمیت کو سمجھ سکیں
- عدل و انصاف کے تقاضوں کو سمجھ کر ظلم کے خلاف آواز اٹھانے کے قابل ہو جائیں۔

3.2 ملکیت کا حق

مال و دولت اور اسباب و املاک انسان کی بنیادی حق ہے۔ کیوں کہ انسانی زندگی کے لیے بہت یہ ناگزیر ہیں۔ ان کے بغیر آدمی امن و سکون اور عزت کی زندگی بسر نہیں کر سکتا ہے اور ہمیشہ دوسروں کا دست نگر بنارہتا ہے۔ اسی لیے اسلام نے اسے بہت اہمیت دی ہے اور اسے حاصل کرنے کی بھی ترغیب دی ہے۔ اس لیے کہ یہ اسباب و املاک اور مال و دولت دنیوی زندگی کے لیے سامان زیست بھی ہیں اور سامان زینت بھی۔ چنانچہ ارشاد خداوندی ہے: **وَلَا تُؤْثِرُوا السُّفَهَاءَ أَمْوَالَكُمُ الَّتِي جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ قِيَامًا**۔ (النساء: 5) ”(اور کم عقلوں کو اپنے وہ مال نہ دو) جن کو اللہ نے تمہاری گذراؤات کا ذریعہ بنایا ہے۔“ اسی طرح اسے زینت قرار دیتے ہوئے فرمایا: **الضَّالُّ وَالْبَنُوتُ زِينَةُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا** (الکہف: 46) ”مال اور بیٹے دنیا کی زندگی کی زینت ہیں۔“

اسی اہمیت کے پیش نظر اسلام ہر انسان کو ملکیت کا حق دیتا ہے اور جائز طریقے سے جو مال و دولت، املاک و جائیداد بناتا ہے اسے اس میں تصرف کا بھی پورا پورا حق حاصل ہے۔ وہ اپنے مفادات کے تحت اور اپنی ضرورتوں کی تکمیل کی خاطر انہیں استعمال کر سکتا ہے۔ اسے اس بات کا حق حاصل ہے کہ مزید نفع کمانے کے لیے اپنے کاروبار میں لگا سکتا ہے۔ ان کی حفاظت کے لیے موجود وسائل و ذرائع سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ اس سلسلے میں اس نے مرد و عورت میں کسی طرح کی کوئی تفریق نہیں کی ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: **وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللَّهُ بِهِ بَعْضَكُمْ عَلَى بَعْضٍ لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوا وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ وَاسْأَلُوا اللَّهَ مِنْ فَضْلِهِ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا** (النساء: 32) ”اور تم اس چیز کی تمنانہ کیا کرو جس میں اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔ مردوں کے لئے اس میں حصہ ہے جو انہوں نے کمایا اور عورتوں کے لیے اس میں حصہ ہے جو انہوں نے کمایا اور اللہ سے اس کا فضل مانگا کرو بے شک اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔“

اس موقع پر اسلام کی تعلیمات کی اہمیت مزید واضح ہو جاتی ہے کہ اس نے عورت اور مرد کی حق ملکیت کا الگ الگ ہونے کا احساس دلایا اور دونوں میں کسی طرح کی کوئی تفریق نہ کی۔ بیسویں صدی قبل مغرب میں عورتوں کو ذاتی ملکیت کا حق حاصل نہیں تھا۔ اسلام نے چودہ صدی قبل عورتوں کی ملکیت تسلیم کیا اور اسے مردوں کی طرح املاک و جائیداد بنانے کا اختیار دیا۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے وراثت میں خواتین کا حصہ مقرر کیا ہے۔ لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا۔ (النساء: 7) ”جو مال ماں باپ اور رشتہ دار چھوڑیں اس میں مردوں کا حصہ ہے اور جو مال ماں باپ اور رشتہ دار چھوڑ جائیں اس میں خواتین کا بھی حصہ ہے، چاہے تھوڑا ہو یا زیادہ، یہ حصہ اللہ کے مقرر کیے ہوئے ہیں۔“

اسلام نے انسان کو کئی طرح سے حق ملکیت عطا کیا ہے۔ ایک صورت یہ ہے کہ ہر شخص اپنی زیر ملکیت اشیاء و املاک کو اپنے یا دوسرے انسانوں کے فائدے کے لیے استعمال کرے۔ اپنی زیر ملکیت چیزوں میں ترمیم و اضافہ کر سکتا ہے۔ اس کا یہ حق منقولہ، غیر منقولہ ہر طرح کی املاک و اسباب پر ہے۔ اپنی صلاحیت اور لیاقت کی بنیاد پر اسے نئے نئے پروجیکٹس پر استعمال کر سکتا ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اپنی نجی ملکیت کو مزید ترقی دینے کے لیے ذاتی کاروبار کر کے نفع حاصل کر سکتا ہے۔ اسلام ایسا نہیں کرتا بلکہ صاحب مال کو پورا اختیار دیتا ہے کہ پوری آزادی کے ساتھ اپنے مال سے کاروبار کرے اور اپنے اوپر خرچ کرے۔ اسی طرح حق ملکیت کی تیسری صورت یہ ہے کہ اپنے مال میں کسی شخص کو شریک کر کے نفع کمائے۔ شراکت کا مطلب یہ ہے کہ ایسا کاروبار اختیار کیا جائے جس میں دو یا دو سے زیادہ افراد متعین سرمایہ کے ساتھ نفع کے حصول اور نقصان کی ذمہ داری برداشت کرنے پر راضی ہوں اور نفع و نقصان کی شرح کا تعین حصہ داروں میں واضح کر دیا گیا ہو۔

انسان کی حق ملکیت میں یہ بات بھی شامل ہے کہ وہ اپنے مال و اسباب میں تصرف کے لئے پوری طرح آزاد ہو اور اسے اپنی مرضی سے خرچ کر سکے۔ چنانچہ اسلام جس طرح مال کمانے پر اکساتا ہے اسی طرح اسے راہ خدا میں خرچ کرنے کی ترغیب بھی دیتا ہے اور اسے خیر و برکت کا ذریعہ قرار دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَأَنْفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ وَأَحْسِنُوا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ (البقرة: 195) ”اور اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے ہی ہاتھوں خود کو ہلاکت میں نہ ڈالو اور نیکی اختیار کرو، بے شک اللہ نیکو کاروں سے محبت کرتا ہے۔“ دوسری جگہ اہل ایمان کو مخاطب کر کے انفاق کا حکم دیا: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفِقُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيثَ مِنْهُ تُنْفِقُونَ وَلَسْتُمْ بِآخِذِيهِ إِلَّا أَنْ تُغْمِضُوا فِيهِ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ (البقرة: 267) ”اے ایمان والو! ان پاکیزہ کمائیوں میں سے اور اس میں سے جو ہم نے تمہارے لیے زمین سے نکالا ہے (اللہ کی راہ میں) خرچ کیا کرو، اور اس میں سے گندے مال کو (اللہ کی راہ میں) خرچ کرنے کا ارادہ مت کرو کہ (اگر وہی تمہیں دیا جائے تو) تم خود اسے ہر گز نہ لو سوائے اس کے کہ تم اس میں چشم پوشی کر لو اور جان لو کہ بے شک اللہ لائق ہر حمد ہے۔“ دوسرے مقام پر ایک عمدہ مثال کے ذریعہ خرچ کرنے پر ابھارا: مَثَلُ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ أَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلٍ فِي كُلِّ سَنَابِلَةٍ مِائَةٌ حَبَّةٌ وَاللَّهُ يُضَاعِفُ لِمَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ (البقرة: 261) ”جو لوگ اللہ کی راہ میں اپنے مالوں کو خرچ کرتے ہیں ان کی مثال اس دانے کی طرح ہے جس نے سات ایسے خوشے اگائے کہ ہر خوشے کے ساتھ سو دانے ہیں۔ اور اللہ جس کے لیے چاہے اس کو دگنا کر دیتا ہے اور بڑی

وسعت والا بہت علم والا ہے۔“

مال کمانے اور خرچ کرنے کے ساتھ ساتھ مال کی حفاظت کی تعلیم بھی اسلام دیتا ہے۔ کسی شخص کو یا کسی حکومت کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ کسی کے املاک و اسباب پر دست اندازی کرے اور ناجائز طریقے سے اس پر قبضہ کرے۔ اسلام نے ان تمام طریقوں کا سد باب کیا ہے جن سے لوگوں کا مال ہڑپ لیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوا بِهَا إِلَى الْحُكَّامِ لِتَأْكُلُوا فَرِيقًا مِنْ أَمْوَالِ النَّاسِ بِالْإِثْمِ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ۔ (البقرہ: 188) ”اور تم لوگ نہ تو آپس میں ایک دوسرے کے مال ناروا طریقہ سے کھاؤ اور نہ حاکموں کے آگے ان کو اس غرض کے لیے پیش کرو کہ تمہیں دوسروں کے مال کا کچھ حصہ قصداً ظالمانہ طریقہ سے کھانے کا موقع مل جائے۔“

اس آیت نے ناجائز طریقے سے دوسروں کے مال پر قبضہ کرنے کے جتنے ذرائع ہو سکتے تھے سب پر نہایت مبلغ طریقے سے قدغن لگا دی ہے۔ دوسروں کے مال ہڑپ کرنے کے کئی طریقے ہیں۔ مثلاً چوری، رہزنی، ڈاکہ، خیانت، دھوکہ، رشوت، سود، سٹہ، قمار بازی، ناپ تول میں کمی بیشی وغیرہ ان سب کو اسلام نے مذموم اور حرام قرار دیا اور اس طرح کے حرام کاموں میں ملوث لوگوں کے لیے دردناک سزا کا اعلان بھی کیا۔ چوری کی سزا ہاتھ کاٹنا بتایا ہے۔ اسی طرح جو لوگ یتیم بچوں کے مال ہڑپ کر جاتے ہیں انہیں جہنم کی آگ میں ڈالے جانے کی سخت سزا سنائی ہے۔ اِنَّ الَّذِيْنَ يَأْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ ظُلْمًا اِنَّهُمْ يَأْكُلُوْنَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيرًا (النساء: 10) ”جو لوگ یتیموں کا مال ناجائز طور سے کھاتے ہیں، وہ اپنے پیٹ میں آگ ڈالتے ہیں اور وہ عنقریب جہنم کی آگ میں جائیں گے۔“ رشوت جیسی گھناؤنی چیز کی ممانعت ان الفاظ میں کی: وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوا بِهَا إِلَى الْحُكَّامِ لِتَأْكُلُوا فَرِيقًا مِنْ أَمْوَالِ النَّاسِ بِالْإِثْمِ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ۔ (البقرہ: 188) ”اپس میں ایک دوسرے کا مال ناجائز طریقہ سے مت کھاؤ اور نہ مال کو حاکموں تک پہنچاؤ، تاکہ لوگوں کے مال کا کچھ حصہ جانے بوجھتے حق تلفی کر کے کھا جاؤ۔“

بطور خلاصہ یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ ”اسلام کے عطا کردہ حق ملکیت میں کمانے، مال رکھنے، مال و متاع سے نفع حاصل کرنے اور مال و متاع کو قانونی طور پر فروخت کرنے، تحفہ دینے، تبادلہ کرنے یا اس کے بارے میں وصیت کرنے کا حق بھی شامل ہے۔ اسلام نے ملکیت کے باب میں انسان کو یہ حقوق آج سے چودہ سو سال قبل عطا کئے جب ابھی انسانی تہذیب نے ارتقا کا یہ سفر طے نہیں کیا تھا۔“

3.3 نجی زندگی کا حق

اسلام نے زندگی کے تمام گوشوں کی طرف رہنمائی کی ہے، چاہے انفرادی زندگی ہو یا اجتماعی۔ انفرادی زندگی سے جڑا ہوا ایک اہم حق انسان کا نجی اور پرائیویٹ زندگی کا ہے۔ اسلام نے اس سلسلے میں بھی مکمل رہنمائی کی ہے۔ چنانچہ وہ انسان کے بنیادی حقوق میں سے ایک حق نجی زندگی کا بھی قرار دیتا ہے۔ وہ بلا کسی تفریق کے ہر انسان کی عزت و کرامت کے لیے اسے ضروری سمجھتا ہے اور تمام مسلمانوں کو اس کا احترام کرنے کی تاکید کرتا ہے۔ اسلام کی نظر میں انسان کا ہر عمل نجی ہے جب تک کہ وہ خود اپنے کسی عمل پر دوسروں کو مطلع نہ کرے۔ اسلام

گھر کے اندر اور باہر ہر انسان کی نجی اور شخصی زندگی میں آزادی کا قائل ہے۔ اور تاکید کرتا ہے کہ کوئی شخص اپنے گھریا گوشہ تنہائی میں کیا کر رہا ہے اس کی تحقیق یا تفتیش نہ کی جائے۔ اگر وہ گھر کی چہار دیواری کے اندر غلط کام بھی کر رہا ہے تو یہ اس کا ذاتی معاملہ ہے۔ وہ اپنے رب کے سامنے جواب دہ ہے۔ اسلام کسی کو اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ کسی شخص کے نجی معاملات میں دخل اندازی کی جائے اور ان کی ٹوہ میں لگا جائے۔ سورہ حجرات میں فرمایا گیا: وَلَا تَجَسَّوْا (حجرات: 12) ”اور تجسس نہ کرو“۔

آدمی تجسس کے ذریعہ دوسروں کے عیب تلاش کرتا ہے اور پھر جو عیوب اور کمزوریاں اس کے علم میں آتی ہیں انہیں مزے لے لے کر دوسروں سے بیان کرتا ہے۔ جس سے متعلق شخص کی بدنامی اور رسوائی ہو، قرآن مجید نے اس طرح کے تجسس سے سختی سے منع کیا ہے۔ اس معاملہ کا قرآن مجید اس قدر لحاظ کرتا ہے کہ بلا اجازت کسی کے گھر میں داخل ہونے یا باہر سے تاک جھانک کرنے سے سختی سے منع کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ بُيُوتِكُمْ حَتَّى تَسْتَأْذِنُوا وَتُسَلِّمُوا عَلَى أَهْلِهَا (النور: 27)۔ ”اے لوگو جو ایمان لائے ہو اپنے گھروں کے سوا دوسرے کے گھروں میں داخل نہ ہوا کرو جب تک کہ گھر والوں کی رضائے لے لو اور گھر والوں پر سلام نہ بھیج لو۔“

رسول اللہ ﷺ نے خود اپنے گھر میں بھی آواز دے کر داخل ہونے کی تاکید کی ہے، تاکہ ماں، بہن اور بیٹیوں پر ایسی حالت میں نظر نہ پڑ جائے جس میں نظریہ ناپا اخلاقی اور شرم و حیا کا باعث بنے۔ حضرت سہل بن سعد فرماتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے گھر میں دروازے کے سوراخ سے جھانک رہا تھا اس وقت آپ ﷺ کے ہاتھ میں کوئی چیز تھی جس سے سر کھجا رہے تھے، آپ ﷺ نے اسے دیکھا تو فرمایا: ”لو انک تنظر لطعننت به فی عینیک ، انما جعل الاستئذان من اجل البصر“ (صحیح بخاری) اگر مجھے معلوم ہوتا کہ تم دیکھ رہے ہو، تو اس سے تمہاری آنکھ پھوڑ دیتا، اجازت لینے کی حکم اسی لئے تو دیا گیا ہے کہ قابل ستر چیزوں پر نگاہ نہ پڑے۔ اسی طرح آپ ﷺ نے حکمرانوں کو بھی اس سے متنبہ کیا ہے اور انہیں لوگوں پر بلا وجہ شک و شبہ کرنے اور جاسوسی کروانے سے روکا ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے: ”ان الامیر اذا ابتغى الریبة فی الناس افسدہم“ (سنن ابوداؤد) اگر حکمران اپنی رعایا کے ساتھ شک و شبہ کا معاملہ کریں گے تو انہیں بگاڑ کر رکھ دیں گے۔ دوسری حدیث جس کے راوی حضرت معاویہ بن ابی سفیان ہیں۔ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے: ”انک ان اتبع عورات الناس افسدہم او کدت ان تفسدہم“ (سنن ابوداؤد) اگر تم لوگوں کے پوشیدہ امور کی ٹوہ میں رہو گے تو انہیں بگاڑ دو گے یا بگاڑ کے قریب پہنچا دو گے۔

اس نجی زندگی کو یقینی بنانے کے لیے اسلام نے نہ صرف بغیر اجازت گھر میں داخل ہونے سے منع کیا ہے بلکہ مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ اجازت لیتے وقت دروازے کے دائیں یا بائیں ہو کر کھڑے ہوں۔ اس حکم کی دوسری اہم وجہ یہ ہے کہ اگر انسان بغیر اجازت گھر میں داخل ہو جائے تو ممکن ہے کہ انسان کے سامنے ایسے مناظر و حالات آجائیں جسے وہ دیکھنا کبھی گوارا نہ کرے۔ حدیث میں آتا ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ میں اپنی ماں کے گھر جاؤں تو کیا وہاں بھی اجازت لوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔ اس نے عرض کیا میرے علاوہ میری ماں کا کوئی خدمت گزار بھی نہیں ہے تو پھر بھی اجازت لوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا۔ کیا تم اس بات کو پسند کرتے ہو کہ اپنی ماں کو

برہنہ دیکھو۔ اس حدیث سے بہ آسانی انسان کی نجی زندگی کی اہمیت سمجھی جاسکتی ہے۔

3.4 اظہار رائے کا حق

بنیادی انسانی حقوق میں سے اظہار رائے کا حق بھی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں کی بھلائی کی خاطر خلوص نیت اور نیک جذبہ کے تحت اپنے خیالات کا اظہار کیا جائے۔ قرآن مجید بھلائی پھیلانے کے لیے اظہار رائے کا صرف حق ہی نہیں دیتا بلکہ اسے مسلمانوں کا ایک فرائض قرار دیتا ہے، چنانچہ اس نے ان کی یہ صفت بیان کی ہے: **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا بِالْمَعْرُوفِ وَيُحْتَفِظُوا عَنِ الْمُنْكَرِ (التوبہ: 71)** ”بھلائی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں۔“ اسلامی حکومت کا مقصد وجود قرآن مجید یہ قرار دیتا ہے: **الَّذِينَ آمَنُوا بِالْمَعْرُوفِ وَالْأَعْرُوفِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ (الحج: 41)** ”یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اگر ہم زمین میں اقتدار بخشیں تو وہ نماز قائم کریں گے، زکوٰۃ دیں گے، نیکی کا حکم دیں گے اور برائی سے منع کریں گے۔“

اس کے بالمقابل منافقین کی صفت یہ بیان کی ہے: **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا بِالْمَعْرُوفِ وَيُحْتَفِظُوا عَنِ الْمُنْكَرِ (توبہ: 67)** ”برائی کا حکم دیتے ہیں اور بھلائی سے منع کرتے ہیں۔ اسلام نے مسلمانوں کو اظہار رائے کی پوری آزادی دی ہے، کیوں کہ اس کے بغیر معاشرے میں جمہوری اقدار اور عدل و انصاف کی روایت قائم نہیں ہو سکتی۔ اسی لیے اسلام نے نہ صرف ہر فرد کو اظہار رائے کی آزادی کا حق دیا ہے بلکہ اہل اسلام کو اپنے اجتماعی معاملات میں دوسروں سے رائے لینے اور مشورہ کرنے کی تعلیم دی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: **وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ (آل عمران: 159)** ”اور آپ (اہم) کاموں میں ان سے مشورہ کیا کریں پھر جب آپ پختہ ارادہ کر لیں تو اللہ پر بھروسہ کیا کریں۔ بے شک اللہ توکل والوں سے محبت کرتا ہے۔“ دوسرے مقام پر اپنے معاملات میں مشورہ کرنے کو اہل ایمان کی صفت قرار دیا ہے: **وَالَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِرَبِّهِمْ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَأَمْرُهُمْ شُورَى بَيْنَهُمْ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ (الشوری: 38)** ”اور جو اپنے پروردگار کا حکم مانتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں۔ اور ان کا کام آپس میں مشورے سے ہوتا ہے اور جو رزق ہم نے دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔“ کسی سے مشورہ لینا یا کسی کو مشورہ دینا ایک طرح کی آزادی رائے کا اظہار ہی ہوتا ہے جس سے کام میں بہتری کی امید ہوتی ہے۔

اسلام دین فطرت ہے، اس کی ہر تعلیم اعتدال پر مبنی ہے۔ چنانچہ اس نے اظہار رائے کے سلسلے میں یہ فلسفہ پیش کیا کہ انسان رائے دینے میں حیوانوں کی طرح بے مہار نہیں ہے، بلکہ اس کی اظہار رائے کی آزادی کے کچھ حدود اور قیود ہیں جس کا پاس و لحاظ رکھنا ضروری ہے اسلام نے جو حدود بیان کئے ہیں ان میں سے تین یہاں ذکر کئے جا رہے ہیں۔

1۔ اظہار رائے میں انسان اخلاقی حدود کا پابند ہو، ایسا اظہار رائے جس سے دوسروں کا مذاق اڑایا جائے، دل آزاری کی جائے، بہتان یا الزام تراشی کی جائے، غیبت یا چغلی کھائی جائے اسلام کی نظر میں ناپسندیدہ ہیں اس سے بچنے کی تاکید کی گئی ہے۔ سورہ حجرات میں اظہار رائے کی آزادی کا فلسفہ بیان کرتے ہوئے فرمایا: **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرُ قَوْمٌ مِنْ قَوْمٍ عَسَىٰ أَنْ يَكُونُوا خَيْرًا مِنْهُمْ وَلَا نِسَاءٌ مِنْ**

نِسَاءً عَسَىٰ أَن يَكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ وَلَا تَلْمِزُوا أَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ بِئْسَ الْإِسْمُ الْفُسُوقُ بَعْدَ الْإِيمَانِ وَمَنْ لَّمْ يَشُبْ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ﴿١١﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ وَلَا تَحْسَسُوا وَلَا يَغْتَبَ بَعْضُكُم بَعْضًا أَنُحِبُّ أَحَدَكُمْ أَن يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ تَوَّابٌ رَّحِيمٌ (الحجرات: 11-12) ”اے ایمان والو! مرد دوسرے مردوں کا مذاق نہ اڑائیں، ہو سکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں، اور عورتیں بھی دوسری عورتوں کا مذاق نہ اڑائیں، ہو سکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں، اور ایک دوسرے کو طعنہ نہ دو اور برے القاب سے نہ پکارو۔ ایمان کے بعد فسق کا نام لگنا برا ہے۔ جو لوگ (ان حرکتوں سے) توبہ نہ کریں وہی ظالم ہیں۔ اے ایمان والو! بہت زیادہ گمان سے بچو۔ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں اور تجسس نہ کرو اور نہ ایک دوسرے کی غیبت کرو۔ کیا تم میں سے کوئی پسند کرے گا کہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے۔ تم اس سے گھن کرتے ہو۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔ بے شک اللہ توبہ قبول کرنے والا اور رحیم ہے۔“ اظہار رائے کی آزادی میں اسلام نے بہترین اخلاقی قدریں فراہم کی ہیں۔ اپنی رائے کا اظہار کرتے وقت ہر شخص کو اس بات کا خیال رکھنا ہو گا کہ کسی کا مذاق نہ اڑائے، اس کے جملے سے کسی کی توہین نہ ہو، اس کی بات سے کسی کی عزت و آبرو کو ٹھیس نہ پہنچے وغیرہ۔

2- اظہار رائے کے نام پر بے حیائی اور بدکاری کے فروغ کی اجازت نہ ہوگی۔ جو معاشرہ اخلاق و اقدار کا علم بردار ہو گا وہ کسی قیمت پر اخلاق باختگی کی تعلیم نہیں دے گا، بلکہ اس طرح کی تمام باتوں سے وہ روک دے گا۔ ارشاد خداوندی ہے: ﴿إِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَن تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ آمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ﴾ (النور: 19) ”بے شک جو لوگ چاہتے ہیں کہ اہل ایمان کے درمیان بدکاری کا چرچا ہو تو ان کے لیے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہے اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔“

3- تیسری پابندی یہ ہے کہ ملک میں بے چینی اور بدامنی پھیلانے کی اجازت نہ ہوگی۔ منافقین اور یہود اسلامی ریاست کے خلاف ہر وقت سرگرم رہتے تھے۔ ان کا ایک خاص مشغلہ تھا کہ مسلمانوں کے درمیان غلط فہمیاں اور پھیلائیں اور حالت جنگ میں ان کی ناکامی کی پیشین گوئی کرتے رہیں اور کسی وقتی اور ہنگامی نقصان کا اس طرح چرچا کریں جیسے اس کی تلافی ممکن نہیں ہے، تاکہ مسلمانوں کی ہمت پست ہو جائے اور وہ اپنا عزیمت و حوصلہ کھو بیٹھیں۔ اس کا تعلق ملک کی سلامتی سے تھا اس لیے ان کے خلاف سخت قدم اٹھانے کی ہدایت کی گئی۔ ارشاد الہی ہے: ﴿لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ الْمُنَافِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ وَالْمُرْجِفُونَ فِي الْمَدِينَةِ لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُونَكَ فِيهَا إِلَّا قَلِيلًا ۚ مَلْعُونِينَ أَيْنَمَا ثُقِفُوا أُخِذُوا وَقُتِلُوا تَقْتِيلًا ۚ سُنَّةَ اللَّهِ فِي الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَبْدِيلًا﴾ (الاحزاب: 60-62) ”اگر منافقین اور وہ لوگ جن کے دلوں میں روگ ہے اور مدینہ میں جھوٹی خبریں پھیلانے والے (اپنی حرکتوں سے) باز نہ آئے تو ہم ضرور آپ کو ان پر مسلط کر دیں گے اور پھر وہ مدینہ میں آپ کے قریب چند دن سے زیادہ نہیں ٹھہر سکیں گے۔ لعنت ہے ان پر، وہ جہاں کہیں پائے جائیں پکڑے جائیں اور بری طرح مارے جائیں۔ یہی اللہ کا طریقہ رہا ہے ان لوگوں میں جو اس سے پہلے گزر چکے ہیں۔ تم اس طریقہ میں کوئی تبدیلی نہیں پاؤ گے۔“

اسلامی تاریخ میں اظہار رائے کی مثالیں عہد نبوی سے لے کر مسلمانوں کی تاریخ کے ہر دور میں ملتی ہیں۔ یہاں چند مثالیں بیان کی جاتی ہیں۔ غزوہ بدر میں آپ نے مسلمانوں کو ہدایت فرمائی کہ فلاں فلاں مقام پر قیام کریں اور پڑاؤ ڈالیں۔ ”حضرت حباب بن مندر نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں عرض کی کہ جو مقام انتخاب کیا گیا ہے وحی کی رو سے ہے؟ یا فوجی تدبیر ہے؟ ارشاد ہوا کہ وحی نہیں ہے، حضرت حباب نے کہا تو بہتر ہو گا کہ آگے بڑھ کر چشمہ پر قبضہ کر لیا جائے اور آس پاس کے کنویں بے کار کر دیے جائیں۔ آپ ﷺ نے یہ رائے پسند فرمائی اور اس پر عمل کیا گیا۔“

مشورہ اور اظہار رائے کی آزادی کا عملی مظاہرہ ہمیں سیرت نبوی ﷺ میں جا بجا ملتا ہے۔ اسی طرح آپ ﷺ کے اصحاب اور خلفاء راشدین بھی لوگوں سے رائے لیتے اور اظہار رائے کے لیے حوصلہ افزائی فرماتے، تاریخ کے اوراق میں اس کی متعدد مثالیں موجود ہیں۔ حضرت ابو بکرؓ نے تو اپنے خطبہ خلافت میں اظہار رائے کی باقاعدہ دعوت دی۔ حضرت عمرؓ خلیفہ بنے تو حضرت ابو عبیدہ اور حضرت معاذ بن جبلؓ نے انہیں ایک مشترکہ خط لکھا جس میں انہیں خلافت کی ذمہ داریوں اور آخرت کی جواب دہی کا احساس دلایا۔ جس پر حضرت عمرؓ نے ان دونوں کا شکریہ ادا کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام ہی وہ واحد مذہب ہے جس نے سب سے پہلے اظہار رائے کا مکمل تصور پیش کیا، اس کے حدود و آداب سکھائے۔ اور مسلمانوں نے دنیا کے سامنے اس کا عملی نمونہ پیش کیا۔

3.5 تنقید کا حق

انسان کے بنیادی حق میں تنقید کا حق بھی شامل ہے۔ تنقید کے معنی کھرے اور کھوٹے کی پہچان کرنے کے ہیں۔ اس کے ذریعہ افراد و اشخاص اور حکومت و ریاست کے کاموں کے منفی اور مثبت پہلوؤں کا جائزہ لیا جاتا ہے۔ اسلام نے اس پہلو پر توجہ دی ہے اور ہر شخص کو تنقید کا حق دیا ہے؛ کیوں کہ اس سے معاشرے پر مثبت اثرات مرتب ہوتے ہیں اور مسائل کو سلجھانے میں مدد ملتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے رسولوں نے ہر زمانے میں اس حق کا بھرپور استعمال کیا ہے اور تنقید کے ذریعہ معاشرہ کی اصلاح کا کام بغیر کسی خوف و خطر کے انجام دیا ہے۔ ارشاد الہی ہے:

الَّذِينَ يُبَلِّغُونَ رِسَالَاتِ اللَّهِ وَيَخْشَوْنَهُ وَلَا يَخْشَوْنَ أَحَدًا إِلَّا اللَّهَ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ حَسِيبًا (الاحزاب: 39) ”وہ لوگ (پیغمبر) جو اللہ کے پیغامات پہنچاتے ہیں اور اس سے ڈرتے ہیں اور سوائے اللہ کے کسی سے خوف نہیں کھاتے۔ اللہ حساب لینے والا کافی ہے۔“

برائیوں کو بیان کرنا اور منکرات پر تنقید کرنا اور حسب استطاعت ان کے خاتمہ کے لیے کوشش کرنا ایمان و اسلام کا تقاضا بھی ہے۔ رسول خدا ﷺ نے فرمایا: من رای منکرا فلیغیرہ ببده ، فان لم یستطع فبلسانہ وان لم یستطع فبقلبہ و ذلک اضعف الایمان تم میں سے جو شخص منکر کو دیکھے تو اسے اپنے ہاتھ (قوت) سے بدل دے۔ اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو اپنی زبان سے اسے بدل دے۔ اس کی بھی استطاعت نہ ہو تو اپنے دل سے برا سمجھے۔ یہ ایمان کا کمزور درجہ ہے۔“ (صحیح مسلم)

ریاست و مملکت کے اقدامات کی تائید اور حمایت یا اعتراض اور تنقید کے معاملہ میں اسلام نے یہ اصول بیان کیا ہے اس کی حمایت معروفات میں کی جائے گی۔ اگر اس کے ذریعہ شریعت کا نفاذ عمل میں آ رہا ہے اور وہ معاصی سے اجتناب کر رہی ہے تو اس کا ساتھ دیا جائے گا،

لیکن اگر وہ منکرات کو فروغ دے رہی ہے تو اس کے ساتھ تعاون نہیں کیا جائے گا اور اس سے دوری اختیار کی جائے گی۔ حضرت علیؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: لا طاعة في معصية انما الطاعة في المعروف ”معصیت میں اطاعت نہیں، اطاعت تو معروف میں ہوتی ہے۔ اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمرؓ رسول اللہ ﷺ کا قول نقل کرتے ہیں: السمع و الطاعة على المرء المسلم فيما احب و كره مالم يؤمر بمعصية فاذا امر بمعصية فلا سمع ولا طاعة ”مرد مسلم کے لیے ضروری ہے کہ اپنے امیر کی بات سنے اور اس کی اطاعت کرے اس معاملہ میں بھی جسے وہ پسند کرتا ہے۔ جب تک کہ اسے معصیت کا حکم نہ دیا جائے۔ جب معصیت کا حکم دیا جائے گا تو بات نہ سنی جائے گی اور نہ اطاعت ہوگی۔

تنقید کے اصول و آداب میں یہ ہے کہ اس سے تعمیر اور اصلاح مقصود ہو، نہ کہ تذلیل اور کردار کشی۔ اسلام تنقید کی آڑ میں تذلیل کی اجازت نہیں دیتا؛ کیوں کہ کسی کی تذلیل کرنا کسی بھی مہذب معاشرہ میں اچھا شمار نہیں کیا جاتا ہے۔ اگر اس کا خیال کیے بغیر تنقید کی جائے گی تو وہ اپنی معنویت کھو دے گی۔ اس سلسلے میں اسلام کا طریقہ سب سے اچھا ہے۔ جس نے تنقید کی آزادی بھی دی، اس کا طریقہ بھی سکھایا اور اس کے آداب و حدود بھی متعین کئے ہیں۔

3.6 مذہبی آزادی کا حق

اسلام نے انسان کو ایک بنیادی حق یہ بھی دیا ہے کہ وہ جو مذہب اور عقیدہ چاہے اختیار کرے۔ اس پر کسی طرح کا کوئی جبر نہیں کیا جاسکتا؛ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے اسے عقل و شعور کی دولت عطا کی ہے اور سوچنے سمجھنے کی صلاحیت دی ہے، جس کی وجہ سے وہ دوسری مخلوقات سے ممتاز ہو جاتا ہے۔ اس صلاحیت کا استعمال کر کے وہ حق و باطل میں تمیز کر سکتا ہے صحیح اور غلط میں فرق کر سکتا ہے۔ صحیح اور باطل نظریات کو پرکھ سکتا ہے۔ پھر جو راہ چاہے اختیار کرے۔ اسلام اس پر کوئی زور زبردستی نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ (البقرہ: 256) ”دین کے معاملے میں کوئی زور زبردستی نہیں ہے صحیح بات غلط خیالات سے الگ چھانٹ کر رکھ دی گئی ہے۔“

اس آیت کی تشریح میں پیر کرم شاہ الازہری لکھتے ہیں: ”اسلام جس طرح یہ گوارہ نہیں کرتا کہ کسی کو جبراً مسلمان بنایا جائے، اسی طرح وہ یہ بھی برداشت نہیں کرتا کہ کوئی اس کے ماننے والوں پر تشدد کرے، انہیں اسلام سے برگشتہ کرے یا جو خوشی سے اس کی برادری میں شریک ہونا چاہتے ہیں، ان کو ایسا کرنے سے زبردستی روکا جائے، اور اگر کہیں ایسی صورت پیدا ہو جائے تو اس وقت اسلام اپنے ماننے والوں کو حکم دیتا ہے کہ ایسی حالت میں وہ ظالم قوت کا مقابلہ کریں، اور یہی اسلام کا نظریہ جہاد ہے۔ اسلام کے بعض نکتہ چیں جہاد کو (اکراہ فی الدین) سے تعبیر کرتے ہیں اور اس پر اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہیں، وہ سن لیں کہ اس کی خوشنودی کا پروانہ حاصل کرنے کے لیے اپنے ماننے والوں کو دشمنان دین و ایمان کے جو رستم کا تختہ مشق بننے نہیں دے گا۔“ (ضیاء القرآن: 1، 179)

اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام کو مبعوث کر کے اور انہیں اپنی کتاب عطا کر کے حق کو باطل سے جدا کر دیا۔ اب جو چاہے مانے اور جو چاہے نہ

مانے اس پر کسی طرح کی کوئی زور زبردستی نہیں کی جاسکتی۔ انبیاء کرام کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ سب لوگ ان کی بات مان لیں اور ایک اللہ کی عبادت کرنے لگیں؛ لیکن یہ مشیت الہی کے خلاف ہے کیوں کہ اس نے ہر شخص کو عقل و فہم عطا کی ہے اور اسے آزادی دی ہے کہ جس کا دل چاہے دلائل کی بنیاد پر اسے قبول کرے یا نہ کرے۔ کوئی بھی شخص کسی کو مجبور نہیں کر سکتا کہ وہ اس کا دین اور مذہب اختیار کرے۔ اللہ تعالیٰ نبی ﷺ کو مخاطب کر کے کہتا ہے: **وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَآمَنَ مَنْ فِي الْأَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيعًا أَفَأَنْتَ تُكْذِرُ النَّاسَ حَتَّى يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ** (یونس: 99) ”اگر تیرے رب کی مشیت یہ ہوتی (کہ زمین میں سب مومن و فرماں بردار ہی ہوں) تو سارے اہل زمین ایمان لے آئے ہوتے پھر کیا تو لوگوں کو مجبور کرے گا کہ وہ مومن ہو جائیں۔“

اسلام اپنا غلبہ چاہتا ہے لیکن طاقت اور جبر کے ذریعہ نہیں، دعوت و تبلیغ، افہام و تفہیم اور دلیل و برہان کے ذریعہ۔ وہ حق و باطل کو کھول کھول کر بیان کرتا ہے، پھر لوگوں کو پوری آزادی دیتا ہے کہ وہ چاہیں حق کو قبول کریں یا باطل پر قائم رہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكُمْ فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيُكْفُرْ** (الکہف: 29) ”صاف کہہ دو یہ حق ہے تمہارے رب کی طرف سے اب جس کا جی چاہے مان لے اور جس کا جی چاہے انکار کر دے۔“ ایک جگہ دعوت حق کے سلسلہ میں آپ ﷺ کی ذمہ داری کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا گیا: **إِنَّمَا أَنْتَ مُذَكِّرٌ ۚ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيِّرٍ** (الغاشیہ: 21-22) اے نبی ﷺ! نصیحت کئے جاؤ تم بس نصیحت ہی کرنے والے ہو، کچھ ان پر جبر کرنے والے نہیں۔“

جس طرح اسلام مسلمانوں کو مذہبی آزادی عطا کرتا ہے، اسی طرح یہ دوسرے مذہب کے ماننے والوں کی دینی آزادی کا بھی قائل ہے۔ بشرطیکہ وہ دعوت اسلام کے معاملات میں مزاحمت نہ کریں۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ کے یہود کو پوری دینی آزادی عطا کی اور آپ ﷺ کی مدینہ آمد سے قبل وہ اپنے جن شعائر پر عمل کر رہے تھے اسے باقی رکھا۔

اہل نجران کے بارے میں آپ ﷺ نے جو معاہدہ فرمایا اس میں لکھا کہ محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف سے اہل نجران اور ان کے حلیفوں کو ان کے اموال، جانوں، ان کی زمینوں، ان کی ملت، ان کے غائب اور ان کے حاضر، ان کے قبیلے اور ان کی خرید و فروخت اور جو کچھ ان کے پاس ہے اور ان کی ملکیت خواہ تھوڑی ہو یا زیادہ ان سب کو پورا پورا تحفظ دیا جائے گا۔ مزید براں نہ تو ان کا کوئی پادری، راہب اور کاہن اپنے عہدوں سے تبدیل کیا جائے گا، نہ ان کے ذمہ کوئی جاہلیت کا خون ہوگا اور نہ ہی کوئی قصاص۔ (فتوح البلدان، للبلاذری، 75-76، زاد المعاد: 3، 634)

اس معاہدہ سے معلوم ہو رہا کہ غیر مسلم اقوام کو ایک اسلامی ریاست میں اپنے مذہبی شعائر پر عمل کرنے کی پوری آزادی حاصل ہے اور اس بات کی بھی ضمانت حاصل ہے کہ ان کے دینی پیشوا اور رہنما بھی پوری طرح اپنی مذہبی تعلیمات کی دعوت دینے کے لیے آزاد ہیں۔ اسلامی حکومت میں ان کے دینی معاملات میں کسی طرح کی کوئی مداخلت نہیں کی جائے گی۔

حضرت عمرؓ کے زمانے میں اظہار رائے کی اس قدر آزادی تھی کہ ہر شخص جسے بھی کوئی بات اسلامی تعلیمات کے خلاف لگتی (حالاں کہ وہ بات اسلامی تعلیمات کے خلاف نہ ہوتی مگر کہنے والے کو ایسا محسوس ہوتا) تو فوراً اپنا حق اظہار رائے استعمال کرتا۔ ایک شخص نے سر راہ آپ

کو مخاطب کر کے کہا ”عمر! خدا سے ڈرو۔“ اس نے یہ جملہ کئی بار دہرایا اس پر کسی نے ٹوکا ”چپ رہ! تو نے امیر المؤمنین کو بہت کچھ سنا دیا۔“ حضرت عمرؓ فوراً مداخلت کرتے ہوئے بولے ”اسے مت روکو۔ یہ لوگ اگر ہم سے ایسی بات کہنا چھوڑ دیں تو پھر ان کا فائدہ ہی کیا؟ اور اگر ہم ان کی باتوں کو نہ قبول کریں تو ہمیں بھلائی سے عاری سمجھنا چاہیے اور بعید نہیں کہ یہ بات اپنے کہنے والے پر ہی چسپاں ہو جائے۔“ (کتاب الخراج، قاضی ابویوسف، مترجم محمد نجات اللہ صدیقی، کراچی، ص 367)

آپ کی رعایا میں مسلمان بھی تھے اور دوسرے ادیان کے ماننے والے بھی تھے۔ عموماً سربراہان مملکت دوسری قوموں کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کرتے تھے۔ لیکن آپ نے اسلامی تعلیمات کی روشنی میں ان کے ساتھ ایسا سلوک کیا کہ وہ لوگ ان کے گرویدہ ہو گئے اور آپ پر جان چھڑکنے لگے۔ ان کے عہد کا سب سے نمایاں وصف یہی ہے کہ امیر و غریب، چھوٹا و بڑا، ادنیٰ و اعلیٰ، شریف و رذیل اور مسلم و غیر مسلم قانون کی نگاہ میں سب برابر تھے اور غیر مسلموں کو ہر طرح کی دینی اور معاشرتی آزادی حاصل تھی، آپ نے غیر مسلموں کے دینی، معاشرتی اور دوسرے بنیادی حقوق کی ہر طرح سے حفاظت کی۔ جہاں کہیں بھی غیر مسلموں سے معاہدہ کیا ان میں انہیں دینی آزادی، حریت فکر اور ان کو وہ تمام حقوق دیے جو مسلمان رعایا کو انہوں نے دیے تھے اور یہی دین اسلام کا تقاضا تھا۔

مذہبی آزادی کے تعلق سے اسلام نے نہ صرف یہی ہدایت دی ہے کہ تم کسی پر جبر نہ کرو بلکہ یہ حکم بھی دیا ہے کہ غیر مسلموں کے معبودوں کو بھی برا بھلا مت کہو۔ ارشاد الہی ہے: **وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ (الانعام: 108)** ”جن معبودوں کو یہ لوگ اللہ کے سوا پکارتے ہیں انہیں برا نہ کہو۔“

3.7 انصاف کا حق

انصاف کا ملنا ہر انسان کا بنیادی حق ہے۔ اسلام کی نظر میں دنیا کا ہر انسان برابر ہے۔ کوئی شخص خواہ امیر ہو یا غریب، حاکم ہو یا محکوم، آقا ہو یا غلام، اپنے مذہب کا ہو یا دوسرے مذہب کا ماننے والا، سب کے ساتھ انصاف کا معاملہ کیا جائے گا۔ کیوں کہ انسانوں کے درمیان مساوات کا لازمی تقاضا ہے کہ سب کو انصاف ملے، کوئی بھی ظلم و زیادتی کا شکار نہ ہو۔ انصاف اسلام کی بنیادی تعلیمات میں سے ایک ہے۔ اسلام نے عدل و انصاف کا تصور دیا اور اسے عملی سطح پر برت کر دکھایا بھی۔ اس نے کہا کہ دنیا اور کائنات کی ہر چیز عدل پر قائم ہے۔ اس کا منطقی نتیجہ یہ ہے کہ انسان کی زندگی میں بھی عدل و انصاف کا بول بالا ہو، اگر انسان عدل کی راہ سے ہٹ جائے اور ظلم کی راہ پر چل پڑے تو معاشرہ بنیادی طور پر بے چینی و بے قراری سے دوچار ہوگا؛ کیوں کہ پوری کائنات میں میزان اور توازن پایا جاتا ہے۔ اسی کائناتی توازن کا حوالہ دے کر اللہ تعالیٰ انسان سے مطالبہ کر رہا ہے کہ تم بھی اپنی عملی زندگی میں توازن اور عدل و انصاف قائم کرو۔ فرمایا: **الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ حُسْبَانٍ ۝ وَالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدَانِ ۝ وَالسَّمَاءُ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيزَانَ ۝ أَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيزَانِ ۝ وَأَقِيمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيزَانَ** (الرحمن: 5-9) ”سورج اور چاند کے لئے ایک حساب ہے (کہ وہ اس کے مطابق گردش میں ہیں) اور پودے اور درخت سجدے کر رہے ہیں، اس نے آسمان کو بلند کیا اور میزان رکھ دی کہ تم میزان میں زیادتی نہ کرو۔ انصاف کے ساتھ وزن کو

قائم رکھو اور تولنے میں کمی نہ کرو۔“

پورا دین اسلام عدل و انصاف پر مبنی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَعَدْلًا لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِهِ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ (الانعام: 115) ”تمہارے رب کی بات پوری ہے باعتبار صدق اور باعتبار عدل، اس کے کلمات میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی، وہ سننے والا، جاننے والا ہے۔“ اسی کائناتی توازن اور آفاقی عدل و انصاف کی وجہ سے سارے انسانوں سے مطالبہ ہے کہ وہ بھی اپنی زندگی میں عدل و انصاف کا سکہ بغیر کسی فرق و امتیاز کے جاری کریں تاکہ دنیا والے چین و سکون سے زندگی بسر کر سکیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَإِذَا حَكَمْتُم بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ (النساء: 58) ”اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو، تو عدل کے ساتھ کرو۔“

اسلام انبیاء کرام کی بعثت، کتابوں کے نزول کا مقصد ہی معاشرہ میں عدل و انصاف کے قیام کو قرار دیتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ وَأَنزَلْنَا الْحَدِيدَ فِيهِ بَأْسٌ شَدِيدٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللَّهُ مَن يَنْصُرُهُ وَرُسُلَهُ بِالْغَيْبِ إِنَّ اللَّهَ قَوِيٌّ عَزِيزٌ (الحديد: 25)۔ ”ہم نے اپنے رسولوں کو صاف صاف نشانوں اور ہدایت کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان نازل کی۔ تاکہ لوگ انصاف پر قائم ہوں اور لوہا جس میں بڑا زور ہے اور لوگوں کے لئے منافع ہیں۔ یہ اسی لیے کیا گیا کہ اللہ کو معلوم ہو جائے کہ کون اس کو دیکھے بغیر اس کی اور اس کے رسولوں کی مدد کرتا ہے۔ یقیناً اللہ بڑی قوت والا اور زبردست ہے۔“

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو مخاطب کرتے ہوئے بلا کسی استثناء تمام لوگوں کے ساتھ عدل و انصاف کا برتاؤ کرنے کی ہدایت کی ہے خواہ اس کی زد خود ان کے گھر والوں اور رشتہ داروں پر کیوں نہ پڑے۔ ارشاد فرمایا: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلَّهِ وَلَوْ عَلَىٰ أَنْفُسِكُمْ أَوِ الْوَالِدِينَ وَالْأَقْرَبِينَ إِنَّ يَكُنْ غَنِيًّا أَوْ فَقِيرًا فَاللَّهُ أُولَىٰ بِهِمَا فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوَىٰ أَرْبُ تَعْدِلُوا وَإِنْ تَلَوُّوا أَوْ نَعَرُصُوا فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا (النساء: 135) ”اے لوگو! جو ایمان لائے! انصاف کے علم بردار اور اللہ کے لیے سچی گواہی دینے والے بنو۔ اگرچہ تمہارے انصاف اور تمہاری گواہی کی زد خود تمہاری اپنی ذات پر یا تمہارے والدین اور رشتہ داروں پر ہی کیوں نہ پڑتی ہو۔ فریق معاملہ خواہ مال دار ہو یا غریب، اللہ تم سے زیادہ ان کا خیر خواہ ہے لہذا اپنی خواہش نفس کی پیروی میں عدل سے باز ہو اور اگر تم نے لگی لپٹی بات کہی یا سچائی سے پہلو بچا یا تو جان رکھو کہ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ کو اس کی خبر ہے۔“

اس آیت کے ضمن محمد صلاح الدین رقم طراز ہیں۔ ”اس آیت میں نہ صرف عدل کا مفہوم واضح کیا گیا ہے۔ بلکہ قیام عدل کی تمام ضروری شرائط بھی گنوا دی گئی ہیں ان میں سے کوئی ایک شرط بھی ساقط ہوگی تو عدل، عدل نہ رہے گا۔ ظلم بن جائے گا۔ یہ شرائط حسب ذیل ہیں:

1. عدل کو نہ صرف قائم کرو، بلکہ اس کا پرچم بلند کرو، جہاں اسے دبنا دیکھو وہاں اسے اونچا اٹھانے کے لیے پوری قوت لگا دو۔
2. گواہی کسی فریق مقدمہ کی ہار یا جیت کے لیے نہیں صرف خدا کی خوشنودی کے لیے دو۔ کیوں کہ سچی گواہی کے بغیر عدل کا قیام ناممکن ہے۔ سچی گواہی کی زد خواہ تمہارے اپنے مفاد پر پڑتی ہو، یا تمہارے والدین اور قریبی عزیزوں کے مفاد پر۔

3. گواہی دیتے وقت رشتہ کی قربت کے علاوہ فریقین کے مقام و منصب اور ان کی معاشی و معاشرتی حیثیت کو بھی نہ دیکھو، کیوں کہ تم اللہ سے بڑھ کر کسی شخص کے خیر خواہ نہیں ہو سکتے۔ گواہی میں امتیاز برتنا خیر خواہی نہیں بلکہ صریح ظلم اور زیادتی ہے۔
4. گواہی دیتے وقت حقائق کو جوں کا توں بیان کرو اس میں اپنی خواہشات کی آمیزش نہ کرو۔ خواہشات واقعات کی صورت مسخ کر دیتی ہیں، اور گواہی کا سننے والا حقائق کی تہہ تک نہیں پہنچ پاتا اور یہ چیز عادلانہ فیصلوں میں رکاوٹ بن جاتی ہے۔
5. اگر تم نے کسی فریق کو بچانے یا کسی کو سزا دلوانے کی غرض سے گول مول بات کی، کچھ باتیں چھپا گئے کچھ اپنی طرف سے ملا گئے اور یوں کھری اور بے لاگ گواہی سے گریز کر کے عدل کے بجائے ظلم اور نا انصافی کا ذریعہ بن گئے تو یہ بات اچھی طرح سمجھ لو کہ اللہ سے تمہاری اندرونی کیفیت چھپی نہ رہے گی اور جب اس کے حضور پیش ہو گے تو اپنے کئے کی سزا سے نہ بچ سکو گے۔“ (بنیادی حقوق، محمد صلاح الدین، ص 282-283)

عدل و انصاف کی قرآن و حدیث میں بڑی اہمیت اور تاکید بیان کی گئی ہے۔ جو لوگ عدل و انصاف سے فیصلہ کرتے ہیں ان کے لیے بڑی بشارتیں ہیں۔ انہیں میں سے ایک یہ ہے کہ قیامت کے دن وہ بادشاہ یا امام جو عدل و انصاف سے لوگوں کے درمیان فیصلہ کرتا رہا عرش الہی کے سایہ میں ہوگا جہاں اس سایہ کے علاوہ کوئی اور سایہ نہ ہوگا۔ حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ان المقسطین عند الله على منابر من نور عن يمين الرحمن عز و جل ، كلتا يديه يمين ، الذين يعدلون في حكمهم وأبلاهم وما ولوا (مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الامارۃ والقضاء) ”بے شک انصاف کرنے والے اللہ تعالیٰ کے نزدیک نور کے منبروں پر جلوہ افروز ہوں گے جو رحمن عز و جل کے سیدھے ہاتھ کی طرف ہوں گے اور اس کے دونوں ہی ہاتھ سیدھے ہیں۔ انصاف کرنے والے وہ ہیں جو اپنے فیصلوں میں، اہل و عیال کے معاملہ میں اور جن کے وہ والی اور نگران بنائے جائیں ان سب کے سلسلے میں انصاف کرتے ہیں۔“

3.8 ظلم کے خلاف آواز بلند کرنے کا حق

اسلام نے انسان کو یہ حق دیا ہے کہ وہ خوف و خطر سے پاک اور امن امان کی زندگی گزارے۔ اس کی جان مال اور عزت و آبرو کو کوئی خطرہ لاحق نہ ہو۔ اس پر ظلم ہو تو اسے اس کے خلاف آواز اٹھانے کا حق حاصل رہے۔ وہ عدالت سے رجوع کر سکے اور عوام کے سامنے بھی اپنا مقدمہ پیش کرنے کی اجازت ہو۔ ارشاد الہی ہے : لَا يُحِبُّ اللَّهُ الْجَهْرَ بِالسُّوءِ مِنَ الْقَوْلِ إِلَّا مَنْ ظَلَمَ وَكَانَ اللَّهُ سَمِيعًا عَلِيمًا (النساء: 148) ”اللہ تعالیٰ بری بات کے اظہار و اعلان کو پسند نہیں کرتا البتہ جس پر ظلم ہوا ہے (اسے اس کا حق ہے) اور اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔“

بدگوئی اور بدکلامی اسلام میں کتنا ناپسندیدہ عمل ہے۔ لیکن جب ظلم کا بازار گرم ہو اور ظالم کا ظلم حد سے گذر گیا ہو تو اس وقت اسلام نے اس بدکلامی کی اجازت دی ہے اور ظالم کے خلاف آواز بلند کرنے کی بھرپور اجازت دی ہے۔ ظلم انتہائی قبیح اور ناپسندیدہ کام ہے۔ اس کی قباحت کے لیے اس سے بڑھ کر سند کیا ہو سکتی ہے کہ خود اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اپنی ذات سے ظلم کی مکمل نفی کی ہے۔ ایک دو جگہ نہیں؛

بلکہ درجنوں مقامات پر اس کا ذکر کیا ہے۔ سورہ یونس میں فرمایا: **إِنَّ اللَّهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْئًا وَلَكِنَّ النَّاسَ أَنْفُسُهُمْ يَظْلِمُونَ** (یونس: 44) ”یقین جانو کہ اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں فرماتا لیکن لوگ خود اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں۔“ دوسری جگہ فرمایا: **وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ أَحَدًا** (الکہف: 49) ”اور آپ کا رب کسی پر ظلم نہیں ڈھاتا۔“ ایک جگہ اور فرمایا: **إِنَّ اللَّهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ** (النساء: 40) ”بلاشبہ اللہ تعالیٰ ذرہ برابر ظلم نہیں کرتا۔“

ایک طرف مظلوم کا یہ قانونی اور اخلاقی حق تسلیم کیا گیا ہے کہ وہ ظلم کے خلاف آواز اٹھائے، انصاف کا مطالبہ کرے اور ظالم حکمران کے سامنے حق و انصاف کی بات کہے، دوسری طرف معاشرہ کی یہ ذمہ داری قرار دی گئی ہے کہ وہ آگے بڑھے اور مظلوم کی مدد کرے۔ رسول اللہ ﷺ نے مظلوم کی مدد کو اس کا لازمی حق قرار دیا ہے۔ ظلم کی حمایت اسلامی تعلیمات کے منافی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: **مَنْ مَشَى مَعَ ظَالِمٍ لِيَقْوِيَهُ وَبِهِ يَعْلَمُ أَنَّهُ ظَالِمٌ فَقَدْ خَرَجَ مِنَ الْإِسْلَامِ** (البیہقی، شعب الایمان) ”جو شخص کسی ظالم کے ساتھ یہ جانتے ہوئے کہ وہ ظالم ہے، اسے تقویت پہنچانے کے لیے چلے تو وہ اسلام سے خارج ہو گیا۔“

عدل و انصاف کے قیام کے لیے معاشرہ میں مظلوم کے ساتھ تعاون اور ظالم سے عدم تعاون کی فضا کا پایا جانا ضروری ہے۔ لیکن اس میں حکومت کے کردار کی بڑی اہمیت ہے۔ اسلامی حکومت مظلوم کو اس کا حق دلانے کی پابند ہے۔ حضرت ابو بکرؓ نے خلافت کے بعد جو پہلا خطبہ دیا اس میں حکومت کی پالیسی بیان کرتے ہوئے فرمایا: **الضعيف فيكم قوي عندى حتى ارجع اليه حقه والقوى ضعيف عندى حتى آخذ منه الحق ان شاء الله تعالى** (الوثائق الدولية المعنية بحقوق الانسان، د۔ محمود شریف بیونی، دار الشروق، ص 34) ”تم میں جو ضعیف ہے وہ میرے نزدیک قوی ہے ہو گا یہاں تک کہ میں اس کا حق لے کر اسے پہنچا دوں اور جو تم میں قوی ہے وہ میرے نزدیک ضعیف ہو گا یہاں تک کہ اس کے پاس دوسرے کا جو حق ہے وہ اس سے میں لے لوں۔ ان شاء اللہ۔“

3.9 اکتسابی نتائج

- اس اکائی میں آپ نے درج ذیل نکات سیکھے:
- مال و دولت اور اسباب و املاک انسان کی بنیادی حق ہے۔ کیوں کہ انسانی زندگی کے لیے بہت یہ ناگزیر ہیں۔ ان کے بغیر آدمی امن و سکون اور عزت کی زندگی بسر نہیں کر سکتا ہے اور ہمیشہ دوسروں کا دست نگر بن رہتا ہے۔
 - اسلام نے عورت اور مرد کی حق ملکیت کا الگ الگ ہونے کا احساس دلایا اور دونوں میں کسی طرح کی کوئی تفریق نہ کی۔ بیسویں صدی قبل مغرب میں عورتوں کو ذاتی ملکیت کا حق حاصل نہیں تھا۔ اسلام نے چودہ صدی قبل عورتوں کی ملکیت تسلیم کیا اور اسے مردوں کی طرح املاک و جائیداد بنانے کا اختیار دیا۔ اسلام نے انسان کی حق ملکیت میں یہ بات بھی شامل کی ہے کہ وہ اپنے مال و اسباب میں تصرف کے لئے پوری طرح آزاد ہے اور اسے اپنی مرضی سے خرچ کر سکتا ہے۔
 - اسلام گھر کے اندر اور باہر ہر انسان کی نجی اور شخصی زندگی میں آزادی کا قائل ہے۔ اور تاکید کرتا ہے کہ کوئی شخص اپنے گھر یا گوشہ تنہائی میں

کیا کر رہا ہے اس کی تحقیق یا تفتیش نہ کی جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام ہی وہ واحد مذہب ہے جس نے سب سے پہلے اظہار رائے کا مکمل تصور پیش کیا، اس کے حدود و آداب سکھائے۔ اور مسلمانوں نے دنیا کے سامنے اس کا عملی نمونہ پیش کیا۔

- انسان کے بنیادی حق میں تنقید کا حق بھی شامل ہے۔ تنقید کے معنی کھرے اور کھوٹے کی پہچان کرنا کے ہیں۔ اس کے ذریعہ افراد و اشخاص اور حکومت و ریاست کے کاموں کے منفی اور مثبت پہلوؤں کا جائزہ لیا جاتا ہے۔
- اسلام نے انسان کو ایک بنیادی حق یہ بھی دیا ہے کہ وہ جو مذہب اور عقیدہ چاہے اختیار کرے۔ اس پر کسی طرح کا کوئی جبر نہیں کیا جاسکتا؛ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے اسے عقل و شعور کی دولت عطا کی ہے اور سوچنے سمجھنے کی صلاحیت دی ہے۔ مذہبی آزادی کے تعلق سے اسلام نے نہ صرف یہی ہدایت دی ہے کہ تم کسی پر جبر نہ کرو بلکہ یہ حکم بھی دیا ہے کہ غیر مسلموں کے معبودوں کو بھی برا بھلا مت کہو۔
- اسلام اپنا غلبہ چاہتا ہے لیکن طاقت اور جبر کے ذریعہ نہیں، دعوت و تبلیغ، افہام و تفہیم اور دلیل و برہان کے ذریعہ۔ وہ حق و باطل کو کھول کھول کر بیان کرتا ہے، پھر لوگوں کو پوری آزادی دیتا ہے کہ وہ چاہیں حق کو قبول کریں یا باطل پر قائم رہیں۔
- بدگوئی اور بدکلامی اسلام میں ناپسندیدہ عمل ہے۔ لیکن جب ظلم کا بازار گرم ہو اور ظالم کا ظلم حد سے گذر گیا ہو تو اس وقت اسلام نے اس بدکلامی کی اجازت دی ہے اور ظالم کے خلاف آواز بلند کرنے کی بھرپور اجازت دی ہے۔ اسلام نے ذرہ برابر کسی پر ظلم کی اجازت نہیں دی۔ اگر کوئی کسی پر ظلم کر بیٹھے تو مظلوم کو پورا حق ہے کہ وہ اس سے بدلہ لے۔

3.10 نمونہ امتحانی سوالات

3.10.1 معروضی جوابات کے متقاضی سوالات

1. بنیادی انسانی حقوق میں سے کیا ہے؟
(a) ایمان (b) اخلاص (c) تقویٰ (d) اظہار رائے
2. اسلام اپنا غلبہ کس چیز سے چاہتا ہے؟
(a) دلیل و برہان (b) تلوار (c) جبر و طاقت (d) بے عقلی
3. اسلام نے کس چیز کو قائم کرنے کی تاکید کی ہے؟
(a) تعلیم (b) ادارے (c) عدل و انصاف (d) مذہبی آزادی
4. کون سی چیز اللہ تعالیٰ کے نزدیک سخت قبیح ہے؟
(a) کفر (b) ظلم (c) بے رحمی (d) بے وفائی
5. سب سے افضل جہاد کیا ہے؟
(a) نماز (b) روزہ (c) یتیم کی کفالت کرنا (d) ظالم بادشاہ کے سامنے حق بات کہنا

3.10.2 مختصر جوابات کے متقاضی سوالات

1. ظلم کے خلاف آواز اٹھانا کیوں ضروری ہے۔ وضاحت کیجیے؟
2. اسلام میں مذہبی آزادی سے آپ کیا سمجھتے ہیں۔ بیان کیجیے؟
3. اسلام کے عطا کردہ حق ملکیت کو بیان کیجیے۔
4. اسلام نے آزادی اظہار رائے کے جو حدود بتائے ہیں، ان پر روشنی ڈالیے۔
5. معاشرے میں تنقید کی اہمیت بیان کرتے ہوئے اس کے اصول و آداب پر روشنی ڈالیے۔

3.10.3 طویل جوابات کے متقاضی سوالات

1. نجی زندگی سے متعلق اسلامی تعلیمات پر مفصل روشنی ڈالیں۔
2. اسلام کے عطا کردہ آزادی اظہار رائے کے حق کو بیان کیجیے اور اسلامی تاریخ کے چند نمونے بھی پیش کیجیے۔
3. اسلام میں انصاف کی اہمیت پر روشنی ڈالیے اور رسول اللہ ﷺ کی سیرت سے دو عملی نمونے پیش کیجیے۔

3.11 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1. اسلام اور بنیادی انسانی حقوق : ڈاکٹر حافظ محمد اشرف
2. اسلام میں انسانی حقوق : ڈاکٹر محمد طاہر القادری
3. اسلام اور انسانی حقوق اقوام متحدہ کے عالمی منشور کے تناظر میں : ابوعمار زاہد الراشدی
4. حقوق الانسان في القرآن و السنة : الدكتور محمد الصالح
5. الوثائق الدولية المعنية بحقوق الانسان : الدكتور محمود شريف بسيوني

معروضی سوالات کے جوابات

1.D	2.A	3.C	4.B	5. D
-----	-----	-----	-----	------

اکائی 4: اسلام میں خواتین کا مقام و مرتبہ

اکائی کے اجزاء:

4.0	تمہید
4.1	مقاصد
4.2	عورت قدیم معاشرہ میں
4.3	عورت زمانہ جاہلیت میں
4.4	عورت اسلام کی نظر میں
4.5	اسلام کا نظام مساوات مرد و زن
4.5.1	عورت بحیثیت ماں
4.5.2	عورت بحیثیت بیٹی
4.5.3	عورت بحیثیت بیوی
4.5.4	مرد کے قوام (نگراں) ہونے کا مطلب
4.6	اقتصادی نتائج
4.7	فرہنگ
4.8	نمونہ امتحانی سوالات
4.8.1	معروضی جوابات کے متقاضی سوالات
4.8.2	مختصر جوابات کے متقاضی سوالات
4.8.3	طویل جوابات کے متقاضی سوالات
4.9	تجویز کردہ اکتسابی مواد

ہم خانہ بدوش قبائل، آدم خور وحشیوں سے لے کر بڑے بڑے دانش وروں، فلسفیوں اور پروردگان تہذیب و تمدن پر طائرانہ نظر ڈالیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ان میں عورت انسان ہی نہیں سمجھی جاتی تھی، وہ مردوں کی نظر میں مال و متاع، لطف اندوزی اور ہوس رانی کا ایک ذریعہ تھی ان کے یہاں عورتوں کی رائے اور ارادے کی کوئی قدر و قیمت نہ تھی، جانوروں کی طرح فروخت کی جاتیں، تحفہ و تحائف میں دی جاتیں، قبروں میں زندہ دفنائی جاتیں اور نذر آتش کی جاتی تھیں، ان کے یہاں عورت کے بارے میں یہ تصور کبھی نہیں ابھرا کہ عورت نفس انسانی کا ایک حصہ، جنس بشری کی خالق، بچوں کے کاشانہ زندگی کی محافظ اور انسان کے عناصر وجود کی امانت دار ہے۔

اسلام وہ پہلا مذہب ہے جس کے قوانین میں ہمہ گیریت ہے، اسلام نے عورت کو اس کا اصلی مرتبہ دینے اور اس کی شخصیت کو ٹھوس بنانے کے لیے زندگی کے ہر منزل میں اسے ایک خاص درجہ دیا، اس کو بیٹی کی حیثیت سے درجہ دیا اور اس کی نگہداشت و تربیت کے لیے خاص ہدایتیں دیں، اور بیٹی کی پرورش پر جنت کی بشارت سنائی، اسے بیوی کی حیثیت سے مردوں کے برابر درجہ دیا اور اس مرد کو بہترین مرد کہا جو بیوی کے ساتھ حسن سلوک کرے، اسے ماں کی حیثیت سے عظمت و تقدس کا درجہ دیا، اور ماں کے قدموں میں جنت بتائی۔ یہ وہ تصورات ہیں جو رسالت محمدیؐ سے پہلے ہمیں کہیں نظر نہیں آتے؛ بلکہ اس درجہ عورتوں کے بارے میں دیگر اقوام کے خیال میں بھی نہیں آیا تھا۔

4.1 مقاصد

اس اکائی کا مقصد یہ ہے کہ آپ

- اسلام میں خواتین کے مقام و مرتبہ سے واقفیت حاصل کر سکیں۔
- خواتین کو دئے گئے بنیادی و خصوصی حقوق پر سیر حاصل تبصرہ کر سکیں۔
- دیگر اقوام عالم نیز جدید دور میں عورت کی حیثیت کا تقابلی جائزہ لے سکیں۔
- قرآن و سنت کی روشنی میں عورت کے حقیقی مقام کو پہچان سکیں۔

4.2 عورت قدیم معاشرہ میں

رسالت محمدیؐ سے پہلے عورت کے بارے میں مختلف تصور پائے جاتے تھے، ان تمام تصوروں میں قدرے مشترک یہ تھا کہ عورت کوئی انسان نہیں ہے، اور مرد و عورت میں تخلیقی اعتبار سے فرق ہے۔ اب اگر ہم جائزہ لیں تو ہمیں یقین کر پانا مشکل ہو گا کہ کیا بعثت رسول ﷺ سے پہلے عورت کے بارے میں مہذب اور غیر مہذب قومیں اس طرح کا خیال رکھتی تھیں۔ عام خیال یہ تھا کہ عورت کوئی قابل احترام چیز نہیں ہے۔ چین جیسے مہذب معاشرے میں عورت کو بہت حقیر نظر سے دیکھا جاتا تھا؛ چنانچہ ایک چینی خاتون اپنے معاشرے میں عورت کی حیثیت متعین کرتے ہوئے لکھتی ہیں: ہم عورتوں کا مقام انسانیت میں سب سے گرا ہوا ہے اسی وجہ سے ہمارے حصے میں سب سے حقیر کام

آئے۔ ہندوستان جیسے ملک میں بھی عورت کو کوئی مقام نہیں دیا گیا تھا؛ بلکہ یہاں یہ تصور تھا عورت شوہر کی خدمت کے لیے پیدا کی گئی ہے اسی لیے عورت کی نگاہ میں اس کا شوہر ”خدا“ کا درجہ رکھتا تھا اور شوہر کے مرنے پر عورت کو اپنے شوہر کی چتا پر ”سستی“ ہو جانا تھا، ہندوستانی معاشرے میں مشہور یہ تھا کہ عورت گندگی کی پوٹلی ہے اور اس کی ذات سراپا عذاب ہے۔

قدیم یونان میں بھی معاشرے کی ترقی میں عورت کا کوئی حصہ نہیں تھا، وہ گھر کے اندھیرے میں اس طرح زندگی گزارتی تھی جیسے کوئی گری پڑی چیز ہو، قدیم یونانی مورخین کا تصور یہ تھا کہ عورت کے نام کو بھی اس کی ذات کی طرح گھر میں قید کر دینا چاہیے، نیز اس سے زیادہ عورت کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

رومی تہذیب جہاں سب سے پہلے جمہوری نظام قائم ہوا اور جمہوری نظام میں جہاں سب کو برابر درجے کے حقوق دیے جاتے ہیں لیکن رومی تہذیب عورتوں کو اس کا حق دینے سے قاصر تھا؛ بلکہ ان کے یہاں عورت ہونا تمام اہلیت کو ساقط کرنے کے لیے کافی تھا۔

یہودیت جو آسمانی دین پر عمل پیرا ہونے کے دعویدار تھے اس میں عورت کو کوئی مقام نہیں دیا گیا تھا ان کے یہاں عورت کی حیثیت صرف خدمت گار کی تھی، اسے بھائیوں کے ساتھ وراثت میں حصہ نہیں دیا جاتا تھا باپ کو اپنی بیٹی فروخت کرنے کا حق حاصل تھا خواہ لڑکی بالغ ہو یا نابالغ ہو۔ مولانا جلال الدین عمری اپنی کتاب میں یہودیت کا نقطہ نظر بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”یہودیت میں یہ تصور تھا کہ مرد نیک سرشت اور نیک کردار ہے اور عورت بد طینت اور مکار ہے، نسل انسانی کے پہلے فرد حضرت آدم علیہ السلام جنت میں عیش و راحت کی زندگی گزار رہے تھے اس لیے کہ وہ خدا کے فرماں بردار تھے؛ لیکن ان کی بیوی حوا نے انہیں سب سے پہلے خدا کی نافرمانی پر اکسایا اور ان کو ایک ایسا پھل کھلایا جس کے کھانے سے خدا نے انہیں روکا تھا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ خدا کی نعمتوں سے محروم کر دیے گئے اور ان کو مشقت اور تکلیف کی زندگی بسر کرنی پڑی اس کی دوسرائیں حوا کو دی گئیں ایک یہ کہ حمل کی تکلیف میں مبتلا کیا گیا اب وہ اس کے بعد ہی بچہ پیدا کر سکے گی، دوسری سزایہ دی گئی کہ ہمیشہ کے لیے مرد کا اقتدار اس پر قائم کر دیا گیا۔“

عیسائی علماء نے عورت کے مقام کو گرانے میں مبالغہ سے کام لیا، عیسائی علماء کے اقوال عورتوں کے تعلق سے حیرت انگیز ہیں۔ ان کی مقدس شریعت کے الفاظ ہیں: ”عورت کو شرم سے گڑ جانے کے لیے یہ کافی ہے کہ وہ عورت ہے نیز یہ کہ انسان کو دنیا میں اتارے جانے جیسی لعنت کا سبب عورت ہے۔“ ان کا خیال ہے کہ عورت جہنم کا دروازہ اور گناہ مجسم ہے، بعض عیسائی علماء کا خیال ہے کہ عورت شیطان کی اولاد ہے، عیسائی علماء اس حد تک گفتگو کرنے لگے تھے کہ کیا عورت مرد کی طرح خدا کی عبادت کر سکتی ہے؟ کیا وہ جنت میں داخل ہوگی۔ سینٹ پال نے اپنے ایک خط میں لکھا ہے:

”پس میں تمہیں آگاہ کرنا چاہتا ہوں کہ ہر عورت کا سر مرد، ہر مرد کا سر مسیح اور مسیح کا سر خدا ہے۔ وہ مرد خدا کی صورت اور اس کا جلال ہے، مگر عورت مرد کا جلال ہے اس لیے کہ مرد عورت سے نہیں بلکہ

عورت مرد سے ہے اور مرد عورت کے لیے نہیں بلکہ عورت مرد کے لیے پیدا ہوئی ہے پس فرشتوں کے سبب سے عورت کو چاہیے کہ اپنے سر پر محکوم ہونے کی علامت رکھے (پولس رسول کا پہلا خط کرنتھیوں کے نام باب 11)۔“

4.3 عورت زمانہ جاہلیت میں

بعثت محمدی سے پہلے عربوں کی صورت حال عورت کے حوالے سے دیگر اقوام سے مختلف نہ تھی؛ بلکہ عربوں کے یہاں بھی عورت کے بارے میں اسی قسم کے تصورات پائے جاتے تھے، عرب عورت کو اپنے لیے ننگ و عار محسوس کرتے تھے، عرب چوں کہ لڑاکو اور جنگ جو تھے ان کے لیے جنگ و جدال کے لیے عورت مانع ہو سکتی تھی؛ اس لیے وہ عورت کی تذلیل کرتے تھے، بعض عرب قبائل بچیوں کو زندہ در گور کر دیتے تھے، قرآن کریم میں عرب کے مختلف تصورات کو بیان کیا ہے ایک جگہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَإِذَا الْمَوْؤُودَةُ سُئِلَتْ بِأَيِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ (تکویر: 89)۔ ترجمہ: (جب زندہ در گور کی ہوئی بچیوں سے سوال ہوگا کہ کس جرم میں تمہیں قتل کیا گیا۔

اس آیت میں درحقیقت عرب معاشرے کی اُس وقت کی صورت حال کی عکاسی کی گئی ہے۔ اسی طرح عربوں کا حال یہ تھا کہ جب انہیں لڑکی کی ولادت کی اطلاع دی جاتی تو وہ اپنے لیے بہت عار محسوس کرتے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ان کے اس تصور کا نقشہ اس طرح کھینچا ہے: وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُم بِالْأُنْثَىٰ ظَلَّ وَجْهُهُ مُسْوَدًّا وَهُوَ كَظِيمٌ ۝ يَتَوَارَىٰ مِنَ الْقَوْمِ مِن سُوءِ مَا بُشِّرَ بِهِ أَيُمْسِكُهُ عَلَىٰ هُونٍ أَمْ يَدُسُّهُ فِي التُّرَابِ أَلَّا سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ (نحل: 58-59)۔ ترجمہ: اور جب ان میں سے کسی کو بیٹی کے پیدا ہونے کی خبر ملتی ہے تو اس کا منہ غم کے سبب کالا پڑ جاتا ہے اور وہ اندر ہی اندر گھٹنے لگتا ہے اور اس خبر بد کے سبب جو وہ سنتا ہے لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے سوچتا ہے کہ آیا ذلت برداشت کر کے لڑکی کو زندہ رہنے دے یا زمین میں گاڑ دے۔ دیکھو یہ جو تجویز کرتے ہیں بہت بری ہے۔

حضرت عمرؓ جاہلیت اور اسلام کے زمانے میں عورتوں کے ساتھ ہونے والی تبدیلی پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں: واللہ إنا كنا في الجاهلية ما نعد للأنساء أمراً حتى أنزل الله فيهن ما أنزل وقسم لهن ما قسم (مسلم: 1479)۔ ترجمہ: خدا کی قسم ہم جاہلیت کے زمانے میں عورتوں کو کوئی حیثیت نہیں دیتے تھے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں حکم نازل فرمایا اور ان کے لیے جو حصہ مقرر کرنا تھا وہ کیا۔

غور فرمائیں کہ عرب میں عورت کی کیا صورت حال تھی اور کس قدر وہ اپنے لیے لڑکی کو ذلت کا باعث سمجھتے تھے کہ اس کو زندہ دفن کرنے کے بارے میں سوچتے تھے؛ بلکہ تاریخی واقعات اس کے شاہد ہیں کہ بعض قبیلے اس فتنہ عمل کو انجام بھی دیتے تھے۔

4.4 عورت اسلام کی نظر میں

اس صورت حال کو سامنے رکھ کر جائزہ لیں کہ اسلام نے عورت کو کیا مقام دیا ہے، عورت کے سلسلے میں اسلام کے تصورات کیا ہیں؟ قرآن کریم کا مطالعہ ہمیں بتاتا ہے کہ اسلام نے عورت کے بارے میں جو بنیادی تصور دیا ہے وہ یہ ہے کہ عورت اور مرد دونوں مل

کر انسانیت کی تکمیل کرتے ہیں۔ صرف مرد سے انسانیت کی تکمیل نہیں ہوتی ہے اور نہ ہی صرف عورت سے، بلکہ یہ دونوں انسانیت کی علاحدہ علاحدہ اکائی ہیں اور دونوں سے مل کر انسان بنتے ہیں مرد و عورت چکی کے دو پاٹ ہیں کسی کو بھی علاحدہ کر کے زندگی کا نظام جاری نہیں رکھا جاسکتا ہے۔ گویا قرآن ہمیں عورت کے سلسلے میں پہلا تصور یہ دیتا ہے کہ عورت مرد سے کم تر کوئی چیز نہیں ہے، بلکہ مردوں کے ہم پلہ ہے۔ عورت کے سلسلے میں تمام قومیں ہر طرح کا نظریہ رکھتی تھیں لیکن ان کے یہاں عورت و مرد کے مساوات کا نظریہ نہیں تھا اسلام نے دنیا کے سامنے عورت و مرد کے مساوات کا نظریہ پیش کیا۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اس تصور کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے: ”يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا“ (نساء: 1)۔ ترجمہ: اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا جوڑا بنایا اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلا دیے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو جس کے ذریعہ تم ایک دوسرے سے مدد طلب کرتے ہو اور رشتوں کا احترام کرو اور بے شک اللہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔

اس آیت کو غور سے پڑھیے! عورت کے سلسلے میں اسلام کا تصور بالکل واضح ہو جائے گا۔ اسلام نے صاف لفظوں میں بیان کیا ہے کہ ”نَفْسٍ وَاحِدَةٍ“ سے اللہ نے مرد کو بنایا پھر اسی سے اس کا جوڑا یعنی عورت کو بنایا پھر اسی مرد و عورت سے کائنات میں بے شمار مرد و عورت کو جنم دیا۔ اسلام کا تصور یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کا جوڑا بنایا ہے اور مرد و عورت یہ جوڑا ہے: ”وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ“ (ذاریات: 49)۔ ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کا جوڑا بنایا ہے۔ تاکہ تم لوگ نصیحت حاصل کر سکو۔

جوڑے (Pair) سے ہی ہر چیز کی تکمیل ہوتی ہے؛ دستانے اور موزے میں جوڑا ہوتا ہے ایک موزہ کسی کام کا نہیں ہوتا ہے جب تک کہ اس کا جوڑا نہ مل جائے، جوڑے کے دونوں جز کبھی موافق ہوتے ہیں اور کبھی مخالف ہوتے جیسے رات اور دن جوڑے ہیں، زمین اور آسمان جوڑے ہیں، جو دونوں آپس میں مختلف ہیں۔

4.5 اسلام کا نظام مساوات مرد و زن

آئیے ذرا اس پر بھی غور کر لیتے ہیں کہ اسلام میں مرد و عورت کی برابری کا مفہوم کیا ہے اور اس کی حد کیا ہے؟ تمام چیزوں میں برابری ہے یا بعض چیزوں میں برابری ہے؟ غور فرمائیں تو عورت اور مرد یہ زندگی کی دو پیپے کی طرح ہیں ان میں سے کسی کے بغیر تمدن کی گاڑی آگے نہیں بڑھ سکتی ہے، اسلام نے دینی و اخلاقی اعتبار سے عورتوں کو مردوں کے برابر قرار دیا ہے، اخلاقی و روحانی اعتبار سے جو صفات مردوں کے بیان کیے ہیں وہی تمام صفات عورتوں کے لیے بھی بیان کیے گئے ہیں۔ سورہ احزاب میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”إِنَّ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَالْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْقَانِتِينَ وَالْقَانِتَاتِ وَالصَّادِقِينَ وَالصَّادِقَاتِ وَالصَّابِرِينَ وَالصَّابِرَاتِ وَالْخَاشِعِينَ وَالْخَاشِعَاتِ وَالْمُتَصَدِّقِينَ وَالْمُتَصَدِّقَاتِ وَالصَّائِمِينَ وَالصَّائِمَاتِ وَالْحَافِظِينَ فُرُوجَهُمْ وَالْحَافِظَاتِ وَالذَّاكِرِينَ اللَّهَ كَثِيرًا وَالذَّاكِرَاتِ أَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ مَغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا“ (احزاب: 35)۔ ترجمہ: یقیناً جو مرد اور جو عورتیں مسلم ہیں ایمان والے ہیں اور ایمان

والیاں ہیں، مطیع فرماں بردار ہیں راست گو اور راست باز ہیں، صبر کرنے والے اور صبر کرنے والیاں ہیں، اللہ کے آگے جھکنے والے اور جھکنے والیاں ہیں، صدقہ دینے والے اور صدقہ دینے والیاں ہیں، روزہ رکھنے والے اور روزہ رکھنے والیاں ہیں عصمت مآب اور اللہ کو کثرت سے یاد کرنے والے اور یاد کرنے والیاں ہیں اللہ تعالیٰ نے ان مردوں اور عورتوں کے لیے مغفرت اور بڑا اجر مہیا کر رکھا ہے۔

اس آیت میں دینی و اخلاقی اعتبار سے جو صفات مردوں کے بیان کیے گئے ہیں وہی تمام صفات عورتوں کے بھی بیان کیے گئے ہیں، اس میں کوئی فرق نہیں کیا گیا ہے بلکہ جن بلند اخلاق کے حامل مرد ہو سکتے ہیں عورتیں بھی ان اعلیٰ اخلاق کے ساتھ متصف ہو سکتی ہیں، اس اعتبار سے عورت مردوں کے ساتھ کامل مساوات رکھتی ہے۔ اسی طرح قرآن کریم اجتماعی اور انفرادی معاملات میں مرد و عورت کو یکساں حکم دیتا ہے: ”وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضُهُمْ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَيُطِيعُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أُولَٰئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ“ (توبہ: 71)۔ ترجمہ: مومن مرد اور مومن عورتیں یہ سب ایک دوسرے کے رفیق ہیں بھلائی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں، زکوٰۃ دیتے ہیں، اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ کی رحمت نازل ہو کر رہے گی، بیشک اللہ تعالیٰ غالب حکمت والا ہے۔

1. برابری ہر اعتبار سے نہیں ہے

معلوم ہوا کہ اسلام عورت کو وہ مقام دیا ہے جو رسالت محمدی سے پہلے صرف مرد کو حاصل تھا، اسلام نے اگر دونوں کو ایک دوسرے کا ساتھی اور اس کا رفیق بنادیا۔ البتہ مرد و عورت میں یہ مساوات ہر اعتبار سے نہیں ہے اس لیے کہ مرد و عورت دونوں کی صنف اور خلقت جدا جدا ہے اس لیے کامل مساوات کا نظریہ پیش کرنا عقل و خرد کے منافی ہے، عورت کو اللہ تعالیٰ نے تخلیقی اعتبار سے کمزور بنایا ہے اور مرد کو طاقت ور بنایا ہے اسی لیے مردوں کی ذمہ داری اور بوجھ زیادہ ڈالا ہے، معیشت کے لیے محنت اور طاقت کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ صفت مرد میں زیادہ ہے، اسی طرح بچوں کی تربیت اور پرورش کے لیے محبت اور گھریلو ماحول کی ضرورت ہوتی ہے اور محبت اور ممتا کی صفت عورت میں زیادہ اس لیے یہ ذمہ داری عورت کو دی گئی یہ تقسیم کار مساوات کے منافی نہیں ہے اگر کوئی یہ کہے کہ عورت کسی اعتبار سے مرد سے کم نہیں اور پچاس کلو چاول کی بوری مرد کے بجائے عورت کے کندھے پر ڈال دے تو یہ عورت کی عزت نہیں؛ بلکہ مساوات کے نام پر ذلیل کرنا ہے۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے علم تشریح کے ماہرین اور علم فزیالوجی اور سائیکالوجی کے جلیل القدر علماء یورپ کے اقوال نقل کر کے سائنسی تجربات اور مشاہدات سے ثابت کیا ہے کہ عورت و مرد ہر اعتبار سے برابر نہیں ہیں، بلکہ مرد کو عورت پر برتری حاصل ہے، کیوں کہ قدرت نے دونوں میں علاحدہ قوت رکھی ہے، مرد کو جہاں جسمانی اور عقلی قوی دیا گیا تاکہ اس کے ذریعہ تمدنی فرائض کو انجام دے سکے وہیں عورت کے اندر وہ صلاحیت و دیعت کی گئی جس کی ایک عورت کو ضرورت ہوتی ہے، پس اس حیثیت سے دونوں جنسوں کا درجہ مساوی ہے اور دونوں نظام کائنات میں برابر حصہ رکھتے ہیں: مولانا ابوالکلام آزاد تحریر فرماتے ہیں:

”علم تشریح کی تحقیقات سے ثابت ہو چکا ہے کہ مرد کی جسمانی حالت عورت کی بنسبت بہت زیادہ

قوی ہے، یہ جسمانی اختلاف محض قیاس و ظن پر مبنی نہیں ہے، بلکہ اس یقینی درجہ تک پہنچ چکا ہے جس کو تسلیم نہ کرنا مشاہدات اور محسوسات کا انکار کرنا ہے، اس جسمانی اختلاف کی بنا پر یورپ میں بعض علماء تشریح عورت کو موجودہ زمانے کی ترقی یافتہ مرد کا حقیقی مقابل تسلیم نہیں کرتے۔“

4.5.1 عورت بحیثیت ماں

اسلام نے عورتوں کو جو مقام مرتبہ دیا ہے اس کا ایک پہلو مطلق ہے اسلام نے عورت کے متعلق اپنے تصورات کا اظہار کیا ہے کہ عورت کوئی حقیر شے نہیں؛ بلکہ زندگی کی گراں مایہ ہے، اور مرد کے مقابل اور برابر درجے کی حیثیت رکھتی ہے اس کائنات کی رنگارنگی اور حسن و جمال میں عورت کا حسن بھی شامل ہے۔

عورت کی عظمت کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ عورت کی مختلف حیثیتوں کے اعتبار سے اسلام نے عورتوں کی عظمت و اہمیت کا اعتراف و اقرار کیا ہے؛ چنانچہ ماں کی حیثیت سے اسلام نے عورت کے بارے جو نظریہ پیش کیا ہے وہ دنیا کی کسی بھی قوم میں نہیں پایا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کے بعد مختلف مقامات پر ماں باپ کی خدمت و اطاعت کا حکم دیا ہے: ”وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا“ (اسراء: 23)۔ ترجمہ: اور آپ کے پروردگار نے یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ تم لوگ کسی کی عبادت نہ کرو سوائے اپنے رب کے اور اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کرو۔

اسلام نے ماں کے ساتھ حسن سلوک کی وجہ یہ بیان کی کہ ماں بچوں کی پیدائش اور تربیت میں بہت زیادہ تکلیف برداشت کرتی ہے، حمل کے زمانے سے لے کر بچے کے جننے تک اور اس کے بعد دودھ پلانے اور اس کی تربیت کے لیے بہت زیادہ مشقت برداشت کرتی ہے اس لیے ماں کا حق باپ کے مقابلہ میں بھی زیادہ قرار دیا گیا ہے: ”وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا حَمَلَتْهُ أُمُّهُ وَهْنًا عَلَىٰ وَهْنٍ وَفِطْرَهُ فِي عَافِيَيْنِ أَرْبَ اشْهُرٍ وَلَوْلَا ذِكْرُ الْإِيِّ الْمَصْبُورِ“ (لقمان: 14)۔ ترجمہ: اور ہم نے انسان کو اپنے والدین کا حق پہچاننے کی تاکید کی ہے۔ اس کی ماں نے ضعف پر ضعف اٹھا کر اسے اپنے پیٹ میں رکھا اور دو سال اس کا دودھ چھوٹنے میں لگے (اسی لیے ہم نے اس کو نصیحت کی) کہ میرا شکر گزار بن اور اپنے والدین کا شکر بجالا اور میری ہی طرف تجھے لوٹنا ہے۔

”وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا حَمَلَتْهُ أُمُّهُ كُرْهًا وَوَضَعَتْهُ كُرْهًا وَحَمْلُهُ وَفِطْرُهُ ثَلَاثُونَ شَهْرًا“ (احقاف: 15)۔ ترجمہ: اور ہم نے انسان کو اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید کی ہے۔ اس کی ماں نے مشقت اٹھا کر اسے پیٹ میں رکھا اور مشقت اٹھا کر ہی اس کو جنا اور اس کے حمل اور دودھ چھڑانے میں تیس مہینے لگے۔

دونوں آیت میں اللہ تعالیٰ نے عورت کی فضیلت اور ماں کی عظمت کو اس لیے بیان کیا ہے کہ ماں باپ کے مقابلے میں بچے کے تعلق سے زیادہ تکلیف اور مشقت برداشت کرتی ہے۔ حدیث میں ہے ایک صحابی حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دریافت کیا: ”من أحق الناس بحسن صحابتي؟ قال: أمك، قال: ثم من؟ قال: أمك قال: ثم من؟ قال: أمك قال: ثم من؟ قال: أبوك“

(بخاری: 5971)۔ ترجمہ: لوگوں میں میرے حسن سلوک کا سب سے زیادہ حق دار کون ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ”تیری ماں“، اس نے کہا پھر کون؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”تیری ماں“، اس نے کہا پھر کون؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”تیرا باپ“۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ماں کا درجہ باپ سے تین گنا بڑھا ہوا ہے۔ عورت کی عظمت اور ماں کے خدمت کا اسلام نے اس قدر تاکید کی ہے کہ اگر ماں مشرکہ ہو تو بھی اس کی خدمت و اطاعت اور ان کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا۔

اسی طرح اسلام نے ماں کے حقوق اور جذبات کی اس قدر رعایت کی ہے کہ طلاق شدہ ماں کو اپنی اولاد کی پرورش و پرداخت کے لیے زیادہ حق دار کیا اور اس سلسلے میں باپ کے مقابلے میں ماں کو ترجیح دی۔ ایک حدیث میں ہے کہ:

ایک عورت حضور کی خدمت میں آئی اور عرض کیا اے اللہ کے رسول! یہ میرا بیٹا ہے میرے پیٹ میں رہا ہے میرا دودھ پیا ہے اور میری آغوش میں پلا بڑھا ہے اس کے باپ نے مجھے طلاق دے دی اور اس بچے کو مجھ سے چھیننا چاہتا ہے اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: ”تم اس کی زیادہ حق دار ہو جب تک تم نکاح نہ کرو“ (مسند احمد: 6707)۔

ان آیات و روایات کو سامنے رکھ کر آپ اسلام میں ماں کے مقام و مرتبہ ان کی اہمیت اور خدمت و اطاعت کے سلسلے میں اسلام کے حکم اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں۔

4.5.2 عورت بحیثیت بیٹی

بعثت محمد ﷺ سے پہلے بیٹیوں کو ذلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا، لیکن اسلام نے پہلی مرتبہ یہ تصور دیا کہ بیٹیاں ذلت نہیں عزت کی باعث ہیں، بیٹیاں زحمت نہیں رحمت ہیں، جاہلیت میں لوگ فقر و فاقہ کے خوف سے یا اس عار سے کہ پرورش کرنے کے بعد اسے کسی دوسرے کے حوالے کرنا ہو گا زندہ درگور کر دیا کرتے تھے۔ اسلام نے بیٹی کی پرورش کی عظیم بشارت سنائی تاکہ لوگ بیٹی کو رحمت تصور کریں اور اس کی پرورش کو اپنے لیے آخرت کا ذخیرہ خیال کریں۔

حدیث میں ہے: حضور ﷺ نے فرمایا: جس نے دو لڑکیوں کی پرورش کی، یہاں تک کہ وہ سن بلوغ کی پہنچ گئیں تو میں اور وہ قیامت میں اس طرح ایک ساتھ ہوں گے۔ آپ نے اپنی انگلیوں کو ملایا (مسلم: 2631)۔

حضرت عبداللہ بن عباس کی روایت ہے: جس کے پاس لڑکی ہو اور وہ اسے نہ زندہ درگور کرے اور نہ اسے حقیر سمجھے اور بچوں کو اس پر ترجیح نہ دے تو اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل کریں گے (مسند احمد: 1957)۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے: جو شخص ان بچیوں میں سے کسی چیز کے ذریعہ آزمایا گیا اور اس نے ان کے ساتھ حسن سلوک کیا تو وہ اسے آگ سے بچالیں گی (مسلم: 2629)۔

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے: ”جس کی تین لڑکیاں ہوں اور تنگ دستی و مفلسی اور خوش حالی و بد حالی میں انتہائی صبر و تحمل کے

ساتھ ان کی پرورش کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو محض اس لیے جنت میں داخل فرمائیں گے کہ اس نے ان کے ساتھ رحم و کرم کا معاملہ کیا، ایک شخص نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! جس کے دو ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اور جس کے دو ہوں وہ بھی“، ایک شخص نے عرض کیا اور جس کے ایک ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اور ایک والا بھی“ (ابن ابی شیبہ: 25440)۔

اسلام نے نہ صرف لڑکیوں کی پرورش اور تربیت کی تعلیم و ترغیب دی، بلکہ آپ ﷺ نے لڑکیوں سے محبت کا اعلیٰ نمونہ پیش کیا، اور اپنے عمل کے ذریعہ بھی لڑکیوں سے محبت کی تعلیم فرمائی۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں آپ نے فرمایا: ”فاطمہ میرے جسم کا ایک ٹکڑا ہے جو اس کو ناراض کرے گا وہ مجھے ناراض کرے گا“ (بخاری: 3714)۔ روایت میں ہے کہ شادی کے بعد جب حضرت فاطمہ ملاقات کے لیے تشریف لائیں تو آپ ﷺ ان کے لیے اپنی جگہ سے کھڑے ہو جاتے ان کے لیے اپنی جگہ چھوڑ دیتے اور چادر بچھا کر اس پر بیٹھنے کے لیے فرماتے۔

غور فرمائیں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو چار بیٹیوں کا باپ بنایا، اللہ نے آپ کو بیٹا بھی دیا لیکن ان کو نو عمری میں ہی لے لیا اس کے ذریعہ اسلام نے ان لوگوں کو تعلیم اور تسلی دی جن کی صرف بیٹیاں ہوتی ہیں ان کے پاس بیٹیوں کی بھی حسرت ہوتی ہے وہ لوگ حضور ﷺ اور آپ کے طرز عمل کے ذریعہ تسلی حاصل کر سکتے ہیں۔

بعثت محمدی سے پہلے بیٹیاں کسی چیز کی مالک نہیں ہوتی تھیں، بلکہ باپ جس کے ہاتھ چاہے بیٹی کو فروخت کر دیتا تھا، لیکن اسلام نے بیٹی کی طرح بیٹی کے لیے بھی حق ملکیت کو تسلیم کیا اگر بیٹی کی ملکیت میں کوئی خاص مال ہے تو باپ کو اس مال میں سوائے حسن انتظام کے کوئی اختیار نہیں دیا، اسی طرح شادی بیاہ میں بھی اسلام نے لڑکی کی رضا اور پسند کو باپ کی رضا اور پسند پر ترجیح دی اگر لڑکی بالغہ ہے تو اس کی اجازت کے بغیر نکاح درست نہیں ہوگا بلکہ اگر لڑکی ثیبہ (شوہر آشنا) ہے تو صراحت کے ساتھ اس کی اجازت کو ضروری قرار دیا اور اگر وہ کنواری ہے جس پر حیا کا غلبہ رہتا ہے اور وہ شرم و حیا کی وجہ سے زبان سے اپنی رضا کو ظاہر نہیں کر پاتی اس کے حق میں خاموشی کو ہی رضامندی قرار دیا لیکن اگر بالغہ لڑکی نے صراحت کے ساتھ نکاح سے منع کر دیا تو باپ کے لیے اس کا نکاح کرنا جائز نہیں اور اگر کر دیا تو نکاح نہیں ہوگا۔ روایت ہے: حضرت خنسا بن خزام کا نکاح ان کے والد نے ان سے مشورہ کیے بغیر کر دیا اور وہ (ثیبہ) شوہر دیدہ تھیں انہوں نے اپنے والد کے رویے کو ناپسند کیا اور رسول اللہ ﷺ کے پاس آئیں تو آپ نے نکاح فسخ کر دیا (ابی داؤد: 2101)۔

حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ ایک کنواری لڑکی حضور کے پاس آئی اور اس نے بتایا کہ اس کے والد نے اس کی شادی کر دی ہے اور وہ اسے ناپسند کرتی ہے تو آپ ﷺ نے اسے اختیار دے دیا (ابن ماجہ: 1875)۔

ان تعلیمات کی روشنی میں آپ فیصلہ کر سکتے ہیں کہ اسلام نے لڑکیوں کا کس قدر احترام کیا ہے، اسلام نے بیٹیوں کو مالک بنایا، تعلیم کا اختیار دیا، اور ماں باپ پر بیٹی کی تعلیم کو لازم قرار دیا، نکاح کے باب میں اس کی پسند کو ترجیح دی اور بیٹی کی تعلیم و تربیت اور اچھی جگہ نکاح کرنے پر جنت کی بشارت سنائی۔

4.5.3 عورت بحیثیت بیوی

رسالت محمدی سے پہلے بیوی کے بارے میں عام تصور یہ تھا کہ بیوی شوہر کی خدمت کا ایک سامان ہے اس سے زائد بیوی کی کوئی حیثیت نہیں ہے؛ لیکن اسلام نے بتایا کہ شوہر بیوی خاندانی زندگی کے دوپہیے ہیں دونوں کے حقوق برابر ہیں، دونوں کے درجات برابر ہیں، نکاح کے ذریعہ شوہر بیوی کا مالک نہیں ہو جاتا ہے بلکہ دونوں ایک معاہدہ کے تحت زندگی گزارنے کا عہد کرتے ہیں اسی لیے نکاح صرف شوہر کے قبول کرنے سے منعقد نہیں ہوتا ہے؛ بلکہ عورت کے قبول کرنے پر موقوف رہتا ہے۔

اسلام نے مرد و عورت کو برابر درجے میں رکھ کر دونوں کے لیے علاحدہ علاحدہ حقوق اور ذمہ داریاں طے کی ہیں؛ اور کچھ مشترکہ حقوق اور ذمہ داریاں طے کیں؛ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ“ (بقرہ: 228)۔ ترجمہ: اور جیسے عورتوں پر مردوں کے حقوق ہیں، اسی طرح مردوں پر بھی عورتوں کے حقوق ہیں اور مرد کو ایک درجہ فضیلت حاصل ہے، اور اللہ تعالیٰ غالب حکمت والا ہے۔

اسلام کا تصور یہ ہے کہ نکاح کے ذریعہ دونوں ایک دوسرے سے فائدہ اٹھائیں، ایک دوسرے سے سکون حاصل کریں، اور باہم محبت کی زندگی بسر کریں: ”وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَعْتَمِدُونَ“ (روم: 21)۔ ترجمہ: اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہارے لیے تمہاری ہی جنس سے بیویاں بنائیں تاکہ تم ان سے سکون حاصل کرو اور تمہارے درمیان محبت و رحمت پیدا کی۔ یقیناً اس میں بہت سی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو غور و فکر کرتے ہیں۔

باہمی الفت و محبت کی مثال آپ ﷺ نے اپنے عمل سے بھی پیش کی ہے؛ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: میں حالت حیض میں ہڈی منہ میں لیتی (تاکہ اس پر لگا ہوا گوشت کھاؤں) تو آپ ﷺ ہڈی پہ اسی جگہ اپنا دہن مبارک رکھتے جہاں سے میں نے کھایا تھا میں حیض کی حالت میں کسی برتن میں پانی پیتی تو آپ ﷺ اپنا دہن اسی جگہ رکھ کر پانی پیتے جہاں سے میں نے پیا تھا (ابن ماجہ: 635)۔

بیوی کے ساتھ حسن سلوک کی تعلیم دیتے ہوئے قرآن اور حدیث میں کہا گیا: ”وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ فَإِنْ كَرِهْتُمُوهُنَّ فَمَسَ أَنْ تَكُونَ شَيْئًا وَاللَّهُ فِيهِ خَيْرٌ كَثِيرًا“ (نساء: 19)۔ ترجمہ: اور تم لوگ اپنی بیویوں کے ساتھ حسن سلوک کرو اور اگر تمہیں ان کی کوئی چیز ناپسند ہو تو ممکن ہے کہ تمہیں کوئی چیز ناگوار گزرے لیکن اللہ تعالیٰ تمہارے لیے اس میں خیر رکھ دے۔

4.5.4 مرد کے قوام (نگراں) ہونے کا مطلب

شریعت محمدی نے عورتوں کے تعلق سے جو تصورات ہمیں دیے ہیں دنیا کی کسی تہذیب اور کسی مذہب نے نہیں دیے ہیں۔ اگر کوئی انصاف کی آنکھ سے مطالعہ کرے گا تو یقیناً اس کا اعتراف کرے گا۔ عورت کے تعلق سے اسلام نے اس کی حیثیت کا، اس کی ملکیت کا اس کے اختیار اور اس کی خوشی کا ہر جگہ لحاظ رکھا ہے، اور مرد جو اپنے صنف کے اعتبار سے طاقت ور ہے اس کو عورتوں کی حفاظت اور نگرانی کی ذمہ داری

عطا کی، اس کے حقوق ادا کرنے کی تاکید کی، مرد عورت پر ”قوام“ ہے اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ مرد عورت کا حاکم ہے وہ عورت میں جس طرح کا تصرف کرنا چاہے کر سکتا ہے؛ بلکہ قوام ہونے کا مطلب یہ ہے کہ عورت کے ناتواں کندھے پر شریعت نے کسب معاش کی ذمہ داری نہیں دی؛ بلکہ مردوں کے قوی و توانا کندھے پر یہ بوجھ ڈال کر مرد کو عورت کی کفالت کی ذمہ داری سوپنی، عورت کی حیثیت وزیر داخلہ اور مرد کی حیثیت وزیر خارجہ کی بنائی۔ اسلام نے دونوں کے صنف کی رعایت کی ہے اور دونوں کو برابر درجہ قرار دیا ہے۔

1. شبہات کے اعتراضات

اسلام کی واضح تعلیمات کے باوجود مغربی تہذیب نے عورت کو جس مقام پر لا کھڑا کیا ہے بجائے اس کے کہ مغربی تہذیب پر اعتراض کیا جاتا کہ اس نے عورت کو بالکل بے حیثیت کر دیا؛ لیکن الٹا مغربی پروپیگنڈا اس پر ہونے لگا کہ اسلام نے عورتوں کے حقوق سلب کر لیے ہیں، اسلام نے عورت کی آزادی چھین لی ہے، عورت کو گھر میں قید کر دیا ہے، مردوں کو عورتوں پر فوقیت دی ہے، مردوں کے مقابلہ میں عورتوں کو اختیارات کم دیے گئے ہیں اس طرح کے اعتراضات ہمارے معاشرے کا حصہ بن گئے ہیں اور عام انسان یہی سمجھتا ہے کہ اسلام نے عورت کو وہ مقام نہیں دیا ہے جس کی وہ حق دار ہے؛ اس لیے ہمیں علمی بنیاد پر جائزہ لینے کی ضرورت ہے کہ ان اعتراضات میں کس قدر سچائی ہے۔

2. مساوات مرد و زن

ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ اسلام نے مرد و عورت کے درمیان برابری نہیں کی ہے؛ بلکہ مردوں کو اس پر قوام بنایا ہے۔ اس اعتراض میں کس قدر صداقت ہے اس کا ہم پچھلے صفحات میں کئی جگہوں پر جائزہ لے چکے ہیں، رسالت محمدی وہ شریعت ہے جس نے برابری کا تصور پیش کیا اس سے پہلے برابری کا کوئی واضح تصور نہیں تھا، قرآن نے کہا: ”هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ“ کہ عورت تمہارے لباس ہے اور تم ان کے لیے لباس ہو، یعنی مرد عورت کے ذریعہ اپنے عیب کو چھپاتا ہے اور عورت مرد کے ذریعہ اپنے عیب کو چھپاتی ہے، اسلام نے کہا عورت اور مرد دونوں ایک ہی جنس سے ہیں، اسلام نے کہا نکاح کے ذریعہ مرد عورت کا مالک نہیں ہوتا ہے بلکہ دونوں ایک دوسرے کے شریک اور ساتھی ہوتے ہیں اور ایک معاہدہ کے تحت دونوں زندگی گزارتے ہیں اور جس طرح مرد ایک فریق ہے اسی طرح عورت بھی ایک فریق ہے، جہاں تک اس کا تصور ہے کہ مرد قوام ہے تو اس کو سمجھنے کے لیے قرآن کی اس آیت پر غور فرمائیں: ”الرِّجَالُ قَوَّاهُونَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللَّهُ بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ وَبِمَا أَنْفَقُوا مِنْ أَمْوَالِهِمْ“ (نساء: 32)۔ ترجمہ: مرد عورتوں پر قوام ہے اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے اور اس وجہ سے کہ مرد اپنے مالوں میں سے خرچ کرتے ہیں۔

درحقیقت مرد و عورت نکاح کے بعد ایک خاندان کو جنم دیتے ہیں اور خاندان ایک انتظامی ادارہ ہے اور اس کے لیے ضروری ہے کہ اس کا کوئی ایک حاکم اور نگران ہو اس لیے کہ کسی بھی ادارے کے لیے کسی سربراہ کا ہونا ضروری ہوتا ہے اور کسی بھی ادارے کا دو شخص مساوی درجے کا سربراہ نہیں ہو سکتا ہے یہ عقلاً ناممکن ہے؛ اس لیے کسی ایک حاکم کی ضرورت ہے۔ اب غور فرمائیں جو قرآن مختلف مواقع پر عورت کے حقوق اور احترام کی تلقین اور برابری کا بار بار تصور پیش کر رہا ہے وہ یہاں پر مرد کو قوام اور نگران قرار دے رہا ہے اور اس کی دو وجہ بھی بیان

کر رہا ہے ایک تو یہ کہ مرد کو بعض وجوہ سے عورتوں پر تخلیقی فضیلت حاصل ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے مردوں میں جسمانی قوت زیادہ رکھی ہے، ان میں بھاگ دوڑ کی صلاحیت زیادہ ہے، ان میں حکمرانی وجہاں بانی کا حوصلہ اور ولولہ زیادہ ہے، ان کی فطرت میں جنگ وجدال کا جذبہ اور داعیہ زیادہ ہے، معاشی جد جہد اور محنت و کوشش کا مادہ زیادہ ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے تخلیقی اعتبار سے مردوں کو فضیلت دی ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ معاشی بوجھ مرد پر ڈالا گیا ہے، بیوی کے نفقہ کی ذمہ داری، شوہر پر ہے، بچے کے نفقہ کی ذمہ داری مرد پر ہے حتیٰ کہ اگر طلاق ہو جائے تو بچہ ماں کی پرورش میں رہے گا؛ لیکن خرچ باپ کے ذمہ ہوگا، آپ غور فرمائیں تو کسی طرح کی مالی ذمہ داری عورت پر نہیں ڈالی گئی ہے، حتیٰ کہ نکاح میں مہر شوہر کے ذمہ ہے، نکاح کی دعوت جسے ولیمہ کہتے ہیں وہ شوہر کے ذمہ ہے، گھریلو ساز سامان اور امور خانہ داری کی فراہمی کی ذمہ داری مرد پر ہے؛ اس لیے انصاف کا تقاضا بھی یہی ہے کہ نگران اور قوام کی حیثیت بھی مرد کو حاصل ہو اور مرد کے قوام ہونے سے عورت کی حیثیت پر کوئی فرق نہیں پڑتا ہے اور نہ مساوات مرد و زن کا تعلق اس سے وابستہ ہے۔

3. طلاق کا نظام

اسلام پر ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ اسلام نے طلاق کا قانون رکھ کر عورت کے ساتھ ظلم کیا ہے، پھر اگر طلاق کا نظام رکھنا ہی تھا کہ اس کا اختیار عورت کو ہونا چاہیے تھا کہ نہ کہ مرد کو جب کہ اسلام نے طلاق کا اختیار مرد کو دیا ہے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اسلام نے عورت و مرد کے ساتھ برابری نہیں کی ہے۔

نظام طلاق کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ اسلام سے قبل کے نظام طلاق کو دیکھا جائے، شریعت محمدی سے پہلے طلاق کی کوئی حد نہیں تھی ایک مرد جس قدر عورت کو چاہے طلاق دے پھر رجوع کر لے اس طرح ایک عورت کبھی بھی آزاد نہیں ہوتی تھی؛ بلکہ شوہر اس کو ہمیشہ کے لیے لٹکائے رکھتا تھا۔ ترمذی میں روایت ہے کہ اسلام کے ابتدائی زمانہ میں ایک عورت کو اس کے شوہر نے کہا کہ تمہیں لٹکا کر رکھوں گا انہوں نے پوچھا کہ وہ کیسے تو انہوں نے کہا تمہیں طلاق دوں گا پھر جب عدت پوری ہونے لگے گی تو رجوع کر لوں گا اس طرح نہ تمہیں آزاد کروں گا اور نہ ہی تمہیں بیوی کی طرح رکھوں گا اس پر وہ عورت حضور ﷺ کی خدمت میں آئی تو آپ نے کوئی جواب نہیں دیا؛ بلکہ وحی کا انتظار کیا اس موقع پر قرآن کریم کی یہ آیت نازل ہوئی: ”الطَّلَاقُ مَرَّتَيْنِ فَمَا مَسَاكُ بِمَعْرُوفٍ اَوْ تَسْرِيحٌ بِاِحْسَانٍ“ (بقرہ: 229)۔ ترجمہ: طلاق صرف دو مرتبہ ہے چاہو تو بھلائی کے ساتھ رو کے رکھو یا بھلائی کے ساتھ رخصت کر دو۔ (ترمذی: 1192)

اس کے ذریعہ مقدار طلاق کی تحدید کر دی گئی کہ ایک شوہر لا تعداد طلاق کا مالک نہیں ہے جس طرح جاہلیت میں وہ مالک ہوا کرتا تھا؛ بلکہ اب صرف تین طلاق کا مالک ہے اور دو مرتبہ اس کو اختیار ہے کہ عدت میں رجوع کرے یا بعد عدت کے دوبارہ نکاح (جدید مہر اور دونوں فریقین کی رضامندی کے ساتھ) کر لے لیکن جب تیسری مرتبہ طلاق دے دے تو اب اس سے نکاح کی کوئی صورت نہیں ہے دونوں مرد اور عورت مکمل طور پر ایک دوسرے پر حرام ہو جائیں گے۔

جہاں تک یہ سوال ہے کہ طلاق کا نظام کیوں رکھا گیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ نکاح کے ذریعہ دو اجنبی مرد عورت ایک ساتھ زندگی گزارنے کا عہد کرتے ہیں اور کبھی دونوں کے مزاج میں بہت زیادہ تفاوت ہوتا ہے اور ذہنی ہم آہنگی نہ ہونے کی وجہ سے دونوں کا ایک

ساتھ زندگی گزارنا دشوار ہو جاتا ہے اب اگر اس نکاح کو ختم کرنے کا کوئی راستہ نہ رہے تو دونوں کی زندگی اجیرن بن جاتی ہے اس لیے جب نبھاؤ کی تمام تر صورتیں ختم ہو جائیں تو اسلام نے اس کی اجازت دی کہ مرد عورت کو طلاق دے کر آزاد کر دے۔

اسلام کا یہ نظام حکمت پر مبنی ہونے کے ساتھ عورتوں کے حق میں انصاف اور احترام کے جذبہ پر مبنی ہے، آج کے کئی ممالک میں طلاق کا نظام رائج ہے، بعض جگہ طلاق کا اختیار صرف عدالت کو دیا گیا اس میں طلاق دینے کے لیے شوہر کو وجہ بتانی ہوتی ہے اور وجہ بتانے کے لیے شوہر بیوی کی کردار کشی کرتا ہے اور بیوی کو بد چلن آوارہ تنک قرار دیتا ہے تاکہ عدالت طلاق کو منظور کر لے اس صورت میں غور فرمائیں طلاق تو ہوتی ہی ہے ساتھ میں عورت کی کردار کشی بھی ہوتی ہے جب کہ اسلام کے نظام طلاق میں شوہر بلا وجہ بتائے طلاق دے دیتا ہے اس طرح دنیا کی نگاہ میں شوہر ظالم قرار پاتا اور عورت مظلوم شمار ہوتی ہے اور اس کے لیے دوسری شادی کے راستے آسان ہو جاتے ہیں۔

ایک سوال یہ بھی ہوتا ہے کہ اسلام میں کیا طلاق کا اختیار صرف مرد کو ہی دیا گیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے، شریعت کے حکمت و مصلحت کے پیش نظر عورت کے لیے مکمل دروازہ بند نہیں کیا گیا؛ بلکہ عورت بھی شوہر سے علاحدگی حاصل کر سکتی ہے۔ درج ذیل حالتوں پر غور کیجیے:

- بیوی کو طلاق کا حق ”تفویض“ کے ذریعہ مل سکتا ہے، عقد نکاح کے وقت یا بعد میں بھی، دونوں فریقین کی رضامندی کے ساتھ، جس میں بیوی کو طلاق بائن (غیر رجعی) دینے کا حق حاصل ہوتا ہے۔
 - اگر شوہر عورت کو طلاق نہ دے رہا ہو تو عورت خلع کے ذریعہ بھی شوہر سے علاحدگی حاصل کر سکتی ہے۔ خلع ایک سنگل طلاق بائن کے حکم میں آتا ہے۔
 - اور اگر خلع کے لیے بھی تیار نہ ہو تو اسلامی عدالت میں یا غیر مسلم ممالک میں ہو تو دارالقضا میں عورت اپنی مظلومیت کو ثابت کر کے فسخ نکاح کر سکتی ہے۔
- اس طرح کسی صورت میں عورت کے ساتھ ظلم نہیں ہوتا ہے اور نہ ہی نظام طلاق کی بنیاد پر یہ اعتراض کرنا درست ہے کہ اسلام نے عورت کا خیال نہیں کیا ہے۔

4. تعلیم نسواں

ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ اسلام نے جس طرح مردوں کی تعلیم کی حوصلہ افزائی کی ہے اس طرح عورتوں کی تعلیم کی حوصلہ افزائی نہیں ہے گویا تعلیم کے باب میں مساوات نظر نہیں آتا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اسلام نے جس طرح مردوں کی تعلیم کی حوصلہ افزائی کی ہے؛ اسی طرح عورتوں کی تعلیم کی بھی حوصلہ افزائی کی ہے، اسلامی نظام سے یہ ثابت نہیں کیا جاسکتا ہے کہ اسلام عورتوں کی تعلیم کا مخالف ہے، ہاں اسلام کے ابتدائی زمانے میں اس طرح تعلیمی نظام رائج نہیں تھا جو آج ہے اس لیے ہم غلط فہمی کے شکار ہو جاتے ہیں۔ عہد نبوی میں مرد بھی مسجد میں آتے تھے اور عورتیں بھی مسجد میں آتی تھیں، عورتوں کے مسجد میں آنے کی ایک اہم وجہ تعلیم بھی تھی۔ آپ ﷺ عورتوں کے پاس علاحدہ خطبہ دیا کرتے تھے۔ آپ ﷺ کے

زمانے میں عورتوں کے لیے کھلی آزادی تھی کہ کوئی بھی مجمع میں سے سوال کر سکتی ہیں، عورتوں کے لیے سوال کرنے کی کوئی ممانعت نہیں تھی۔ حدیث میں ہے: ”طلب العلم فريضة على كل مسلم“ (سنن ابن ماجہ: 224)۔ ترجمہ: علم کا حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔

اس حدیث کی تشریح میں علماء نے لکھا ہے تعلیم کے حاصل کرنے کی فرضیت میں مرد و عورت دونوں برابر ہیں، اور مسلم کے لفظ میں مرد و عورت دونوں داخل ہیں، مالک بن حویرث کہتے ہیں کہ جب ہم لوگ حضور کے پاس تعلیم حاصل کر کے لوٹنے لگے تو آپ نے فرمایا: ”إرجعوا إلى أهليكم فأقيموا فہم وعلموہم ومروہم“ (بخاری: 631)۔ ترجمہ: اپنے گھر والوں میں لوٹ جاؤ اور ان کے درمیان رہو انہیں تعلیم دو اور ان کو عمل کی ترغیب دو۔

حضرت شفاء بنت عبد اللہ عدویہ کہتی ہیں: میں حضرت حفصہ کے پاس تھی آپ ﷺ تشریف لائے تو آپ نے فرمایا: ”ألا تعلمین ہذہ رقیۃ النملۃ کما علمتیہا الکتابۃ“ (ابن ابوداؤد: 3887)۔ ترجمہ: تم ان کو نملہ (ایک قسم کا مرض) کی رقیہ کیوں نہیں سکھا دیتی جس طرح تم نے انہیں لکھنا سکھایا ہے۔

ان روایتوں سے آسانی سے فیصلہ کیا جاسکتا ہے کہ اسلام نے عورتوں کو تعلیم سے منع نہیں کیا ہے؛ بلکہ حضرات فقہاء کی عبارتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ دارالاسلام میں عورتوں کے لیے تعلیم حاصل کرنا اس کا لازمی حق اور بنیادی ذمہ داری ہے یہی وجہ یہ کہ اگر آزاد عورت مسئلہ نہ جاننے کی وجہ سے کسی مسئلہ پر عمل نہیں کرتی ہے تو اس کی جہالت قابل عذر نہیں ہے۔ حضرات فقہاء نے لکھا کہ اگر لڑکی کا نکاح اس کے باپ دادا کے علاوہ رشتہ دار نے نابالغی کی حالت میں کر دیا تو بالغ ہوتے ہی لڑکی کو اختیار بلوغ حاصل ہوتا ہے جس کے مطابق لڑکی بالغ ہوتے ہی اپنے نکاح کو ختم کرنے کا اختیار رکھتی ہے؛ لیکن اگر لڑکی کو مسئلہ معلوم نہ ہو اور وہ بالغ ہونے کے فوراً بعد نکاح کو ختم نہ کرے اور چند دنوں کے بعد اسے مسئلہ معلوم ہو اور وہ نکاح کو ختم کرنا چاہے تو اب ختم نہیں کر سکتی ہے؛ اس لیے کہ مسئلہ سے جہالت اس کے لیے عذر نہیں ہے؛ کیوں کہ آزاد عورت علم کے حاصل کرنے کے لیے آزاد تھی اس کے لیے کوئی رکاوٹ نہیں تھی۔

معلوم ہوا کہ اسلام عورتوں کو تعلیم سے منع نہیں کرتا ہے؛ بلکہ جس طرح مردوں کے لیے تعلیم کو ضروری قرار دیتا ہے اسی طرح عورتوں کے لیے بھی تعلیم کو ضروری قرار دیتا ہے۔

وراثت میں کمی بیشی

اسلام پر ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ اسلام وراثت کے امور میں عورت و مرد کے درمیان فرق کرتا ہے بیٹے کو جتنا میراث میں حصہ ملتا ہے بیٹی کو اس کا آدھا ملتا ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اس کو بیان کیا ہے: ”لِلذَّكَرِ مِثْلُ مِثْلِ الْأُنثِيَيْنِ“ (نساء: 11)

■ مذکر کے لیے مونث کا دو گنا حصہ ہے

اس سلسلے میں اعتراض سے پہلے ضروری ہے کہ جس ماحول میں اسلام نے بیٹی کو وارث بنایا ہے اس کا جائزہ لیا جائے، شریعت محمدی

سے پہلے کسی بھی قوانین میں عورت کو وراثت میں حصہ نہیں دیا جاتا تھا، شریعت محمدی سب سے پہلی شریعت ہے جس نے عورت کو وراثت میں ایک معلوم اور مقدر حصہ دیا ہے۔ پھر بیٹی کو نصف دینے میں عورت کے ساتھ کوئی ناانصافی نہیں ہے؛ اس لیے کہ اسلام نے کفالت کا ذمہ مردوں پر عائد کیا ہے عورتوں پر نہیں، اس طرح مال خرچ کرنا صرف مردوں پر لازم ہے، لڑکی شادی سے پہلے باپ کی کفالت میں رہتی ہے اگر باپ نہیں ہے تو بڑا بھائی ذمہ دار ہوتا ہے وہ بھی نہیں تو دوسرے رشتہ دار پر کفالت کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے اور شادی کے بعد شوہر کی کفالت میں ہوتی ہے۔ اب ذرا غور فرمائیں ایک شخص تین لاکھ روپیے چھوڑ کر مرا اس کا ایک بیٹا اور ایک بیٹی ہے، اسلام کے اصول میراث کی روشنی میں دو لاکھ بیٹے کو ایک لاکھ بیٹی کو ملے گا اس طرح عورت ایک لاکھ کی مالک تو ہو گئی لیکن اس میں سے خرچ کچھ بھی نہیں کرنا ہے اور بیٹا پر اپنی غیر شادی شدہ بہن کا خرچ ہے اب یا تو کما کر اپنا اور اپنی بہن کی ضروریات پوری کرے یا پھر اسی میں سے خرچ کرے، پھر جب وہ شادی کرے گا تو پچاس ہزار روپیے اس نے مہر کے نام پر اپنی بیوی کو دے دیا اس طرح اس کے پاس اب ڈیڑھ لاکھ بچے اور بہن کی شادی ہوئی تو اسے بھی مہر کے نام پر پچاس ہزار ملے اس طرح دونوں بھائی بہن کی مالیت برابر ہو گئی جب کہ بہن کو اس میں کچھ خرچ کرنا نہیں ہے اور بھائی کو اپنے اور اپنی بیوی پر خرچ کرنا ہے اس طرح غور فرمائیں تو بھائی کو دو حصہ اور بہن کو ایک حصہ دے کر اسلام نے کوئی ناانصافی نہیں کی ہے۔

اسلام میں وراثت کے معاملات پر نظر ڈالیں تو ہمیں یہ پتہ چلتا ہے کہ تیس (30) سے زائد صورتوں میں عورت کو مرد سے زیادہ یا برابر وراثت ملتی ہے۔ جب کہ مرد کو صرف چار (4) صورتوں میں عورت سے زیادہ وراثت ملتی ہے۔ عورت کو وراثت کا نصف حصہ چار (4) صورتوں میں ملتا ہے جب کہ مرد کو یہ رقم صرف ایک (1) صورت میں ملتی ہے یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ ترکہ کی تقسیم اصحاب فرائض (اصحاب الفروض) سے شروع ہوتی ہے؛ اصحاب فرائض کل بارہ افراد ہیں جن میں چار مرد اور آٹھ عورتیں ہیں، یعنی کہ اکثریت عورتوں کی ہے۔ پھر ایسے بھی کئی صورتیں ہیں جس میں مرد کو وراثت ہی نہیں ملتی۔ ایک اور حقیقت یہ ہے کہ وراثت کا سب سے بڑا حصہ جو کہ وراثت کا دو تہائی ہے، صرف عورت کا ہے۔

قرآن کے نظام وراثت کو پیش نظر رکھتے ہوئے مشہور مورخ غوستاف لوبون (Gustave Le Bon) کہتا ہے کہ اسلامی قانون نے بیویوں کو وراثت میں حقوق عطا کیے ہیں جو ہمارے (مغربی) قوانین میں نہیں مل سکتے۔

5. دو عورت کی گواہی ایک مرد کے برابر

فقہاء کا اتفاق ہے کہ عورتوں کی شہادت مردوں کے ساتھ دیون اور اموال سے متعلق مقدمات میں قبول کی جاتی ہے۔ البتہ حدود و قصاص میں عورتوں کی شہادت سے متعلق فقہاء میں اختلاف ہے، بعض کے نزدیک جائز ہے اور بعض نے جائز قرار نہیں دیا۔ اس کے علاوہ عورتوں کے مخصوص معاملات سے متعلق مختلف مقدمات میں تنہا عورت کی شہادت جائز ہے باتفاق جمہور علماء۔ اس کی تفصیل فقہ کی کتابوں میں موجود ہے۔

دیون اور اموال سے متعلق قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے دو عورتوں کی گواہی کو ایک مرد کے قائم مقام قرار دیا ہے جیسا کہ سورہ بقرہ کی اس آیت میں اس کی صراحت ہے: ”وَاسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ مِنْ رِجَالِكُمْ فَإِنْ لَمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَأَتْنِ مِمَّنْ

تَرْصُوتٍ مِنَ الشُّهَدَاءِ أَنْ تَضِلَّ إِحْدُهُمَا فَيُضِلَّ الْأُخْرَى“ (بقرہ: 282)۔ ترجمہ: اور گواہ بناؤ اپنے مردوں میں سے دو کو اگر مرد موجود نہ ہوں تو پھر ایک مرد اور دو عورتیں جن کو تم گواہوں میں سے پسند کرو تا کہ اگر ایک بھول جائے تو دوسری یاد لاسکے۔

قرآن کی اس آیت کی بنیاد پر اسلام پر ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ اسلام شہادت کے باب میں مرد و عورت میں برابری کا قائل نہیں ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ خود قرآن کریم نے اس کی وضاحت کر دی ہے کہ دو عورتوں کو اس لیے رکھو کہ ایک بھول جائے تو دوسری اس کو یاد دلا سکے، نسیان تو مردوں کو بھی لاحق ہو سکتا ہے لیکن مرد کے مقابلہ میں اس طرح کے معاملہ میں عورت میں نسیان زیادہ ہوتا ہے؛ اس لیے کہ عموماً عورت امور خانہ داری سے دلچسپی لیتی ہے، اگر ماں ہے تو اس کی توجہ کامرکز اولاد ہوتی ہے، اگر کنواری ہے تو اسے شادی کی فکر دامن گیر ہوتی ہے، یہی وجہ سے معاملات میں اس کی یادداشت کمزور ہوتی ہے اور اس کا علم اللہ تعالیٰ کی ذات سے زیادہ کسی کو نہیں ہو سکتا ہے؛ اس لیے کہ مرد و عورت کی تخلیق اللہ تعالیٰ نے کی ہے تو دونوں کی فطری ساخت کا علم اللہ سے بہتر کسی کو نہیں ہو سکتا ہے: اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے: ”أَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ“ (ملک: 14)۔ ترجمہ: کیا وہی نہیں جانے گا جس نے پیدا کیا ہے حالاں کہ وہ باریک بین اور باخبر ہے۔ اس لیے بقرہ کی آیت 282 کو لے کر عورت کی گواہی کو بنیاد بنا کر اسلام کے نظریہ مساوات پر اعتراض کرنا درست نہیں ہے۔

6. گھر سے باہر نکلنے کا حکم

جہاں تک یہ سوال ہے کہ اسلام میں عورتوں کو گھر سے نکلنے سے روک دیا ہے، یہ اعتراض غلط ہے۔ جہاں تک گھر سے باہر نکلنے کا تعلق ہے کہیں اس کی صراحت نہیں ہے کہ عورتوں کے لیے گھر سے باہر نکلنے کی اجازت نہیں ہے؛ بلکہ ہمیں اس طرح کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں کہ عہد نبوی اور عہد خلافت راشدہ میں عورتیں اپنی ضروریات کے لیے گھر سے باہر نکلا کرتی تھیں، خواہ وہ اپنی ذاتی کاروبار کے لیے ہو یا کوئی خاص سرکاری نوکری یا پھر شہر کے دفاع کے لیے۔ مروی ہے کہ اسماء بنت ابوبکر اپنے شوہر حضرت زبیر ابن عوام کی زمین تک اپنے سر پر بیچ لے کر جاتی تھی، وہ زمین مدینہ سے ایک میل کے فاصلے پر تھی۔ ابن عبدالبر کی ”الاستیعاب“ میں مروی ہے کہ خلافت عمر بن خطابؓ میں شفاء بنت عبداللہ عدویہ کو الحسبہ (بازار میں اخلاق کو برقرار رکھنا) سونپا گیا تھا۔ ایک اور صحابیہ سمراء بنت نہیک الاسدیہ کا کام کچھ ایسا ہی تھا۔ دفاعی اور جنگی میدان میں نمایاں مقام کی حامل خواتین میں سے بعض کے نام یہ ہیں: صفیہ بنت عبدالطلب، ام عطیہ انصاریہ، ام الخیر بنت حریش، زرقاء بنت عدی بن قیس، ام سنان بنت خیشمہ، ازہ بنت حارث بن کلدہ، ام جرام بنت لحيان (سمندر کی شہیدہ)۔ اسی طرح قرآن کریم میں حضرت شعیب کی دو بیٹیوں کا تذکرہ موجود ہے جو اپنے جانوروں کو پانی پلانے کے لیے خود نکلتی تھیں اس لیے کہ ان کے گھر میں کوئی مرد اس کام کو انجام دینے والا نہیں تھا۔ روایت میں صراحت ہے کہ عورت اپنی ضرورت پر گھر سے باہر نکل سکتی ہے: ”قَدْ أَذِنَ اللَّهُ لَكُمْ أَنْ تَخْرُجْنَ لِحَوَائِجِكُنَّ“ (بخاری: 5237)۔ ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے تم کو اجازت دی ہے کہ تم اپنی ضروریات کے لیے گھر سے نکل سکتی ہو۔

4.6 اکتسابی نتائج

اس اکائی میں آپ نے درج ذیل نکات سیکھے:

- رسالت محمدی سے پہلے کسی بھی تہذیب و قوم میں عورت کو عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا تھا۔
- شریعت محمدی نے عورت کو عزت دی، مردوں کے برابر درجہ اور حقوق دیے۔
- عورت کی مختلف حیثیتوں کی رعایت کرتے ہوئے عورت کے تعلق سے شفقت و محبت اور احترام کا نظریہ پیش کیا۔
- قرآن نے عورت و مرد کے درمیان مساوات کا نظریہ پیش کیا ہے، ہاں بعض جگہوں پر تخلیق کی رعایت کرتے ہوئے ذمہ داریاں تقسیم کی گئیں ہیں جو مساوات کے منافی نہیں ہیں۔
- اسلام میں وراثت کے معاملات پر نظر ڈالیں تو ہمیں یہ پتہ چلتا ہے کہ تیس (30) سے زائد صورتوں میں عورت کو مرد سے زیادہ یا برابر وراثت ملتی ہے۔ جب کہ مرد کو صرف چار (4) صورتوں میں عورت سے زیادہ وراثت ملتی ہے۔
- اسلام پر عورتوں کے حوالے سے جو اعتراضات کیے گئے ہیں انصاف پر مبنی نہیں ہیں اس کا حقیقت پسندانہ جائز لینے کی ضرورت ہے۔
- طلاق کا نظام عورت کے لیے رحمت ہے اگر طلاق کا نظام نہ ہو تو عورت کے لیے زندگی اجیرن بن جائے گی۔

4.7 فرہنگ

مساوات: Equality	وراثت: Inheritance	عار: شرمندگی یا ذلت کا احساس
زن: عورت	دیون: قرض	
اصحاب فرائض: وہ رشتہ دار جن کے لیے شریعت نے قرآن و سنت کی بنیاد پر وراثت میں ایک مخصوص حصہ مقرر کیا ہے		

4.8 نمونہ امتحانی سوالات

4.8.1 معروضی جوابات کے متقاضی سوالات

1. حضرت خنسا بن خزام کا نکاح ان کے والد نے ان سے مشورہ کیے بغیر کر دیا تو آپ ﷺ نے..... کا حکم دیا۔
(a). طلاق رجعی (b). خلع (c). فسخ نکاح (d). تمام غلط
2. مشرکہ ماں کی خدمت کی اجازت کا سوال آپ ﷺ سے کس نے کیا تھا؟
(a). حضرت اسماء (b). حضرت شفا (c). حضرت عائشہ (d). حضرت حفصہ
3. اس صورت میں میاں کی رضامندی ضروری نہیں ہے:
(a). خلع (b). فسخ (c). تفویض (d). طلاق رجعی
4. حضرت حفصہ کو لکھنا کس نے سکھایا تھا؟
(a). حضرت عائشہ (b). حضرت اسماء (c). حضرت شفا (d). حضرت زینب

5. اصحاب فرائض کل بارہ افراد ہیں جن میں..... عورتیں ہیں۔

(a) دو (b) چار (c) چھ (d) آٹھ

4.8.2 مختصر جوابات کے متقاضی سوالات

1. اسلام میں بیٹی کے حقوق پر مختصر نوٹ لکھیے۔
2. اسلام میں عورت اور نظام وراثت پر گفتگو کیجیے۔
3. اسلام کے مساوات مرد و زن پر روشنی ڈالیے۔
4. اسلام کے نظام طلاق پر گفتگو کیجیے۔
5. عورت عہد جاہلیت میں کے عنوان پر مختصر نوٹ لکھیے۔

4.8.3 طویل جوابات کے متقاضی سوالات

1. بعثت محمدی سے پہلے عورت کے مقام و مرتبہ پر تفصیلی روشنی ڈالیے۔
2. اسلام میں عورت کا مقام کے عنوان پر تفصیلی مضمون قلم بند کیجیے۔
3. مسلمان عورت کے حقوق اور ان پر اعتراضات کا جائزہ کے موضوع پر تفصیلی گفتگو کیجیے۔

4.9 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1. عورت اسلامی معاشرے میں : مولانا سید جلال الدین عمری
2. عورت کا مقام اسلام کی نظر میں : ڈاکٹر یوسف القرضاوی
3. اسلام میں عورت کا مقام : ڈاکٹر اسرار احمد
4. مسلمان عورت کے حقوق اور ان پر اعتراضات کا جائزہ : مولانا سید جلال الدین عمری

معروضی سوالات کے جوابات

1.C	2.A	3.B	4.C	5.D
-----	-----	-----	-----	-----

اکائی 5: ماحولیات کا تعارف

اکائی کے اجزا

5.0	تمہید
5.1	مقاصد
5.2	اسلام میں ماحولیات کی اہمیت
5.2.1	اسلام کا نظریہ ماحولیات
5.2.2	انسان زمین پر اللہ کا خلیفہ ہے
5.3	اسلامی مقدسات میں مختلف عنصر ماحولیات کا تذکرہ
5.4	قرآن میں مختلف نباتات کا تذکرہ
5.5	قرآن میں حشرات الارض (Insects) کا تذکرہ
5.6	اكتسابی نتائج
5.7	کلیدی الفاظ
5.8	نمونی امتحانی سوالات
5.8.1	معروضی جوابات کے متقاضی سوالات
5.8.2	مختصر جوابات کے متقاضی سوالات
5.8.3	طویل جوابات کے متقاضی سوالات
5.9	تجویز کردہ اکتسابی مواد

5.0 تمہید

قرآن کریم میں مختلف عناصر ماحولیات کا مکرر تذکرہ ملتا ہے مثلاً شجر و حجر، شمس و قمر، سیارے، آسمان، پرندے حشرات الارض، درندے

و غیرہ وغیرہ۔ ان کے تذکرے سے ان کی اہمیت بھی معلوم ہوتی ہے نیز ان کی افادیت اور ضرورتوں کا اندازہ ہوتا ہے۔ اس اکائی میں ان عناصر ماحولیات کا تفصیلی جائزہ لیا گیا ہے۔ انسان کا ماحولیات کے ساتھ کیا تعلق ہے، اسلام میں مختلف عناصر ماحولیات کی کیا اہمیت اور افادیت ہے اور انسان کو ماحولیات کے تحفظ کے حوالے سے کس طرح کی تعلیمات دی گئیں ہیں؟ ان سب امور کا تفصیلی جائزہ لیا گیا ہے۔

5.1 مقاصد

اس اکائی کا مقصد یہ ہے کہ آپ

- ماحولیات کے بنیادی تصورات (ماحول، ماحولیاتی نظام، ماحولیاتی توازن) کو اسلام کے ماحولیاتی نقطہ نظر سے سمجھ سکیں گے۔
- قرآن میں ذکر کیے گئے مختلف نباتات و حیوانات کی ماحولیات کے نظام میں اہمیت سے واقفیت حاصل کر سکیں گے
- اسلامی تعلیمات میں انسان کے کردار کو "خلیفہ" کے طور پر پہچانتے ہوئے ماحولیاتی ذمہ داریوں کو واضح کر سکیں گے۔
- اسلام اور جدید ماحولیاتی چیلنجز کے باہمی تعلق پر تنقیدی انداز میں گفتگو کر سکیں گے۔

5.2 اسلام میں ماحولیات کی اہمیت

اسلام میں ماحولیات (environment) کی اہمیت کا اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ قرآن کریم میں ان پر غور و تدبر کی دعوت دی گئی ہے تاکہ انسان ان مظاہر فطرت کے ذریعہ اللہ تک پہنچ سکے۔ قرآن کریم اور احادیث شریفہ میں مختلف مظاہر فطرت مثلاً شجر و حجر شمس و قمر، سرسبز وادیاں، بیل بوٹے، گلی اور غنچے، ہری بھری زمین، نیل، آسمان، رنگ، بو، درخت، سنگلاخ وادیاں، بلند قامت پہاڑ اور دیگر کائناتی نور و نکہت اور آفاقی رعنائی اور جمالیات وغیرہ کا تذکرہ نہ صرف ان مظاہر فطرت کی اہمیت اور افادیت کو ثابت کرتا ہے، بلکہ ان کے صانع اور خالق پر ایمان اور توحید کی بھی دعوت دیتا ہے۔

قرآن کریم میں ہزاروں آیات میں جنہیں احکامات اور تاریخی حکایات کی آیات کے علاوہ دیگر سینکڑوں آیات فطرت (nature) سے متعلق ہیں۔ ان آیات مقصود خالق کی پہچان ہے یعنی مظاہر فطرت اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور اس کی معرفت حاصل کرنے کے لیے علامات (signs) ہیں۔ قرآن کریم کے علاوہ احادیث نبویہ اور اسلامی فقہ میں نہ صرف مظاہر فطرت کا بیان ہے بلکہ فطرت کی حفاظت کی بالکلیار تلقین کی گئی ہے اور اس کے تحفظ کے اصول اور قوانین وضع کیے گئے ہیں مثلاً اسلامی فقہ میں آبی وسائل کے تحفظ، زمین کے تحفظ اور جنگلاتی حیاتیات کے تحفظ کے اصولی اور فروعی جزئیات ملتے ہیں۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے مکمل طور پر مظاہر فطرت میں غور کرنے کی دعوت اس لیے دی ہے تاکہ عبد کو معبود کی کامل معرفت حاصل ہو۔ دراصل کائنات ہر ذرہ وجود خالق پر دلالت کرتا ہے۔

کائناتی عناصر میں غور کرنا نہ صرف کارِ ثواب ہے بلکہ یہ انسان کو ایمان باللہ کی دعوت دینے کے ساتھ ایک مسلمان کے ایمان میں اضافہ کا باعث بھی ہے۔ قرآن کریم کے طائرانہ مطالعہ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ قرآن میں جہاں بھی مظاہر فطرت کا بیان ہوا ہے وہاں نتیجتاً ان

آیات بینات میں فکر و تعمق کی دعوت بھی معادی عمل ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ قرآنی مظاہر فطرت اور خالق و مخلوق میں ایک نظم و ضبط ہے۔ بلکہ یہ آیات اور مظاہر فطرت (natural phenomena) مخلوق اور خالق کے مابین ربط و تعلق کی ایک مضبوط کڑی ہے۔ مظاہر فطرت کا یہ بیانیہ مخلوق کو اپنے خالق سے اٹوٹ رشتہ میں منسلک کر دیتا ہے۔ اس لیے ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن میں ان مظاہر فطرت کو ”آیات“ سے تعبیر کیا گیا ہے یعنیہ اشیاء کائنات اللہ تعالیٰ کے لیے ایک علامت (symbol) ہیں جن کی معرفت اللہ تعالیٰ کو انسان جان اور پہچان سکتا ہے۔

قرآن کریم کے حوالے سے انسان کا تعلق فطرت سے صرف اس عالم فانی تک محدود نہیں ہے۔ بلکہ فطرت سے اس کا ازلی اور ابدی تعلق ہے۔ انسان ابتداء میں بھی باغ (جنت) میں تھا اور انتہا میں بھی اسی باغ (جنت) میں مقیم ہوگا۔ انسان کا فطرت سے اتنا گہرا تعلق اسلام میں نیچر کی اہمیت پر ناطق ہے۔

اسلام میں فطری مظاہر کی اہمیت اس لئے بھی ہے کہ انسان نیچر کے ساتھ پر امن زندگی بسر کر سکے۔ زمین پر حیات تا دیر قائم رہے۔ بتدریج دنیا ترقی کر سکے۔ اور سب سے اہم یہ کہ انسان وسائل قدرت کا صحیح اور معتدل استعمال کر سکے۔ اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن کریم کی بہت سی سورتوں کے نام مظاہر فطرت، حشرات اور جانوروں کے نام پر رکھے گئے ہیں ان تفصیلات سے اسلام میں فطرت اور اس کے مظاہر کی اہمیت کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ اسلام ہمیں صرف نیچر کی اہمیت کی ہی تعلیم نہیں دیتا بلکہ امن و جنگ اور ارزانی اور گرانی کی ہر حالت میں ہمیں فطرت کے تحفظ کی تعلیم و تلقین کرتا ہے۔ انسان اور دیگر مخلوقات میں فرق یہ ہے کہ انسان نہ صرف نیچر کے استعمال کرنے کا مجاز ہے بلکہ اس کی تعمیر و ترقی کا بھی ذمہ دار ہے۔ دوسری مخلوقات صرف اشیاء کائنات کو استعمال کرتی ہیں۔ لیکن انسان کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ استعمال کے ساتھ کائنات کی ترقی کے لیے بھی کوشش کرے یا کم سے کم ان کو اپنی طبعی حالت پر باقی رکھے۔ اس ضمن میں چند احادیث ذیل میں نقل کی جاتی ہیں جس سے ہمارا مدعی ثابت ہوگا۔

(1) ”ما من مسلم یغرس غرسا فیاکل منه انسان أو دابة أو طائر إلا كانت له صدقة“۔

ترجمہ: جو بھی مسلمان کوئی پود لگاتا ہے۔ پھر اس سے کوئی انسان یا چوپایہ یا پرندہ کھاتا ہے مگر وہ اس کے لیے صدقہ (جاریہ) ہو جاتا ہے۔

(2) ”إن قامت الساعة وفي يد أحدكم فسيلة فإن استطاع أن لا يقوم حتى يغرسها فليغرسها“۔

ترجمہ: اگر قیامت قائم ہو رہی ہو اور تم میں سے کسی کے ہاتھ میں پودہ ہو اور وہ اس بات پر قادر ہو کہ قیامت قائم ہونے سے پہلے وہ اسے لگا لے گا تو ضرور لگائے۔

ان روایات کی روشنی میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ اسلام سے نہ صرف وسائل فطرت سے استفادہ کی اجازت دی ہے، بلکہ ارزانی اور گرانی اور امیری و غریبی ہر حالت میں اس کو ترقی دینے اور اس میں اضافہ کرنے کی وصیت کی ہے۔ احادیث کے علاوہ اسلامی فقہ اور اصول فقہ کی کتابوں میں بہت سے اصولی اور فروعی جزئیات نقل کیے گئے ہیں جن سے فطرت کی اہمیت اور افادیت مترشح ہوتی ہے۔ ان سب امور کی وجہ،

جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا، یہ ہے کہ یہ مظاہر فطرت تقرب الہی کا معتبر اور مضبوط ذریعہ ہیں۔

1.2.5 اسلام کا نظریہ ماحولیات

قرآن کریم میں مختلف عناصر قدرت و ماحولیات کا مکرر تذکرہ ملتا ہے شجر حجر، شمس و قمر، سیارے، آسمان، پرندے حشرات الارض، درندے اور دیگر بے شمار نباتات و حیوانات کے تذکرے سے قرآن پر ہے۔ ان کے تذکرے سے ان کی اہمیت بھی مفہوم ہوتی ہے نیز ان کی افادیت اور ضرورتوں کا بیان ہے۔ ارشاد ہے: ”أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا نَسُوقُ الْمَاءَ إِلَى الْأَرْضِ الْجُرُزِ فَنُخْرِجُ بِهِ زَرْعًا تَأْكُلُ مِنْهُ أَنْعَامُهُمْ وَأَنْفُسُهُمْ أَفَلَا يُبْصِرُونَ“ (سجہ: 27)۔ ترجمہ: (اور کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم پانی کو بنجر زمین کی طرف بہا لے جاتے ہیں، پھر ہم اس سے کھیت نکالتے ہیں جس سے ان کے چوپائے (بھی) کھاتے ہیں اور وہ خود بھی کھاتے ہیں، تو کیا وہ دیکھتے نہیں ہیں)۔ یہاں پر food cycle میں primary consumer یعنی صارف اول کا تذکرہ ہے۔ اللہ تعالیٰ یہ بھی فرماتا ہے: (بلکہ وہ کون ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا اور تمہارے لئے آسمانی فضا سے پانی اتارا، پھر ہم نے اس [پانی] سے تازہ اور خوش نما باغات اگائے؟ تمہارے لئے ممکن نہ تھا کہ تم ان [باغات] کے درخت اگا سکتے۔ کیا اللہ کے ساتھ کوئی [اور بھی] معبود ہے؟ بلکہ یہ وہ لوگ ہیں جو [راہِ حق سے] پرے ہٹ رہے ہیں۔ بلکہ وہ کون ہے جس نے زمین کو قرار گاہ بنایا اور اس کے درمیان نہریں بنائیں اور اس کے لئے بھاری پہاڑ بنائے۔ اور [کھاری اور شیریں] دو سمندروں کے درمیان آڑ بنائی؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی [اور بھی] معبود ہے؟ بلکہ ان [کفار] میں سے اکثر لوگ بے علم ہیں) (النمل: 61-60)۔ قرآن میں متعدد آیات ہیں جن میں مظاہر فطرت کا بیان ہوا ہے ان تمام بیانات کا مقصد اللہ کی وحدت، اس کی رحمت، اس کی قدرت اور اس کی نعمت کی جانب توجہ دلانا مقصود ہے۔ چنانچہ بے شمار آیتوں میں کہا گیا کہ اس میں عقل والوں، تدبر والوں، غور و فکر کرنے والوں اور ایمان لانے والوں اور اہل علم کے لیے نشانی ہے اس سے معلوم ہوا کہ مظاہر فطرت کا بیان کرنا اللہ کا اپنی وحدانیت کی دلیل کے طور پر ہے۔ ان امور کے تذکرہ سے ان کی اہمیت و افادیت پر روشنی بھی پڑتی ہے۔ چنانچہ ایک دوسری آیت میں: (اور نہیں پیدا کیا ہم آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے مگر برحق) (جاثیہ: 85)۔

ایک دوسری آیت سے مفہوم ہوتا ہے کہ اللہ نے زمین و آسمان اور جو کچھ ان کے درمیان ہے بے کار نہیں پیدا کیا۔ ”وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لَاعِبِينَ“ (دخان: 38)۔ ان آیات سے اسلام کا مظاہر فطرت و عناصر ماحولیات کے تئیں کیا رویہ ہے واضح ہوتا ہے۔ اب اسلامی تناظر کے حوالے سے ماحولیات میں انسان کا رول کیا ہے؟ دیکھتے ہیں۔ یہ واضح ہے کہ تمام کائنات انسان کے لیے بنائی گئی ہے اور انسان کو سب سے مکرم بنایا گیا ہے سورہ بنی اسرائیل آیت: 70 میں ارشاد ہے ”وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ“۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”وَسَخَّرَ لَكُم مَّا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مِّنْهُ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْتَقِرُونَ“ (الجماعیہ: 13)، ترجمہ: (اور اُس نے تمہارے لئے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، سب کو اپنی طرف سے [نظام کے تحت] مسخر کر دیا ہے، بیشک اس میں اُن لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو غور و فکر کرتے ہیں)۔

مذکورہ بالا آیت سے واضح ہے کہ تمام دنیا انسانوں کے لیے پیدا کی گئی ہے۔ اس سے صاف واضح ہے دنیا و مافیہا کو انسانوں کے فائدے کی

قید کے ساتھ پیدا کیا گیا ہے۔

5.2.2 انسان زمین پر اللہ کا خلیفہ ہے

اسلام کا نظریہ یہ ہے کہ انسان اللہ کا زمین میں خلیفہ ہے۔ قرآن میں سات مقامات پر خلیفۃ اللہ فی الارض کا لفظ آیا ہے ارشاد ہے: ”وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً قَالُوا أَتَجْعَلُ فِيهَا مَنْ يُفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَاءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ قَالَ إِنِّي أَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُونَ“ (سورہ البقرہ: 30)، ترجمہ: (اور جب کہا تیرے رب نے فرشتوں کو کہ میں بنانے والا ہوں زمین میں ایک نائب...)۔

کسی کا خلیفہ اور نائب ہونے کا مطلب ہوتا ہے اس امر میں اس کی جانب سے نگرانی کرے ترقی اور تعمیری کام کر کے چیز کو بچائے نہ یہ کہ تخریبی کام کرے اور جس میں خلیفہ بنایا گیا تھا اس میں فساد پھیلانے۔ پس اللہ کا خلیفہ ہونے کا مطلب بھی یہی ہوا کہ جو چیزیں انسان کے علاوہ ہیں ان کی نگرانی کرے اور بگاڑ سے بچائے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”تمام چیزیں زمین میں تمہارے لیے پیدا کی“ (سورہ البقرہ: 29)۔ بہر حال یہ تو اللہ نے تمام چیزیں ہمارے لیے پیدا کیں اس سے مراد تعمیری خلافت ہے نہ کہ تخریبی۔ یہ خلافت ارضی امتحان کے طور پر ہے تاکہ اللہ تعالیٰ آزمائے کہ ان چیزوں کے تئیں انسان کیارویہ اختیار کرتا ہے چنانچہ ارشاد و باری ہے: ”اور اسی نے تم کو نائب کیا ہے زمین میں تاکہ آزمائے تم کو اپنے دیے ہوئے حکموں میں“ (سورہ الانعام: 165)۔

اس آیت سے صاف مفہوم ہو رہا ہے کہ خلافت اور نیابت کا مقصد امتحان اور آزمائش ہے کہ انسان ان چیزوں کے ساتھ کیسا برتاؤ کرتا ہے۔ اس سے واضح ہو گیا ہے کہ خلافت سے مراد تعمیری خلافت ہے نہ کہ تخریبی۔ اس کی اور بھی مثال و دلیل ہیں مثلاً اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”اور اسی نے پیدا کیے باغ ٹٹیوں پر چڑھا جاتے ہیں اور جو ٹٹیوں پر چڑھائے نہیں جائے اور کھجور کے درخت اور کھیتی کے مختلف ہیں ان کے پھل اور پیدا کیا زیتون اور انار کو ایک دوسرے کے مشابہ اور ایک دوسرے سے الگ بھی کھاؤ ان کے پھل میں جس وقت پھل لائیں اور ادا کرنے کا حق جس دن ان کو کاٹو اور بے جا خرچ نہ کرو اس کو خوش نہیں آتے بے جا خرچ کرنے والے“ (سورہ الانعام: 141)۔

انسان نے جب جب تخریبی رویہ اختیار کیا یہ خلافت اس سے نہ صرف سلب کر لی گئی بلکہ اس کو تباہ کر دیا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”وَإِذْ كُنَّا إِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَاءَ مِنْ بَعْدِ قَوْمِ نُوحٍ“ (سورہ اعراف: 69)، ترجمہ: (اور یاد کرو جب اس نے تمہیں قوم نوح کے بعد [زمین پر] جانشین بنایا)۔ جب پہلی قوم نے یعنی نوح علیہ السلام کی قوم نے خلافت ارضی کی ذمہ داری پوری نہیں کی تو ان سے سلب کر کے بعد کی قوم کو دے دیا گیا۔ اسی طرح ارشاد ہے: ”وَإِذْ كُنَّا إِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَاءَ مِنْ بَعْدِ عَادٍ“، ترجمہ: (اور یاد کرو جب اس نے تمہیں قوم عاد کے بعد [زمین پر] جانشین بنایا)۔ (سورہ اعراف: 74) الحاصل تعمیری خلافت ہی مطلوب ہے اسی لئے قرآن میں نعمتوں کے تذکرہ کے بعد فرمایا کہ اسراف و تبذیر مت کرو یعنی بے جا خرچ مت کرو۔ ایک دوسری آیت میں فرمایا گیا ہے: ”وَلَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا“ (اعراف: 85)، یعنی زمین کو جس حالت پر پیدا کیا گیا تھا اس سے اس کو مت ہٹاؤ اور خرابی مت پھیلاؤ۔ ظاہر سی بات ہے کہ ماحولیات خلی اگر ہم ڈالتے ہیں تو یہ بھی اصلاح کے بعد خرابی ہے۔ اسلام میں ماحولیات اور اس کے تحفظ کے قوانین اتنے سخت ہیں کہ اگر آدمی ان کو پورا نہ کرے

تو عتاب الہی کا مستحق ہو سکتا ہے۔ اگر زمین میں انسان خلیفہ بنایا گیا تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ فساد مچائے بلکہ امانت کی ذمہ داری سے بھی زیر بار کیا گیا ہے گویا خلافت فی الامانت ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مختلف نسل کے حیوانات اور نباتات یعنی حیاتیاتی تنوع (bio-diversity) بلکہ پوری کائنات ایک نعمت کے طور پر ہے جس میں بگاڑ پیدا کرنے کی اجازت نہیں بلکہ اس کے متعلق آخرت میں سوال و حساب ہوگا یعنی اسلام میں ماحولیات کا تصور صرف اس دنیاوی اخلاق و قوانین و آئین تک محدود نہیں جیسا کہ دیگر دنیا کے قانون میں ہے بلکہ اسلام میں ماحولیات کا تصور آخرت یعنی ابدی زندگی تک محدود ہے کہ ہر چیز کے متعلق سوال ہوگا اور آدمی جزایا سزا کا مستحق ہوگا اتنا اہم اور مضبوط تصور ماحولیات کا دنیاوی آئین و قانون تو کیا دیگر مذاہب میں ملنا بھی محال ہے۔ اسلام کا تصور ماحولیات تو یہ ہے کہ آلودگی اور فضلات و گندگی کے تصفیہ کے بغیر ایک مسلمان کامل مسلمان نہیں ہو سکتا، نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: اَلطُّهُورُ نِصْفُ الْاِيْمَانِ ترجمہ: پاکیزگی نصف ایمان ہے۔ اس سے واضح ہوا کہ آلودگی سے دور رہنے اور دور کرنے کی کتنی اہمیت ہے اسلام میں۔ جس کی مثال دیگر مذاہب اور دنیاوی آئین میں ملنا محال ہے۔

5.3 اسلامی مقدمات میں مختلف عنصر ماحولیات کا تذکرہ

1. قرآن کریم میں سات سطح فضائی (Spheres) کا تذکرہ

عربی کا لفظ ”سَمَاء“ بہت وسیع مفہوم رکھتا ہے۔ چنانچہ لغت میں ”كُلُّ مَا عَلَاكَ“ یعنی جو بھی چیز اور پر ہے وہ لفظ سماء کے عموم میں داخل ہے۔ اسی لیے گھر کی چھت کو بھی سماء کہتے ہیں۔ علامہ صاوی نے بھی جلالین کے حاشیہ میں لفظ ”سَمَاء“ سے مراد: ’اونچائی کی جانب‘ درج ہے۔ خود قرآن کریم میں لفظ عام معنی سے الگ مفہوم میں استعمال ہوا ہے ارشاد باری ہے: یا بارش کی طرح جو آسمان (بادل) سے برسائے۔ علامہ سیوطی یہاں سماء کی تفسیر ’المسحاب‘ سے کرتے ہیں یعنی بادل۔ معلوم ہوا کہ کہ سماء کا اطلاق بلندی کی چیزوں کے لیے ہوتا ہے۔ سائنس کرہ فضا میں سات طبقات کی قائل ہے۔

1- ٹروپوسفر (Troposphere) 2- ٹروپوپاز (Tropopause)

3- ایسٹروٹوسفیر (Stratosphere) 4- ایسٹروٹوپاز (Stratopause)

5- میزوسفر (Mesosphere) 6- میزوپاز (Mesopause)

7- تھرموسفر (Thermosphere)

2. قرآن میں ہر نوع کی مخلوق کے نظام حیات (Community Ecosystem) کا تذکرہ

مخلوقات میں جتنی نوع کی مخلوق ہیں وہ (نامئے) اپنے ماحولیات یعنی سورج کی توانائی اور شعاعیں، صارف اول یعنی جانور، صارف ثانی، ہوا، پانی اور مٹی سے متاثر ہوتے ہیں اور اپنے ماحولیات کو متاثر کرتے ہیں اسی کو community ecosystem کہا جائے گا۔ مثلاً انسان ہے وہ اپنے اطراف کے ماحولیات مثلاً شمسی توانائی، فضاء، پانی، مٹی اور پتھر اور جانوروں سے متاثر ہوتا ہے یا ان کو متاثر کرتا ہے اسی کو نظام

حیاتیات ecosystem کہتے ہیں۔ اسی طرح ہر نوع کی مخلوق مثلاً چرند پرند درند پھر ان کے اندر کے انواع اپنے ماحولیات سے متاثر ہوتے ہیں یا متاثر کرتے ہیں۔ اس کا تذکرہ قرآن پاک میں آیا ہے ”اور نہیں ہے کو چلنے والا زمین میں اور نہ پرندہ کہ اڑتا ہے اپنے دو بازوؤں سے مگر ہر ایک امت ہے تمہاری طرح“ (سورہ الانعام: 38) سیوطی اس کی تفسیر میں کہتے ہیں۔ ”ای فی تدبیر خلقها وأحوالها“ یعنی اس کی خلقت اور پیدائش کی تدبیر میں اور دیگر احوال میں (وہ چرند پرند تمہاری امت ہیں) سیوطی کی تفسیری فوائد نے بات اور واضح کر دی کہ ہر نوع کی مخلوق انسانوں کی طرح ہی حال رکھتی ہے تخلیق میں اور دیگر احوال میں یعنی جس طرح مذکورہ بالا تفصیل کے مطابق انسانوں کا community ecosystem ہے۔ ویسی ہی ہر مخلوق کا ہے اور یہ بات معقول اور مشاہدہ ہے ہم دیکھتے ہیں جس طرح انسان شمسی شعاعوں، بے جان اشیاء مثلاً ہوا، پانی، مٹی، پتھر، اول صارف، ثانوی صارف اور اشیاء کے حالات کو بدلنے والے یعنی چیزوں کے مادہ کو تبدیل کرنے والے جیسے حشر الارض سے انسان متاثر ہوتا ہے اور ان سے ان کا نظام حیات چلتا ہے ایسے ہی دیگر انواع کا بھی نظام حیات ہے۔ اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ قرآن میں community ecosystem کا بیان ہے۔

3. قرآن میں پانی کا تذکرہ

تقریباً 59 مقامات پر قرآن میں پانی ”ماء“ کا تذکرہ آیا ہے۔ اس سے قرآن کے نزدیک پانی کی اہمیت سمجھ میں آتی ہے۔ پانی ecosystem کے غیر ذی حیات مادہ (abiotic substance) میں سے ایک ہے اس کی اہمیت جدید سائنس کے نزدیک بھی مسلم ہے۔ ہر چیز میں پانی کی آمیزش ہے جو انسان میں 75 فیصد ایک اندازے کے مطابق پانی ہے۔ خود خون میں پانی کی آمیزش ہے اسی لئے وہ جسم انسانی میں رواں دواں ہے۔ قرآن میں حیرت انگیز طور پر چودہ سو سال قبل بیان کیا گیا، (اور ہم نے ہر زندہ چیز پانی سے پیدا کیا)۔

اس سے ایک اور بات مفہوم ہوئی وہ یہ کہ جس چیز میں بھی پانی یعنی O_2 ہے اس میں حیات ہے۔ اس لیے ایک نظریہ یہ بھی ہے کہ دنیا میں ہر چیز حیات ہے ہاں اس کے اندر یا تو پانچوں حواس ”sense“ پائے جائیں گے یا ایک دو بھی ممکن ہے، کیونکہ قرآن میں بھی کہا گیا ہے ”ہر چیز اس کی تسبیح بیان کرتی ہے لیکن تم ان کی تسبیح کو نہیں سمجھتے۔“ (بنی اسرائیل: 44) یہ بات جب ہی ممکن ہے جب چیزوں میں حیات ہو ہاں ان میں حس میں سے کتنے حس ہوں یہ امر مبہم ہے ہو سکتا ہے دو یا ایک۔ اس بات کی اس سے بھی تائید ہوتی ہے کہ سورہ بقرہ میں ایک مقام پر انسانی دل اور پتھر کو ایک دوسرے کے مقابل میں بیان کیا گیا ہے۔ ”پھر تمہارے دل سخت ہو گئے اس سب کے بعد سو وہ ہو گئے جیسے پتھر یا ان سے بھی سخت اور پتھروں میں سے تو ایسے ہیں جن سے جاری ہوتی ہیں نہریں“ (بقرہ: 74) یہاں انسانی دل کی سختی (حس) کو پتھر کے مقابلہ میں لایا گیا اور پھر کہا گیا کہ پتھر کی سختی اس سے بھی کم ہے۔ ظاہر سی بات ہے جب پہلے ”سختی“ سے مراد حس ہے تو دوسری سختی یعنی پتھر کی سختی سے مراد بھی حس ہے۔ معلوم ہوا کہ پتھر میں حس ہوتا ہے۔ جب اس میں حس ہے تو زندگی ہے اسی لئے سائنس سے ثابت ہے کہ پتھر میں پانی یعنی O_2 کا مادہ ہوتا ہے۔ الحاصل قرآن کریم کی مذکورہ بالا آیت سے مفہوم ہوا کہ جس چیز میں O_2 ہوگا اس میں حیات ہوگی اسی لئے کہا گیا کہ ہر چیز تسبیح بیان کرتی ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ نظریہ صحیح ہے کہ ہر چیز میں حیات ہے۔

4. قرآن میں پاکی، صفائی اور طہارت

اسلام پاک، صفائی اور طہارت کا مذہب ہے۔ قرآن کریم میں سترہ (17) مقامات پر طہارت اور اس کے مشتقات استعمال ہوئے ہیں اور تقریباً تینتالیس (43) مقامات پر طیب اور اس کے مشتقات استعمال ہوئے ہیں۔ ارشاد ہے: (اور اللہ پسند کرتا ہے صاف ستھروں کو)، (توبہ: 108)۔ ایک جگہ اور ارشاد فرمایا: (بے شک اللہ پسند کرتا ہے بہت توبہ کرنے والوں کو اور پسند کرتا ہے صاف ستھروں کو)، (بقرہ: 222)۔ سورہ مدثر کی چوتھی آیت میں وارد ہوا ہے: ”پس اپنے کپڑوں کو پاک کر لیجیے“ اسلام کو گندگی پسند نہیں۔ مذکورہ طہارت جس کا ذکر قرآن میں ہوا ہے صرف بدن یا کپڑے کی صفائی تک محدود نہیں بلکہ کھانے اور پینے کی اشیاء تک وسیع ہے۔ قرآن میں صاف اور غیر آلودہ کھانے کی تلقین کرتا ہے اور ارشاد ہے: ”وکلوا مما رزقکم اللہ حلالاً طیباً“ (مائدہ: 88) اور کھاؤ جو کچھ اللہ نے تمہیں روزی دی ہے حلال و پاکیزہ“ اس آیت میں لفظ حلال کے بعد طیب کا اضافہ بتا رہا ہے کہ روزی حلال ہونے کے ساتھ صاف ستھری بھی ہونے چاہئے یعنی غیر آلودہ (unpolluted)۔ یہی قرآن کا مقصد ہے اس سے قرآن کا ماحول یا صفائی کا نظریہ بھی واضح ہوتا ہے۔

5. قرآن میں زرخیز سطح زمین کو فرسودہ کرنے (Soil Erosion) سے ممانعت

ارشاد ہے: ”وَلَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا“ (اعراف: 85)، ترجمہ: (اور زمین میں فساد مت پھیلاؤ اس کے اصلاح کے بعد)۔ اصلاح کے ایک معنی قرآن میں بانجھ کو زرخیز کرنے کے بھی آئے ہیں۔ چنانچہ حضرت زکریا علیہ السلام کی اہلیہ جو بانجھ ہو گئی تھیں کبر سنی کی وجہ سے کے تعلق سے ارشاد ہے: ”وَوَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ وَيُحْيَىٰ وَأَصْلَحْنَا لَهُ زَوْجَهُ“ (انبیاء: 72)، ترجمہ: (اس کو [زکریا علیہ السلام] کو یحییٰ عطا کیا اور اس کے لیے اس کی بیوی کو درست کیا)۔ اس آیت میں لفظ اصلاح بانجھ پن کو دور کرنے کے معنی میں آیا ہے۔ اگر اصلاح کا یہی مفہوم مذکورۃ الصدر آیت میں لے لیا جائے تو آیت کا مفہوم ہو گا زمین میں فساد مت پھیلاؤ اس کے قابل زرخیز ہونے کے بعد یعنی زمین کی زرخیزی کی قابلیت اور صلاحیت کے بعد اس کو برباد مت کرو۔ آج soil erosion یعنی جنگلات کے خاتمہ، مویشیوں کو زیادہ چرانے اور محافظہ ارض چھوٹے پیڑ پودوں کے اکھاڑنے جیسے عمل سے پانی اور ہوا کے ذریعہ زرخیز ارض کا خاتمہ ہو رہا ہے۔ مذکورہ بالا آیت کے ضمن میں یہ انسانی عمل soil erosion فساد کے ضمن میں آتا ہے جس کی مذکورہ آیت میں ممانعت آئی ہے۔

6. قرآن میں حیوی توازن (Ecological Balance) کا تذکرہ

حیوی توازن کہتے ہیں ایک نوع کی حیات کے گروہ میں اعتدال اور توازن جہاں اختلاف علی حالہ باقی رہتا ہے۔ سائنسداں تسلیم کرتے ہیں کہ کائنات کے ہر حیاتی و غیر حیاتی گروہ میں اعتدال ہے جسے وہ توازن سے تعبیر کرتے ہیں۔ یہ امر مشاہدہ بھی ہے کہ کائنات کی ہر چیز میں توازن رکھا گیا مثلاً فضا میں آکسیجن، کاربن اور نائٹروجن کی ایک خاص مقدار ہے۔ اگر اس مقرر مقدار میں کسی بھی گیس میں مذکورہ مقدار سے کم یا زیادہ ہو جائے مثلاً کاربن ڈائی آکسائیڈ 0.3 فیصد بڑھ کر 5 فیصد ہو جائے یا آکسیجن ایک فیصد سے دس فیصد ہو جائے تو توازن بگڑ جائے گا اور کاروان حیات بری طرح متاثر ہوگا۔ دنیا کا موجودہ نظام نہیں چل پائے گا۔ اسی طرح انسان سائنس کے ذریعہ کاربن ڈائی آکسائیڈ چھوڑتا ہے ایک مخصوص مقدار میں جس کو نباتات لیتے ہیں اور نباتات آکسیجن چھوڑتے ہیں جس کو انسان سانس کے ذریعہ اندر لیتا ہے یہ ایک مخصوص مقدار میں ہوتا ہے۔ اگر اس مقدار میں کمی زیادتی ہو گئی تو توازن متاثر ہوگا اور دونوں کی حیات خطرہ میں پڑ جائے گی۔ اسی طرح پانی میں مختلف

قسم کی گیس مقرر مقدار میں ہے اگر اس مقدار میں حذف و اضافہ ہو جائے تو آبی حیات باقی نہیں رہ سکتی۔

قرآن کریم کی متعدد آیات میں اس اعتدال کا تذکرہ آیا ہے۔ ارشاد ہے: بے شک ہم نے ہر چیز ایک اندازے سے پیدا فرمائی۔ (قمر: 49)۔ دوسری جگہ ارشاد ہے: ”وخلق کل شئ بقدرہ تقدیراً“ (فرقان: 2)۔ ترجمہ: اس نے ہر شے پیدا کر کے ٹھیک اندازے پر رکھی۔ ایک اور جگہ ارشاد ہے: اور اس زمین میں ہر شے اندازے سے اگائی، (حجر: 19) ان تمام آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ کائنات کی ہر چیز میں ایک مقدار معلوم اور اندازہ ہے جس کو ماحولیاتی توازن (ecological balance) کہتے ہیں۔

بعض حضرات نے سورہ رحمن میں لفظ میزان سے حیاتیاتی توازن یعنی (ecological balance) مراد لیا ہے مگر مطالعہ یہ کہتا ہے المیزان سے مراد قرآن میں عام طور پر حسی میزان یعنی ترازو کے معنی ہی ہیں یعنی تجارتی ناپ تول کالہ دلیل اس کی یہ ہے کہ جہاں کہیں بھی المیزان ہے وہاں سیاق و سباق میں حسی ناپ تول کی ہی بات ہو رہی ہے چنانچہ ارشاد ہے ”واوفوا الکیل والمیزان بالقسط“ اور پورا کرنا ناپ تول جو تجارت میں ہوئی ہے یا لین دین میں ہوتی ہے اسی سیاق میں آیا ہے اوفوا کا صیغہ بتا رہا ہے کہ المیزان سے مراد حسی ترازو ہے۔ دوسری آیت ہے: ”والوزن یومئذ الحق فمن ثقلت موازينه فاولئک هم المفلحون ومن خفت موازينه“ (الاعراف: 8)، ترجمہ: اور تول اس دن ٹھیک ہوگی پھر جس کی تولیں بھاری ہوئیں وہی ہیں نجات پانے والے۔ وزن کا لفظ یہاں ناپ تول کے معنی میں ہے موازين، المیزان کی جمع ہے اب یہاں ثقلت یعنی بھاری ہونا اور خفت یعنی ہلکا ہونے کا لاحقہ بتا رہا ہے کہ موازين سے مراد تول اور ناپ ہے ہاں یہ آخرت کا معاملہ تو وہاں کی ناپ تول دنیا کی حسی ناپ تول کی طرح ہوگی؟ یہ امر مبہم ہے۔ الحاصل یہاں بھی وزن اور موازين سے مراد معروف و مفہوم ناپ تول ہی ہے۔ ایک تیسری آیت ہے ”فاوفوا الکیل والمیزان ولا تبخسوا الناس اشیاہم۔ سوپوری کرو ناپ اور تول مٹ گھٹا کر دو لوگوں کو ان کی چیزیں۔“ (اعراف: 85)

یہاں المیزان سے قبل 'اوفوا الکیل' کا لفظ اور 'المیزان' کے بعد 'لا تبخسوا' کا لفظ بتا رہا ہے المیزان سے مراد ترازو ہے وہ بھی حسی۔ الغرض المیزان کا لفظ قرآن میں یا تو دنیا کی حسی ترازو یا خروئی ترازو کے معنی میں آیا ہے۔ لغت سے بھی یہی شہادت ملتی ہے چنانچہ صاحب مختار الصحاح فرماتے ہیں۔ ”وزن الشئ معروف یقال هذا یزن درهما یعنی مساویہ وتعدله وهذا یوازن هذا اذا کان علی زنته“ اس عبارت کا مفہوم ہے کہ وزن کا لفظ برابر کی کے معنی میں آتا ہے عربی کا مقولہ ہے هذا یزن درهما یہ قیمت میں یا ثقل میں ایک درہم کے برابر ہے۔ کہا جاتا ہے یہ اس کے موازن ہے جب کہ اس کے وزن کے برابر ہو۔ لغت سے بھی یہی مفہوم ہو رہا ہے وزن یا المیزان کا لفظ دو چیزوں کو برابر کرنے کے معنی میں ہے۔ ان تمام تفصیل کا مطلب یہ ہے کہ عربی زبان اور قرآن میں المیزان کا لفظ ترازو یا ناپ تول کے معنی میں ہی آیا ہے وہ حسی ہو یا خروئی۔ بعض حضرات کا سورہ رحمن کی آیت: ”الّا تطخوفی المیزان“ (رحمن: 8) سے کائناتی توازن اور ecological balance مراد لینا قیاس قرآن نہیں ہے۔ اس آیت کا واضح مطلب عدل و انصاف قائم رکھنا ہے۔ یہاں حسی ترازو مراد نہیں لیا جاسکتا کیونکہ اگلی آیت: 9 میں تو اس کا حکم ہو ہی رہا ہے۔ اس کا حکم ہو ہی رہا ہے۔ اس مفہوم کے لیے ”معلوم مقدار“ کی اصطلاح۔ قرین قرآن اور زیادہ مناسب ہے غرض ”معلوم مقدار“ یا ”کل شئ موزون“ بتا رہا ہے کہ توازن کائنات کو نہ بگاڑا جائے۔

7. قرآن میں غذائی جال (Food Web) کا تذکرہ

غذائی جال اس طرح بنتا ہے کہ ایک ہی چیز کو دو چیزیں کھا رہی ہوں مثلاً گھاس کھانے والے کیڑوں کو مینڈک بھی کھاتے ہیں اور گرگٹ بھی اس صورت میں توانائی کی منتقلی بہت پیچیدہ ہوتی ہے۔ قرآن میں بھی اس کا تذکرہ ہے جہاں سورہ عبس میں ذکر ہے کہ غلہ اور پھلوں کو جانور بھی کھاتے ہیں اور انسان (اور پھر انسان جانوروں کو کھاتا ہے اس طرح توانائی کے منتقلی کا ایک جال سا بنتا ہے) ارشاد ہے ”فلینظر الإنسان إلى طعامه“ (عبس: 24)۔ ترجمہ: تو آدمی کو چاہیے کہ اپنے کھانے کو دیکھے کہ ہم نے اچھی طرح پانی ڈالا۔ پھر زمین کو خوب چیرا تو اسمیں اگایا یا اناج اگور اور چارہ اور زیتون اور گھنے باغیچے اور میوے اور دوب تمہارے فائدے کو اور تمہارے چوپایوں۔ ان آیتوں سے مذکورہ تفصیل کی روشنی میں food web کی طرف اشارہ ملتا ہے۔

8. قرآن میں پانی کے چکر (Water Cycle) کا تذکرہ

یہ بات معلوم ہے کہ سمندروں کا پانی بخارات بن کر اوپر اٹھتا ہے پھر ایک مخصوص مقام پر دوبارہ پانی بنتا ہے (condensation) پھر دوبارہ زمین پر برستا ہے یعنی (precipitation) ہوتا ہے اسی بار بار کے عمل کو پانی کا چکر یا (water cycle) کہتے ہیں۔ اس عمل کا تذکرہ قرآن میں آیا ہے ارشاد ہے: ”ولقد صرفناه بینهم“ (فرقان: 50)۔ ترجمہ: اور ہم نے اس کو [پانی] ان کے درمیان بار بار بھرا۔ علامہ صاوی اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں: ای فرقناہ فی الاوقات المتغایرہ۔ یعنی ہم نے اس پانی کو لوگوں کے درمیان مختلف اوقات میں پھیر دیا۔ ظاہر سی بات ہے مختلف اوقات میں پانی کا برسنا جب ہی ہوگا جب (water cycle) کا عمل ہو الحاصل اس آیت میں آبی چکر یعنی (water cycle) کی طرف صریح اشارہ ہے۔

9. قرآن میں زمینی ایندھن (Fossil Fuel) کا تذکرہ

زمینی ایندھن سے کوئلہ پٹرول وغیرہ مراد ہوتے ہیں۔ ارشاد باری ہے: ”والذی أخرج المرعی ○ فجعله غشاءً أحوی“ (اعلیٰ: 4-5)۔ ترجمہ: (اور جس نے چارہ نکالا پھر اسے خشک سیاہ کوڑے میں بدل دیا)۔ ترکی نزاڈا کٹر بلوک باقی نے سیاہ کوڑے سے پٹرول مراد لیا ہے۔ مگر یہاں سیاہ کوڑے سے کوئلہ بھی مراد ہو سکتا ہے کیونکہ ہمیں معلوم ہے کہ یہی پیٹرول دے سڑگل کے ہزاروں سال کے عمل کے بعد کوئلہ بن جاتے ہیں۔

10. قرآن میں تیزابی/کھٹی بارش (Acid Rain) کا تذکرہ

ایسڈ کا ترجمہ جہاں تیزاب ہوتا ہے اور گلانے والا، وہیں اس کا ترجمہ ترش اور کھٹا بھی ہوتا ہے۔ لغت میں acid کا معنی لکھا ہے (with a soure taste) یعنی کھٹے اور ترش ذائقہ والا۔ قرآن میں ایسی ترش اور کھٹی بارش یعنی (acid rain) کا تذکرہ ہے ارشاد ہے: (بھلا بتاؤ وہ پانی جو تم پیتے ہو کیا تم اسے بادل سے اتارتے ہو یا ہم ہیں اتارنے والے اگر ہم چاہتے تو بنا دیتے اس کو کھارا) (واقعہ: 68)۔ اس آیت میں مذکور لفظ ”اجاجا“ کی تفسیر علامہ سیوطی نے ”ملحاً“ سے کی ہے یعنی نمک زدہ ہے ظاہر سی بات ہے نمک میں بھی گلانے کا مادہ ہوتا ہے جیسے تیزاب میں نیز دونوں کھارے ہوتے ہیں۔ اس لیے سیوطی کی تفسیر کے پیش نظر ”ملحاً“ سے (acid rain) مراد لیا جاسکتا ہے۔

غرض، اس آیت سے (acid rain) کی جانب اشارہ ہے۔ جیسا کہ آج دنیا اس کا سامنا کر رہی ہے۔

11. تخلیق کائنات اور قرآن

مطالعہ قرآن سے یہ واضح ہوتا ہے کہ سب سے اول پانی تھا اور اس پر خدا کا عرش تھا جیسا کہ ارشاد ہے: (اور وہی ہے جس نے بنائے آسمان اور زمین چھ دن میں اور اس کا تخت پانی پر تھا) (ہود: 7)۔ اس آیت کے سیاق سے پتہ چل رہا ہے کہ آسمان زمین کے بننے سے قبل ہی اللہ کا عرش وجود پذیر تھا اور ہر جگہ پانی ہونے کی وجہ سے اس کا عرش پانی پر تھا۔

اس بات کی تائید قرآن کی دوسری آیت سے بھی ہوتی ہے ارشاد ہے: ”ثم استوى الى العرش و هي دخان“ (حم سجدہ: 11)۔ ترجمہ: پھر چڑھا آسمان کو اور وہ بخارات ہو رہا تھا۔ یہاں دخان کا مفسرین اور مترجمین نے دھوئیں سے ترجمہ کیا ہے۔ جس کا انگریزی متبادل ہوگا (smoke)، اس صورت میں آیت کا مفہوم ہوگا کہ آسمان دھواں تھا لیکن علامہ سیوطی نے یہاں دخان کا ترجمہ بخار سے کیا ہے جس کا مطلب ہے آبی بخارات تھا جس کا انگریزی متبادل ہوگا (water یا vapour) الغرض سیوطی کی تفسیر کی روشنی میں بات واضح ہو جاتی ہے کہ اللہ کا عرش پانی پر تھا۔

اس کے بعد زمین و آسمان دونوں ملے ہوئے تھے اللہ نے ان کو الگ الگ کیا ارشاد ہے: ”كانتا رتقا ففتقناهما“ (انبیاء: 30) کیا نہیں دیکھا منکروں نے کہ آسمان و زمین میں ایک تھے قبل اس کے کہ ہم دونوں کو پھاڑ کر الگ کرتے۔ الحاصل زمین و آسمان کے متصل ہونے کے بعد اللہ نے دونوں کو الگ کیا۔

سائنس بھی اس بات کو تسلیم کرتا ہے کہ آسمان و زمین پھاڑ کر الگ کیے گئے ہیں۔ سائنس کی اصطلاح میں اس کو Big Bang کہا جاتا ہے یعنی بڑے دھماکے سے تمام کہکشاں (glaxies) کا وجود ہے۔ اس میں آسمان و زمین بھی داخل ہیں۔ بہر حال سائنس کا تسلیم شدہ اصول ہے کہ Big Bang سے تمام glaxies جس میں آسمان و زمین بھی داخل ہیں کا وجود ہوا جیسا کہ قرآن میں بھی مذکورہ بالا آیت میں ذکر ہے۔ پھر قرآن کے مطابق اللہ نے دونوں میں زمین بنائی دو دونوں میں جو کچھ اس میں ہے اس کو بنایا پھر دونوں میں آسمان بنایا۔

5.4 قرآن میں مختلف نباتات کا تذکرہ

کافور

یہ لفظ قرآن میں سورۃ الدھر آیت: 5 میں آیا ہے۔ کافور ایک قسم کی گھاس ہوتی ہے جو خوشبودار ہوتی ہے مگر مزہ اس کا تلخ ہوتا ہے اس میں Toxic یعنی زہریلا مادہ ملا ہوتا ہے اگر آدمی اس کو کھالے تو مر جائے گا مگر یہ درد کش ہوتا ہے یعنی خارجی مرمیوں کے ساتھ ملا کر درد پر رکھا جائے تو درد دور ہو جاتا ہے۔ اس کی تاریخ مختصر آئیہ ہے کہ یہ پودا عرب میں نہیں ہوتا تھا بلکہ یہ ہندوستان یا ایران وغیرہ میں ہوتا تھا عربوں کو ساتویں یا آٹھویں صدی میں ایران کے ذریعہ ہندوستان میں اس کے ہونے کا علم ہوا پھر یہاں سے اس کی تجارت ہونے لگی۔ مگر یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب عربوں کو اس کا علم اتنا بعد ہوا تو عرب جو قرآن کے اولین مخاطب تھے نزول قرآن کے وقت کافور سے کیا مراد لیتے تھے

بالفاظ دیگر قرآن میں مذکور کافور سے کون سے کافور مراد ہے جب کہ موجودہ کافور سے عرب اس وقت باخبر نہ تھے۔ ڈاکٹر اقتدار فاروقی صاحب کی رائے یہ ہے کہ قرآنی کافور سے مراد ایک قسم کی خوشبو ہے جس کو حنا یا مہندی کہا جاسکتا ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ کافور کے لیے فارسی لفظ کافور ہے۔

زقوم

قرآن میں ایک نباتی نام ”زقوم“ کا بھی آتا ہے جس کے قرآن میں چند صفات بیان ہوئے ہیں مثلاً وہ شیطان کے سر جیسا ہوتا ہے اس کے کھانے سے پیٹ میں چلن اور طغیانی کیفیت ہوتی ہے اور وہ تیل کے تلچھٹ جیسا ہوتا ہے۔ اکثر مفسرین نے اردو میں اس کا ترجمہ پھوہڑ سے کیا ہے جس کو ڈاکٹر اقتدار فاروقی نے سند اعتبار بخشا ہے اور کہا ہے کہ سائنسی اعتبار سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ تھوہڑ کا درخت پودوں کی اس جنس سے تعلق رکھتا ہے جس کو ”افور بیا“ کہا جاتا ہے۔ افور بیا ہندوستان، عرب اور افریقہ اور مراکش وغیرہ میں پایا جاتا ہے۔ ہندوستان افور بیا (cactus) نما ہوتے ہیں۔ لیکن (cactus) کو زقوم نہیں کہا جاسکتا کیونکہ قرآن میں بتائے زقوم کے صفات اس پر منطبق نہیں ہوتے۔

کھجور

جس پھل اور درخت کا حوالہ سب سے زیادہ قرآن میں دیا گیا ہے وہ ہے کھجور۔ کھجور کے گٹھلیوں اور اس کی قسموں وغیرہ کا ذکر قرآن پاک میں الگ الگ ناموں سے کیا گیا ہے مثلاً سورۃ الحشر میں کھجور کی ایک نفیس قسم کو ”لینۃ“ کہا گیا ہے۔ ”العرجون“ کھجور کے گچھے کی جڑ کو کہتے ہیں اسی طرح ”حبل“ کے معنی جناب عبداللہ یوسف علی نے کھجور کے پتوں کے بنی ہوئی رسی کے دیے ہیں جو سورۃ اللہب میں آیا ہے اور جو رسی ابو لہب کی بیوی کی گردن پر ہوگی ”دسر“ کا لفظ جو سورۃ القمر میں آیا ہے رسی کا معنی بھی سیوٹی نے اسی کے لیے ہیں جس سے تخت کو باندھا جاتا ہے۔ اب اگر مختلف ناموں سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ کھجور کا ذکر قرآن میں مختلف ناموں کے ساتھ 28 بار ہوا ہے۔

زیتون

زیتون کی اللہ نے قرآن میں قسم کھائی ہے (سورۃ تین: 1) زیتون کا ذکر قرآن میں چھ بار ہوا ہے۔ یہ ایک چھوٹا سا درخت ہے جس کی اونچائی اوسطاً 25 فٹ ہوتی ہے۔ اس کے کچے پھل اچار اور چٹنی کے کام آتے ہیں جب کہ پکے پھل بہت شیریں اور لذیذ ہوتے ہیں۔ یہ بیضوی شکل کا 2-3 سینٹی میٹر کا لمبا ہوتا ہے۔ ان کے گودے میں پندرہ سے چالیس فیصد تک تیل ہوتا ہے جلدی بیماریوں میں عام طور سے اور دوا میں خصوصاً نہایت مفید ہے زیتون کا اصل وطن شام اور فلسطین ہے۔

12. عنب

قرآن میں عنب (عنب: 28) یعنی انگور کا بھی تذکرہ ہے اور اس کے متعلقات خمر، سکر، کاسا کا بھی تذکرہ ہے۔ قرآن میں کل گیارہ جگہ انگور کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

13. انار

انار کا ذکر قرآن میں تین مرتبہ آیا ہے۔ اس کا عربی نام رمان (انعام: 141) ہے۔ اس کے بہت سے طبی فوائد بھی ہیں۔ اس کے بیج کے علاوہ اس کے چھلکے میں بھی فائدہ ہے۔

14. تین

تین (سورۃ تین: 1) یعنی انجیر کی قرآن میں قسم کھائی گئی ہے اس سے اس کی عظمت کا پتہ چلتا ہے کیونکہ قرآنی قسم میں مقسم بہ کی عظمت مراد ہوتی ہے۔ انجیر کا اصل وطن شام اور فلسطین ہے۔ یہ جوڑوں اور معدہ کے لیے بہت مفید ہے طبیعت کو ٹھنڈا کرتا ہے۔

15. اناج

قرآن میں ایک نبات ”عدس“ (بقرہ: 61) یعنی مسور کا بھی تذکرہ آیا ہے۔ یہ بھی بہت مفید ہوتا ہے یہ پسینہ اور پیشاب آور بھی ہوتا ہے اور یہ پھوڑے پھنسی میں بھی مفید ہوتا ہے۔

ایک آیت میں ”فوم“ (بقرہ: 61) کا لفظ آیا ہے بعض مفسرین نے اس کا ترجمہ گیہوں کیا ہے اور بعض نے لہسن سے۔ لیکن ڈاکٹر اقتدار فاروقی کی رائے میں لہسن اس کا زیادہ صحیح ترجمہ ہے۔ اس کی دو جوہات ہیں ایک تو ابن مسعود اور ابن عباس کی قرأت میں ”ثومہا“ کا لفظ آیا ہے جس کے معنی ہیں لہسن اور دوسری اہم وجہ یہ ہے کہ سبطی لوگ مصر کے عہد غلامی میں عدس یعنی مسور کو پیس کر اس کی روٹیاں کھاتے تھے اسی کے وہ عادی تھے۔ جس کا مطلب لفظ عدس کے تحت ہوا ہے اب دوبارہ فوم یعنی گیہوں کی روٹی کا مطالبہ ان کی عادت کے خلاف ہے۔

5.5 قرآن میں حشرات الارض (Insects) کا تذکرہ

حشرات ہمارے ماحولیات کا ایک اہم عنصر ہیں یہ (decomposers) ہوتے ہیں یعنی مردہ حیوانات اور سڑے گلے نباتات کو کھا کر ان کو کھاد میں تبدیل کرتے ہیں جن سے پھل پھول کی اگلی نسل تیار ہوتی ہے۔ اگر حشرات یہ کام نہ کریں تو ہمارا ماحولیات متعفن ہوگا اور نباتات کی اگلی نسل بھی تیار نہ ہو پائے گی۔ اس تفصیل سے حشرات کی ماحولیات میں افادیت واضح ہو جاتی ہے حشرات کی انہیں اہمیت و افادیت کے پیش نظر قرآن کریم میں مذکور چند اہم حشرات الارض کا ان کی ساخت کیادوی ترکیب، ان کی صفات و اعمال و حرکات پر مشتمل ان کا مختصر تذکرہ کیا جاتا ہے۔

مچھر

حشرات الارض میں مچھر ایک اہم قسم ہے جس کا وجود قدرت کی پیچیدہ صناعی پر مشتمل ہے۔ دیکھنے میں مچھر ایک حقیر جانور ہے جس کا جسم لمبوتر اور پتلا ہوتا ہے۔ پیر لمبے اور جوڑ دار اور سینے کے اوپری طرف ایک جوڑی باریک شفاف پر ہوتے ہیں۔ منہ کے اعضاء سرخ نما یعنی چھوٹے اور چوسنے والے ہوتے ہیں۔ سر پر ایک جوڑی مرکب آنکھیں اور ایک جوڑی بالی دار محسو سے یعنی انٹینا ہوتے ہیں جو ماحولیات کو محسوس کرنے میں مچھر کی مدد کرتے ہیں۔ عموماً گیڑوں کے دو جوڑی پر ہوتے ہیں مگر مچھر میں ان کی تعداد صرف دو ہوتی ہے یہ اگلے پر ہوتے

ہیں اور پیچھے ایک ہالٹس ہوتا ہے جوڑتے وقت مچھر کے توازن کو باقی رکھتا ہے۔ مچھر کے پر سخت پروٹین سے بنتے ہیں۔ ان کی سطح پر پھیلی ہوئی رگیں ہوتی ہیں جو ان کو مضبوطی عطا کرتے ہیں۔ ساتھ ہی پروں کے وہ سرے جن سے وہ جسم کے ساتھ جڑے ہوتے ہیں۔ ایک ربر جیسی پروٹین کے بنے ہوتے ہیں۔ پروں کی حرکت کے وقت یہ جوڑ ربر کی طرح کھینچتا ہے۔ اور پھر اپنی جگہ واپس آجاتا ہے۔ پروں کی حرکت میں ان ربر جیسے جوڑوں کا بھی ہاتھ ہے۔ جب پر اٹھتا ہے تو مچھر قوت لگا کر ربر والے جوڑ کو کھینچتا ہے لیکن ربر کی یہ خاصیت ہے کہ کھینچتے وقت جو توانائی کی خرچ ہوتی ہے وہ اس میں محفوظ ہو جاتی ہے اور پر کو واپس اپنی جگہ لانے میں استعمال کی جاتی ہے ربر جیسے جوڑ کی وجہ سے کم توانائی کے استعمال سے پروں کی حرکت خود بہ خود ہونے لگتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پر تیز حرکت کرتے ہیں لیکن اس کے باوجود نہیں ٹوٹتے۔ مچھر کا منہ نیچے کی طرف ایک بال جیسے سرخ سونڈ بناتا ہے جسے وہ جسم میں داخل کر کے خون کشید کر لیتا ہے۔ یہ سونڈ چھ عدد ریشوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ استعمال کے وقت یہ تماریشے جو الگ الگ ہوتے ہیں ایک دوسرے میں پیوست ہو کر صرف ایک سرخ جیسا عضو بنا لیتے ہیں۔ جب یہ ریشے یکجا ہوتے ہیں تو درمیان میں ایک پتلی سی نلی رہ جاتی ہے جس کے ذریعہ خون مچھر کے منہ میں جاتا ہے۔ ماحولیاتی اعتبار سے مچھر کی بہت اہمیت ہے یہ پانی میں موجود خورد ترین اجرام کو کھاتا ہے جس سے پانی صاف ہوتا ہے تو دوسری طرف یہ خود دیگر پرندوں وغیرہ کی غذا بنتا ہے۔

مکھی

مکھی بھی ماحولیات کا ایک اہم عنصر ہے۔ چونکہ اس کی غذا میں گندگی اور انسانی و حیوانی فضلات ہیں لہذا ماحولیات کی صفائی کے لیے یہ ایک بہترین ذریعہ ہے۔ اس کے وجود سے ماحولیات بہت سی تعفن اور آلودگیوں سے محفوظ رہتا ہے ذیل میں مکھی کی ساخت اور اس کے اعمال و حرکات کی قدرے تفصیل ہے جس کا مطالعہ دلچسپی سے خالی نہیں۔ مکھی کا جسم تین حصوں پر منقسم ہے۔ سر، سینہ اور پیٹ۔ سر کا بیشتر حصہ دو عدد مرکب آنکھوں سے بنا ہوا ہوتا ہے جن کے درمیان ایک چھوٹا سا پتلا حصہ مکھی کا چہرہ بناتا ہے۔ ہر آنکھ میں ہزاروں سلیس ہوتے ہیں۔ سینہ اور پیٹ کی کھال قدرے مخملیں اور باریک بالوں سے ڈھکی ہوتی ہے۔ رنگ گہرا سلیٹی ہوتا ہے جس پر گہرے تقریباً گالے رنگ کے دھبے نظر آتے ہیں۔ مکھی کے دو عدد پر ہوتے ہیں جن کی مدد سے وہ بہت تیزی سے اڑ سکتی ہے۔ جب ہوا تیزی سے اس کے پروں سے دھکیل جاتی تو بھن بھن کی آواز پیدا ہوتی ہے۔ یہاں ڈاکٹر شمس الاسلام فاروقی صاحب کی اس تحقیق پر کہ مچھر اور مکھی دونوں کی آواز پروں کی حرکت سے پیدا ہوتی ہے۔ یہ سوال ہے کہ جب دونوں کے پر ہوا کے دھکیلنے سے حرکت کرتے ہیں تو کیا وجہ ہے کہ مچھر اور مکھی کی اڑنے کی آواز میں واضح فرق پایا جاتا ہے؟ مکھی کی آواز بھن بھن کرنے کی ہوتی ہے جب کہ مچھر کی آواز دوسری نوعیت کی ہوتی ہے۔ یہ آواز بجائے پر کے منہ سے نکلتی ہے۔ جبھی دونوں کی آواز میں واضح فرق پایا جاتا ہے۔

مکھی کے منہ میں بھی نیچے کی طرف ایک سونڈ ہوتی ہے جو مچھر کی سونڈ سے کسی قدر مختلف ہوتی ہے۔ وہ سوئی جیسی اور سرخ نما نہیں ہوتی بلکہ جوڑی اور جھلی دار ہوتی ہے جس کے سبب یہ عموماً منہ کے نیچے سکڑی ہوئی حالت میں رہتی ہے لیکن استعمال کے وقت بعض عضلات کی مدد اور خون کے دباؤ کی وجہ سے تن کر لمبی اور بڑی ہو جاتی ہے۔ دوسرے کیڑوں کی طرح مکھی کے بھی چھ پیر ہوتے ہیں۔ ہر پیر میں چھ جوڑے ہوتے ہیں جن کی مدد سے وہ ہر جگہ بہت آسان سے بیٹھ سکتی ہے۔ ہر پیر کا آخری سر ایک جوڑی نیچے پر ختم ہوتا ہے جس کی مدد سے مکھی

ہر قسم کی سطح پر ایک مضبوط گرفت بنا سکتی ہے۔ دونوں پنجنوں کے نیچے اور درمیان میں گدے دار عضو ہوتے ہیں۔ پنجنوں کے نیچے کی گدیاں قدرے پتی تاہم درمیان کی گدی چوڑی ہوتی ہے۔ ان گدے دار اعضا پر چھوٹے چھوٹے بال ہوتے ہیں جو اندر سے کھلو کھلے ہوتے ہیں اور باہری سرے پر باریک سوراخوں سے کھلتے ہیں۔ ان کے ذریعہ ایک چپ چپی رطوبت باہر نکلتی رہتی ہے۔ جو مکھی کو کسی بھی سطح پر چپکنے میں مدد کرتی ہے۔ ایک مادہ مکھی ہر روز 50 سے 75 انڈے دیتی ہے۔ انڈے دینے کے تقریباً 8 گھنٹے بعد ہی ان سے مکھی کا لاروے نکل آتے ہیں۔ یہ پانچ دن تک غلاظت اور گندگی میں پلتے اور بڑھتے رہتے ہیں اور پھر پیپوں (Pupa) میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ اگلے پانچ دن بعد پیپوں سے نئی مکھیاں نکل آتی ہیں۔ الحاصل، جہاں مکھیوں سے نقصانات ہیں وہیں ان سے بہت سے مفاد وابستہ ہیں۔ مذکورہ بالا سطور سے میں مکھیوں کی ساخت اور ترکیبی نوعیت اسی لیے درج کی گئی ہے تاکہ واضح ہو جائے کہ وہ ماحولیات کے لیے مفید کس طرح ہیں۔

ٹڈی

قرآن کریم میں جن کیڑے مکوڑوں کا تذکرہ آیا ہے ان میں سے ایک ٹڈی بھی ہے جس کا عربی نام الجراد ہے۔ اس کی ساخت یہ ہے کہ مادہ ٹڈیاں ریتیلی اور بھر بھری زمین میں نیچے انڈے دیتی ہیں۔ برسات میں جب مٹی نرم ہو جاتی ہے تب انڈے دینے کا کام زور شور سے شروع ہوتا ہے۔ ٹڈی مناسب جگہ پر بیٹھ کر اپنے پیٹ کے سرے کو زمین کے اندر گھساتی ہے۔ اس کا پیٹ چند سخت حلقوں سے بنا ہوتا ہے جو ایک دوسرے سے جھلی کے ذریعہ جڑے ہوتے ہیں۔ آرام کی حالت میں حلقے ایک دوسرے پر چڑھے ہوتے ہیں اور جھلی ان کے درمیان چھپ جاتی ہے۔ اس وقت پیٹ کی لمبائی نارمل ہوتی ہے لیکن جب وہ انڈے دینے کی غرض سے پیٹ کے سرے کو زمین میں کھساتی ہے تو حلقوں کے درمیان کی جھلی کھینچ جاتی ہے۔ حلقے الگ الگ ہو جاتے ہیں اور پیٹ غیر معمولی لمبا ہو جاتا ہے۔ جب پیٹ کا سرازمین میں 8 سے 15 سینٹی میٹر نیچے تک پہنچ جاتا ہے تو ٹڈی گچھوں میں انڈے دیتی ہے۔ ایک گچھے میں انڈے کی تعداد ڈیڑھ سو تک ہو سکتی ہے یہ انڈے 7 سے 8 ملی میٹر لمبے ہوتے ہیں اور دیکھنے میں چاول کے دانوں کی طرح نظر آتے ہیں۔ انڈے کے گچھے پر مادہ ٹڈی ایک جھاگ جیسی رطوبت چھوڑ دیتی ہے۔ جو خشک ہو کر اسپنج کی طرح ہو جاتی ہے۔ اس طرح انڈے ایک قبر نما جگہ میں محفوظ ہو جاتے ہیں۔ اپنی زندگی میں ایک مادہ اتنے انڈے کئی بار دیتی ہے۔ انڈوں سے ڈیڑھ سے چار ہفتوں کے اندر ننھے بچے نکل آتے ہیں۔ بچے اسپنج کاٹ کر باہر نکلتا شروع ہوتے ہیں۔ بڑے بڑے میدانوں پر محیط تولیدی علاقوں میں ہزاروں لاکھوں بلوں سے کروڑوں کی تعداد میں ننھے بچے کود کر نکلتے ہیں اور ایک فوج کی شکل میں غذا کی تلاشی میں مل کر مارچ کرتے ہیں۔ ایک ٹڈی کی یومیہ خوراک اوسطاً 2 سے 3 گرام ہری پتیاں ہوتی ہے۔ اس حساب سے ایک کروڑ ٹڈیوں کی روزانہ خوراک بیس سے تیس ہزار کلو گرام ہری پتیاں ہوگی۔ فرض کیجئے کہ ٹڈیوں کا دل چند مربع میل میں پھیلا ہوا ہے اور وہ ایک مقام پر صرف چند روز قیام کر لیتا ہے اس سے ہونے والی تباہی کا اندازہ کرنا زیادہ دشوار نہ ہوگا۔ ٹڈی ایک خورد کیڑا ہے اور شریعت اسلامیہ نے بھی اس کے کھانے کی اجازت دی ہے۔ تاہم ٹڈی فطری ماحولیات کے لیے مضر ہے یہ تمام نباتات و زراعت اور میوہ جات کے لیے مہلک تصور کی جاتی ہے۔

شہد کی مکھی

یہ بھی ایک کیڑا ہے جس کا تذکرہ قرآن میں آیا ہے یہ ماحولیات دوست بھی ہے کیونکہ مختلف پھولوں سے رس چوس کر یہ انسانوں کے

لیے غذا اور دوائیاں تیار کرتی ہے۔ اس اہمیت کے پیش نظر اس سے متعلق کچھ تفصیلات ذیل کی سطور میں درج کی جا رہی ہیں۔

شہد کی مکھی کے چھتے کی چالیس سے اسی ہزار مکھیوں میں صرف ایک مادہ مکھی ایسی ہوتی ہے جس میں تولیدی صلاحیت ہوتی ہے یعنی وہ انڈے دے سکتی ہے۔ یہ مکھی رانی کہلاتی ہے اور قامت کے اعتبار سے سب سے بڑی ہوتی ہے۔ مختلف نر مکھیوں سے حاصل کیا ہوا مادہ منویہ ان کے جسم میں سالوں کے لیے محفوظ ہو جاتا ہے۔ نئی رانی مکھیاں اور کارکن مکھیاں پیدا کرنے کے لیے وہ اپنے انڈوں کا بارور کرتی ہیں۔ شہد کی مکھی کے چھتے میں رانی کے علاوہ سب سے بڑی تعداد کارکن مکھیوں کی ہوتی ہے جو مادہ لیکن بانجھ ہوتی ہیں یعنی وہ انڈے دینے کی صلاحیت نہیں رکھتی ہیں۔ چھتے کے تمام تر کام مثلاً چھتے میں نئے خانوں کا اضافہ انڈوں اور بچوں کی دیکھ بھال، لاروں اور رانی کو کھانا اور ان کے خانوں کی صفائی، باہر جا کر پھولوں اور پھولوں کا رس چوسنا اور شہد تیار کرنا اور پھر اسے چھتے کے خانوں میں ذخیرہ کرنا، اگر غیر چھتے کی مکھیاں شہد چرانے آئیں تو ان سے لڑنا ان ہی رضا کار مکھیوں کے کام ہیں۔ رانی مکھی کے انڈوں سے تین دن بعد لاروے نکل آتے ہیں۔ نئی کارکن مکھیاں پہلے دس دن چھتے میں رہ کر لاروں کی دیکھ بھال کرتی ہیں اس کے بعد وہ چھتے میں نئے خانوں کی تعمیر میں لگ جاتی ہیں۔ اس عرصہ میں ان کے پیٹ کے نیچے کے حصہ میں موجود کچھ غدود متحرک ہو کر موم پیدا کرتے ہیں جو پرتوں کی شکل میں باریک سوراخوں سے باہر نکلتے ہیں۔ مکھیاں اسے منہ میں لے کر گوندھتی ہیں اور پھر کسی ماہر معمار کی طرح پہلوی خانے تیار کراتی ہیں۔ اللہ نے انہیں بھی ایسی بے مثال صلاحیت اور طریقہ ودیعت کی ہے کہ ان کے تعمیر کئے ہوئے خانوں میں معمولی سا بھی فرق نہیں آتا۔ رانی کے خانے سب سے بڑے اور چھتے میں نیچے کی طرف لٹکے ہوتے ہیں۔ مکھی جب رس کے لیے ایک پھول سے دوسرے پر جاتی ہے تو زیرے کا کچھ حصہ انجانے میں خود بہ خود دوسرے پھولوں تک پہنچ جاتا ہے۔ بعض پودوں میں نر اور مادہ پھول ہوتے ہیں الگ الگ اس لئے مکھی کا یہ عمل زیرگی کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ مکھیوں کا شہد چھتے میں جمع ہو جاتا ہے اور بالا خر انسان کے کام آتا ہے۔

5.6 اکتسابی نتائج

اس اکائی میں آپ نے درج ذیل نکات سیکھے:

- اسلام میں ماحولیات کی اہمیت کا اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ قرآن کریم میں ان پر غور و تدبر کی دعوت دی گئی ہے تاکہ انسان ان مظاہر فطرت کے ذریعہ اللہ تک پہنچ سکے۔ قرآن کریم اور احادیث شریفہ میں مختلف مظاہر فطرت مثلاً شجر و حجر، شمس و قمر، سرسبز وادیاں، بیل بوتے، گلی اور غنچے، ہری بھری زمین، نیل، آسمان، رنگ، بو، درخت، سنگلاخ وادیاں، بلند قامت پہاڑ اور دیگر کائناتی نور و نکہت اور آفاقی رعنائی اور جمالیات وغیرہ کا تذکرہ نہ صرف ان مظاہر فطرت کی اہمیت اور افادیت کو ثابت کرتا ہے، بلکہ ان کے صانع اور خالق پر ایمان اور توحید کی بھی دعوت دیتا ہے۔

- کسی کا خلیفہ اور نائب ہونے کا مطلب ہوتا ہے اس امر میں اس کی جانب سے نگرانی کرے ترقی اور تعمیری کام کر کے چیز کو بچائے نہ یہ کہ تخریبی کام کرے اور جس میں خلیفہ بنایا گیا تھا اس میں فساد پھیلانے۔ پس اللہ کا خلیفہ ہونے کا مطلب بھی یہی ہوا کہ جو چیزیں انسان کے

علاوہ ہیں ان کی نگرانی کرے اور بگاڑ سے بچائے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تمام چیزیں زمین میں تمہارے لیے پیدا کیا (بقرہ: 29)۔ بہر حال یہ تو اللہ نے تمام چیزیں ہمارے لیے پیدا کیں اس سے مراد تعمیری خلافت ہے نہ کہ تخریبی۔ یہ خلافت ارضی امتحان کے طور پر ہے تاکہ اللہ تعالیٰ آزمائے کہ ان چیزوں کے تئیں انسان کیا رویہ اختیار کرتا ہے چنانچہ ارشاد و باری ہے: (اور اسی نے تم کو نائب کیا ہے زمین میں تاکہ آزمائے تم کو اپنے دیے ہوئے حکموں میں) (الانعام: 165)۔

- اسلام پاک، صفائی اور طہارت کا مذہب ہے۔ قرآن کریم میں سترہ (17) مقامات پر طہارت اور اس کے مشتقات استعمال ہوئے ہیں اور تقریباً تینتالیس (43) مقامات پر طیب اور اس کے مشتقات استعمال ہوئے ہیں۔ طہارت جس کا ذکر قرآن میں ہوا ہے صرف بدن یا کپڑے کی صفائی تک محدود نہیں بلکہ کھانے اور پینے کی اشیاء تک وسیع ہے۔ قرآن میں صاف غیر گندہ اور غیر آلودہ کھانے کی تلقین کرتا ہے اور ارشاد ہے: ”وکلوا مما رزقکم اللہ حلالاً طیباً“ (مائدہ: 88)۔ ترجمہ: اور کھاؤ جو کچھ اللہ نے تمہیں روزی دی ہے حلال و پاکیزہ۔ اس آیت میں لفظ جلال کے بعد طیب کا اضافہ بتا رہا ہے کہ روزی حلال ہونے کے ساتھ صاف ستھری بھی ہونے چاہئے یعنی غیر آلودہ (unpolluted)۔ یہی قرآن کا مقصد ہے اس سے قرآن کا ماحولیاتی صفائی کا نظریہ بھی واضح ہوتا ہے۔

5.7 کلیدی الفاظ

Natural Phenomenon	: مظاہر فطرت	Environment	: ماحولیات
Ecosystem	: نظام حیات	Bio-Diversity	: حیاتیاتی تنوع
Ecological balance	: حیوی توازن	Abiotic Substance:	غیر ذی حیات مادہ

5.8 نمونی امتحانی سوالات

5.8.1 معروضی جوابات کے متقاضی سوالات

1. ماحولیات (environment) کے لفظی معنی ہیں؟

- (a). آسمان (b). زمین (c). اطراف (d). کوئی نہیں

2. دنیا کو کس کے فائدہ کے لئے پیدا کیا گیا ہے؟

- (a). فرشتے (b). جنات (c). انسان (d). کوئی نہیں

3. انسان زمین پر اللہ کا کیا ہے؟

- (a). محتاج (b). محکوم (c). خلیفہ (d). بندہ

4. کرہ فضا میں کل کتنے طبقات ہیں؟

10. (d)

7.(c)

8.(b)

9.(a)

5. ایکو سسٹم کا معنی ہے:

(d). نظام سماوی

(c). نظام حیات

(b). نظام قمری

(a). نظام شمسی

5.8.2 مختصر جوابات کے متقاضی سوالات

1. ماحولیات میں انسان کا رول کیا ہے؟ بیان کیجیے۔
2. قرآن میں پانی کی کیا اہمیت بتائی گئی ہے؟ واضح کیجیے۔
3. قرآن میں غذائی جال کے متعلق کیا بیان ملتا ہے؟
4. قرآن کی کس آیت میں زمینی ایندھن کا تذکرہ ہے؟ بیان کیجیے۔
5. قرآن میں شہد کی مکھی کی کیا تفصیل ملتی ہے؟

5.8.3 طویل جوابات کے متقاضی سوالات

1. اسلام میں ماحولیات کی کیا اہمیت ہے؟ بیان کیجیے۔
2. اسلام کا نظریہ ماحولیات کیا ہے؟ بیان کیجیے۔
3. قرآن میں کن اہم نباتات کا تذکرہ ہوا ہے؟ واضح کیجیے۔

5.9 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1. قرآن اور ماحولیات : شفیع حیدر صدیقی دانش
2. التلوٹ البیئی (ماحولیاتی کثافت) : اسلامک فقہ اکیڈمی، الہند، 2015
3. موسم کی تبدیلی : انیس الرحمن ندوی، مرکز علوم القرآن، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، 2013
4. آبی وسائل : اسلامک فقہ اکیڈمی، نئی دہلی
5. Noise Pollution and Control Strategy : ایس۔ پی۔ سینگل، پبلشنگ ہاوس، نئی دہلی، 2005

معروضی سوالات کے جوابات

1.C	2.A	3.B	4.C	5.D
-----	-----	-----	-----	-----

اکائی 6: ماحولیات کی حفاظت

اکائی کے اجزا	
6.0	تمہید
6.1	مقاصد
6.2	ماحولیاتی بحران
6.2.1	ماحولیاتی بحران کی اہم وجوہات
6.3	عالمی شدت حرارت
6.4	ماحولیاتی بحران کا تیسرا عظیم مظہر اوزون تہہ میں شگاف
6.5	ماحولیاتی توازن (Ecological Balance)
6.6	حیاتیاتی تنوع (Bio Diversity)
6.6.1	عالمی نسلوں کا بحران
6.6.2	حیاتیاتی تنوع کا فقدان اور قرآن
6.6.3	حیاتیاتی تنوع کا تحفظ اور حدیث
6.7	بندرتی ترقی (Sustainable Development)
6.8	اقتصادی نتائج
6.9	کلیدی الفاظ
6.10	نمونہ امتحانی سوالات
6.10.1	معروضی جوابات کے متقاضی سوالات
6.10.2	مختصر جوابات کے متقاضی سوالات
6.10.3	طویل جوابات کے متقاضی سوالات

6.0 تمہید

اس اکائی میں اسلام میں ماحولیاتی تحفظ کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ آج دنیا نئے ماحولیاتی مسائل سے دوچار ہے مثلاً آلودگیاں، اوزون پرت کی خفت، عالمی شدت حرارت، اور دیگر بہت سے ماحولیاتی مسائل۔ اس اکائی میں انہیں ماحولیاتی مسائل کا تفصیلی تذکرہ ہے اور اسلام میں ان مسائل کا کیا حل پیش کیا گیا ہے اس سے سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ اس ضمن میں قرآن اور احادیث سے بلا واسطہ استفادہ کیا گیا ہے۔ نیز مفسرین، شارحین احادیث کے اقوال اور اسلامی تاریخ کی روشنی میں ان مسائل کا قابل عمل اور آسان حل پیش کرنے کی بھرپور کوشش کی گئی ہے۔ عمومی طور پر مسائل معلوم ہوتے ہیں اس لئے انکی جانب قدرے تفصیل سے اشارہ کر دیا گیا ہے۔ تاہم ان مسائل کے اسلامی حل سے مفصل بحث کی گئی ہے۔ اسلام میں انسان کو ماحول کے تحفظ کے حوالے سے کس طرح کی تعلیمات دی گئیں ہیں۔ ان سب امور کا تفصیلی جائزہ لیا گیا ہے۔

6.1 مقاصد

اس اکائی کا مقصد ہے کہ آپ:

- ماحولیاتی بحران (Environmental Crisis) کی اقسام اور اسباب کو سائنسی و سماجی تناظر میں سمجھ کر اسلامی نقطہ نظر کا جائزہ لے سکیں۔
- موجودہ عالمی ماحولیاتی چیلنجز (جیسے: فضائی آلودگی، گلوبل وارمنگ، پانی کی قلت، جنگلات کی کٹائی) پر تحقیق کر سکیں گے اور اس کی روک تھام میں معاون بن سکیں گے۔
- قرآن اور حدیث کی روشنی میں آلودگی کی حقیقت سے واقفیت حاصل کرتے ہوئے اس کے تئیں اپنی ذمہ داریوں کو جان سکیں گے۔
- موجودہ ماحولیاتی بحران کے تناظر میں اسلامی تعلیمات کی روشنی میں انفرادی و اجتماعی سطح پر قابل عمل تجاویز پیش کر سکیں گے۔

6.2 ماحولیاتی بحران

ماحولیاتی بحران عبارت ہے ان ماحولیاتی مسائل سے جس کا آج نسل انسانی مقابلہ کر رہی ہے۔ ان مسائل میں عالمی شدت حرارت، اوزون پرت میں خفت، تیزابی بارش اور جنگلات کے خاتمہ کی شمولیت ہے۔ یہ مسائل ماحولیاتی ہیں لیکن اس کا حل لوگوں کے ہاتھ میں ہے۔ ان مسائل کے بہت سے اسباب ہیں جس میں تکنیکی ترقی بھی شامل ہے۔ صنعتی انقلاب اور آزاد مارکیٹ معاشیات یعنی پیداوار کی کثرت اور وسائل کا استحصال نے ماحولیاتی بحران میں خاص کردار ادا کیا ہے۔

ماحولیاتی بحران کے بہت سے علامات ہیں۔ UNEP کے مطابق گیارہ (11) فی صد پرندوں کو سنجیدہ خطرات لاحق ہیں اور عالمی شدت حرارت کی وجہ سے دنیا کا آدھا حصہ خطرہ میں ہے۔ آئی (80) فی صد جنگلات معدوم ہو چکے ہیں۔ لاکھوں شہری باشندے فضائی آلودگی سامنا کر رہے ہیں جو انسانی صحت کے لیے مضر ہے۔ عالمی شدت حرارت کے سبب سمندری سطح کے بلند ہونے کا اندیشہ ہے۔

اب یہ جانیں گے کہ آلودگی کیا ہے ”ماحول کے کسی عنصر (زمین، پانی اور ہوا وغیرہ) کا اپنی فطری ساخت و ترکیب سے مخرف ہو جانا اس طور پر کہ وہ زندگی (حیواناتی و نباتاتی) پر منفی اثر ڈالے۔“ یہاں ہم لفظ: پالیوشن کی مناسبت سے عربی لفظ ”فساد“ کی تحقیق کرنا چاہیں گے۔ عربی لفظ فساد دراصل ”صلاح“ کی ضد ہے، صلاح کے معنی ہیں کسی چیز کا اصل حالت پر باقی رہنا اور اس میں توازن قائم رہنا۔ ”صَلَحَ اللَّحْمُ“ یعنی گوشت صحیح ہے اور اپنی فطری حالت پر ہے لہذا ”فساد“ کے معنی کسی شے کی اصل یا قدرتی حالت کا مخرف ہو جانا اور توازن کا بگڑ جانا اور اس کا منفی رویہ اختیار کر لینا۔ اس تفصیل سے عربی لفظ ”فساد“ اور انگریزی لفظ پالیوشن (pollution) میں مطابقت ہے دونوں کا قدرے مشترک یہ ہے کہ چیز اصل حالت کھو دے اور منفی رویہ اختیار کرے۔ قرآن میں متعدد بار فساد کی ممانعت آئی ہے۔ لہذا جب لفظ فساد اور pollution کا معنی و مفہوم مترادف ہے تو جس طرح فساد کی ممانعت ہے ایسی ہی بحکم قرآن pollution کی ممانعت ہوگی اور جس طرح مفسدین اللہ کے نزدیک ناپسندیدہ ہیں اور عتاب الہی کے مستحق اور مورد ہو سکتے ہیں۔ اس بات کی تائید قرآن حکیم کی ایک دوسری آیت سے بھی ہوتی ہے ارشاد باری ہے: ”وَإِذَا تَوَلَّى سَعَى فِي الْأَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْفَاسِدَ“ (بقرہ: 205)۔ ترجمہ: جب اسے قوت ہو جاتی ہے تو وہ زمین میں فساد برپا کرنے کی جانب توجہ مرکوز کرتا ہے، زراعت کو ہلاک کرتا ہے اور نسل کو تباہ کرتا ہے اور اللہ فساد پھیلانے والوں کو ناپسند فرماتا ہے۔ اس آیت سے سماجی فساد پھیلانے والوں اور فساد کی ایک دوسری قسم زراعتی فساد پھیلانے والوں دونوں کو اللہ ناپسندیدہ بتایا گیا ہے۔ الحاصل یہاں لفظ فساد کو عام مفہوم یعنی سماجی فساد کے علاوہ زراعتی فساد کے لیے بھی استعمال کیا گیا ہے لہذا تباہی و ہلاکت کی دیگر صورتوں مثلاً زہری، آبی و فضائی فساد وغیرہ پر لفظ فساد کا اطلاق ہوگا اور تمام طرح کے مفسدین پر لفظ polluters کا اطلاق ہوگا۔ جو مذکورہ تفصیل کے مطابق عذاب الہی کا شکار ہو سکتے ہیں۔

6.2.1 ماحولیاتی بحران کی اہم وجوہات

• مختلف قسم کی آلودگی

- فضائی آلودگی (Air Pollution): کارخانوں، گاڑیوں، اور توانائی پیدا کرنے والے ذرائع سے نکلنے والا دھواں فضاء میں زہریلی گیسوں کے اضافے کا باعث بنتا ہے، جو انسانی صحت اور موسم پر منفی اثر ڈالتی ہیں۔
- پانی کی آلودگی (Water Pollution): صنعتی فضلہ، کیمیکل، اور سیوریج کا پانی جھیلوں، دریاؤں اور سمندروں میں بہایا جاتا ہے، جس سے آبی حیات کو خطرہ لاحق ہو جاتا ہے۔
- زمینی آلودگی (Soil Pollution): زہریلے کیمیکل، پلاسٹک، اور دیگر غیر نامیاتی مواد زمین کو ناقابل کاشت بناتے

جار ہے ہیں۔

- جنگلات کی کٹائی (Deforestation): لکڑی، زمین اور دیگر مقاصد کے لیے جنگلات کی بے دریغ کٹائی سے ماحولیاتی توازن بگڑ رہا ہے۔ درخت کاربن ڈائی آکسائیڈ جذب کر کے آکسیجن پیدا کرتے ہیں، ان کی کمی سے گلوبل وارمنگ میں اضافہ ہو رہا ہے۔
- آب و ہوا میں تبدیلی (Climate Change): عالمی درجہ حرارت میں اضافہ، گلیشیرز کا پگھلنا، بارش کے نظام میں خرابی اور طوفانی موسم ماحولیاتی بحران کی اہم علامات ہیں۔

ماحولیاتی بحران کے اثرات

صحت پر اثرات: آلودہ پانی، زہریلی فضا اور غیر معیاری خوراک سے بیماریاں جیسے کہ سانس کی بیماریاں، کینسر اور گیسٹرو کی بیماریاں عام ہو گئی ہیں۔

قدرتی آفات میں اضافہ: سیلاب، خشک سالی، طوفان اور زمین کھسکنے جیسے واقعات میں اضافہ ہو رہا ہے۔

حیاتیاتی تنوع کا خاتمہ: بہت سی جانوروں اور پودوں کی اقسام ناپید ہو رہی ہیں یا شدید خطرے سے دوچار ہیں۔ حیاتیاتی تنوع کا خاتمہ نہ صرف قدرتی خوبصورتی کو ماند کرتا ہے بلکہ انسانی بقاء، صحت، اور معیشت کو بھی براہ راست متاثر کرتا ہے۔ اگر ہم نے فوری اور مؤثر اقدامات نہ کیے تو آئندہ نسلوں کو ایک بے جان، غیر متوازن اور خطرناک دنیا کا سامنا کرنا پڑے گا۔

اسلامی تعلیمات اور سائنسی شعور دونوں ہمیں اس بات کا سبق دیتے ہیں کہ ہم زمین کے محافظ ہیں، اس کے مالک نہیں۔ حیاتیاتی تنوع کا تحفظ دراصل خود اپنی زندگی کے تحفظ کے مترادف ہے۔

حیاتیاتی تنوع کے تحفظ کے لیے اقدامات اور اسلامی تعلیمات

اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے جو ہر شعبہ زندگی میں توازن، صفائی اور تحفظ کا درس دیتا ہے۔ ماحولیاتی تحفظ بھی اسلامی تعلیمات کا ایک اہم حصہ ہے۔

زمین کی خلافت: قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "وہی ہے جس نے تمہیں زمین میں خلیفہ بنایا۔" (سورۃ فاطر: 39)۔ یعنی انسان زمین کا امین ہے، مالک نہیں۔ اس کی ذمہ داری ہے کہ وہ زمین کو نقصان نہ پہنچائے۔

قرآن میں اعتدال اور میانہ روی کی تعلیم دی گئی ہے۔ "اور کھاؤ، پیو اور فضول خرچی نہ کرو۔ بے شک اللہ فضول خرچی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔" (سورۃ الاعراف: 31)۔ کیوں کہ ماحولیاتی بحران کی ایک اہم وجہ اسراف اور بے لگام خواہشات ہیں۔

فضائی تحفظ کے لیے شجرکاری بہت ضروری ہے اشجار ہی ہمیں آکسیجن فراہم کرتے ہیں اور CO2 کو جذب کرتے ہیں۔ اس لیے احادیث میں درخت لگانے کی ترغیب کثرت سے ملتی ہے۔ ماحولیاتی بحران کے حل کا اہم قدم جنگلات کا تحفظ اور شجرکاری ہے جس کی بنا مختلف

آلودگیوں کا سد باب ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اگر قیامت آجائے اور تمہارے ہاتھ میں ایک پودا ہو تو اسے لگا دو۔" (مسند احمد)۔ اسی طرح ترمذی میں روایت ہے: نبی ﷺ نے فرمایا: (جو کوئی پودا بوتا ہے یا کھیتی کرتا ہے پھر اس سے پرندے انسان یا چوپائے کھاتے ہیں مگر وہ اس کے لیے صدقہ ہوتا ہے)۔ اس روایت سے شجر کاری کرنے کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے۔

اسی طرح اسلامی تناظر میں آبی آلودگی کا ازالہ واجب ہے۔ اور پانی میں گندگی ڈالنے کی سختی سے ممانعت کی گئی ہے۔ پانی کے بے جا اسراف سے بھی بچنے کی ترغیب بھی احادیث مبارکہ میں موجود ہے۔ "پانی کی اسراف سے بچو، اگرچہ تم بہتے دریا پر ہو۔" — حدیث مبارکہ آلودہ پانی بیماریوں کا سبب بنتا ہے، نالے، دریا، اور کنویں صاف رکھنا صدقہ جاریہ کے مترادف ہے۔

اسلامی تعلیمات میں صفائی کو نصف ایمان قرار دیا گیا ہے: "الطُّهُورُ شَطْرُ الْإِيمَانِ" (صفائی نصف ایمان ہے)۔ صحیح مسلم صفائی صرف جسمانی نہیں بلکہ ماحولیاتی صفائی بھی شامل ہے۔ اسلام نہ صرف گندگی سے بچنے بلکہ دوسروں کو تکلیف نہ دینے کی تعلیم دیتا ہے۔

زمین کی اہمیت اسلام میں اتنی ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا پوری زمین میرے لیے پاک اور مسجد بنائی گئی ہے۔ قرآن میں آواز کو نیچا رکھنے کی تعلیم ہے: "اور اپنی آواز پست رکھ، بے شک سب سے بری آواز گدھے کی آواز ہے۔" (سورۃ لقمان: 19) اسلام سکون، خاموشی اور دوسروں کو آرام دینے کی تعلیم دیتا ہے۔

6.3 عالمی شدت حرارت

وسائل قدرت کے اسراف اور غیر دانشمندانہ استعمال اور استحصال سے ماحولیاتی بحران کا ظہور جن صورتوں میں ہوا ہے ان میں کرہ جاتی اضافہ حرارت یعنی گلوبل ورامنگ سب سے بڑا مظہر ہے۔

1. تعارف

ماحولیات کے طبعی عناصر میں حرارت (temperature) سب سے اہم ہے۔ کرہ ارض پر حیوانات اور نباتات کی زندگی کا اکثر انحصار اسی پر ہے۔ کرہ ارض پر حیوانات اور نباتات کی زندگی کا اکثر انحصار یہاں کے درجہ حرارت پر ہے۔ زمین پر حرارت کا واحد ذریعہ سورج ہے نظام شمسی میں زمین کی پوزیشن کچھ اس طرح ہے کہ اسی پر حرارت کا ایک خاص توازن باقی رہتا ہے۔ لاکھوں برسوں تک زمین پر درجہ حرارت کا توازن رہا اور حیوانات اور نباتات کے لیے موافق ماحول بنا رہا۔ لیکن حرارت کا فرق ہوتا رہا ہے۔ گذشتہ کئی دہائیوں سے پھر حرارت کا فرق محسوس کیا جا رہا ہے۔ زمین کا درجہ حرارت مسلسل بڑھتا جا رہا ہے۔ کچھ تو اس کے قدرتی اسباب ہیں مثلاً زمین اپنے مدار میں طواف کرتی ہوئی سورج سے قریب ہو رہی ہے اور سورج بھی اپنے مدار میں تھوڑا سا آگے بڑھا ہے۔ زمین اور سورج کے علاوہ زمین کی کئی پرتوں میں سے پہلی پرت کرہ جمادات (Lithosphere) ایک ہزار آٹھ سو میل دبیز ہے جو زمین کے اندرونی حصہ (Barysphere) کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہے اس پرت میں گرم چشمے اور حرارت والے لاواں کے علاوہ آتش فشاں پہاڑ ہیں۔ ان پہاڑوں کے پھٹنے سے بھی درجہ حرارت بڑھتا ہے مگر یہ صورت حال اکثر انسانی عمل کی بنا پر سنگین ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ کرہ باد کی پہلی پرت میں مختلف کی گیسوں پائی جاتی ہے

مثلاً نائٹروآکسائیڈ (nitroxide)، میتھین (methane)، کاربن ڈائی آکسائیڈ (carbon dioxide)، فضائی بھاپ وغیرہ۔ ان گیسوں کا عمل یہ ہے کہ سورج سے آنے والی نصف غیر ضروری شعاعوں کو واپس خلاء میں رد کر دیتے ہیں اور بقیہ نصف کو جذب کر لیتی ہیں جس سے زمین کا درجہ حرارت باقی رہتا ہے اور حیوانات اور نباتات کی حیات باقی رہتی ہے، ان گیسوں کی مقدار میں توازن کا رہنا انتہائی ضروری ہے تبھی وہ مذکورہ بالا عمل کرتے ہیں اگر ان کا توازن بگڑ گیا تو منفی اثرات مرتب ہوں گے۔ آج کثیر مقدار میں قدرتی ورکازی ایندھن مثلاً کوئلہ اور پٹرول وغیرہ کے استعمال میں اضافہ سے ان گیسوں میں بھی اضافہ ہوا ہے۔ مذکورہ بالا دیگر گیسوں میں 15 فیصد اور کاربن ڈائی آکسائیڈ 30 فیصد اضافہ ہوا ہے۔ اس کا اثر یہ ہے کہ کرہ دہا میں موجود ان گیسوں کے عمل جذب میں ترقی ہو رہی ہے یعنی یہ گیسیں سورج کی شعاعوں کو زیادہ مقدار میں جذب کر رہی ہیں اور زمین کے داخلی حرارت کو واپس خلاء میں جانے سے روک رہی ہیں۔ کرہ فضاء میں جس تمازت کی وجہ سے کرہ ارض میں افزائش حرارت کے اسی عمل کو عالمی شدت حرارت (global warming) سے تعبیر کرتے ہیں۔

2. اسباب اور اس کے ذمہ دار

1. صنعتی ترقی گلوبل وارمنگ کا ایک اہم سبب ہے۔ بڑی بڑی صنعت گاہوں میں مشینوں کے اندر کوئلہ اور پٹرول وغیرہ (fossil fuels) کے جلنے سے کاربن ڈائی آکسائیڈ (CO_2) کا کثیر مقدار میں اخراج ہوتا ہے۔ یہ گیسیں اور بعض دوسری گیسیں حرارت کو جذب کرتی ہیں اور سورج سے حاصل شدہ حرارت کو واپس خلاء میں جانے سے روکتی ہیں اسی طرح زمینی اور فضائی درجہ حرارت لگاتار بڑھ رہا ہے اور آئندہ مزید اضافہ کا خدشہ ہے۔
2. دنیا کی آدھی آبادی کا انحصار ایندھن کے لیے لکڑی پر ہے۔ چنانچہ تنزانیہ، گیمبیا، تھائی لینڈ وغیرہ میں ایندھن کے لیے لکڑی پر انحصار 99%-87% ہے۔ ایک طرف تو آکسیجن بنانے کی فیکٹریاں (درخت/جنگلات) ختم ہو رہے ہیں اور دوسری جانب فضا میں لکڑیوں کے جلنے سے کثیر مقدار میں دھوئیں خارج کیے جا رہے ہیں جس کا منفی اثر گلوبل وارمنگ کی شکل میں ہو رہا ہے۔

3. مرتب اثرات

1. درجہ حرارت کے بڑھنے سے موسم بگڑ گئے ہیں اور بارش کم ہو گئی ہے۔ یہ تبدیلی اس درجہ ہوئی ہے کہ جو بارش کے علاقہ تھے وہ خشک ہو گئے ہیں اور غیر زرخیز خشک علاقوں میں بے فائدہ بارش ہو رہی ہے جس کو سوکھا کال اور گیلا کال سے تعبیر کیا جاتا ہے۔
2. گلوبل وارمنگ کی وجہ سے موجودہ صدی کی ابتداء ہی سے دیکھا گیا ہے کہ سمندر کی سطح دو میلی میٹر سالانہ شرح سے بڑھ رہی ہے۔ اس طرح اس صدی میں اب تک 10 سینٹی میٹر کا اضافہ ہو چکا ہے۔ سمندر کا پانی نہایت گرم ہو گیا ہے جس سے آبی جانوروں کو خطرہ ہے۔ نیز پانی کے قدرتی اجزائے ترکیبی کے توازن میں فرق آگیا ہے پانی کے کرنٹ میں تبدیلی آئی ہے۔ بڑے طوفان اور سانگھون آرہے ہیں۔

3. درجہ حرارت کے بڑھنے سے نباتات پر بھی اثر پڑا ہے۔ اس سے مٹی کی نمی میں کمی آئی ہے جس سے پیڑ پودے متاثر ہوتے ہیں۔ بارش کے نہ ہونے سے کئی خطوں میں زراعتی کام بند ہو گئے ہیں موسم کی تبدیلی سے نباتات کی قدرتی تقسیم متاثر ہوتی ہے۔ آئندہ

دنوں میں پہاڑوں کے درخت میدانوں میں اگ سکتے ہیں۔

4. گلوبل وارمنگ کی وجہ سے حیاتی رنگارنگی متاثر ہو رہی ہے۔ تقریباً 300 اقسام کی مخلوقات ہر سال صفحہ ہستی سے ناپید ہو رہی ہے۔ ان کے خاتمہ سے اس بات کا اندیشہ ہے کہ انسان ان مخلوقات کے قدرتی فائدوں سے محروم ہو جائے گا اور دوسری طرف فطرت کا توازن بگڑ جائے گا۔ جانداروں کے خاتمہ سے اس بات کا اندازہ لگایا گیا ہے کہ اگلی چند دہائیوں میں موجودہ نسلوں (species) میں تقریباً ایک چوتھائی نسلیں ختم ہو جائے گی۔ خشکی اور آبی جانداروں کی نسلیں تیزی سے گھٹ رہی ہیں۔ پرندوں میں تین چوتھائی نسلیں گھٹ رہی ہیں۔ مچھلیوں کی 400 نسلوں میں نصف پر خطرہ لاحق ہے۔ دودھ پلانے والے جانوروں میں بھی تقریباً 40 فی صد خطرہ سے ملحق ہیں۔ ریگنے والے جانوروں میں کچھوے کی کل 270 نسلوں میں 40 لاپتہ ہو چکے ہیں۔

4. مستقبل کے خدشات

کاربن ڈائی آکسائیڈ کے بے تحاشا اخراج سے کرہ ارض کا درجہ حرارت کافی بڑھ جائے گا جس کی وجہ سے برف کے پہاڑ یعنی گلیشیرز (glaciers) پگھل جائیں جس کے نتیجے میں سمندر کے قریب علاقوں کے دریا برد ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ اگر قطبین کے برف پگھل گئے تو طوفان نوع دوبارہ آسکتا ہے اور سمندر کی سطح 200 فٹ بلند ہو جائے گی۔ ایک اندازے کے مطابق ہمالیہ میں پائے جانے والی ندیوں کے سوتوں پر گلیشیرز 2035ء تک ختم ہو جائیں گے۔ اس طرح ان ندیوں کے ارد گرد بسنے والوں کو سیلاب کی مار پڑے گی اور سوتوں کے سوکھنے سے ان علاقوں میں قحط سالی کا عالم ہو گا زیر زمین آتش فشاں کی وجہ سے زمین کی اوپری پرت ڈھیلی ہو جائے گی جس کی وجہ سے زلزلے آئیں گے اور ان کے جھونکوں سے پہاڑ بکھر جائیں گے۔ اس کے علاوہ حیوانات اور نباتات کی کئی مزید نسلیں ختم ہو جائیں گی جن کا وجود ماحولیاتی توازن کے لیے ضروری ہے اس کے علاوہ اور بھی کئی مستقبل کے خدشات ہیں۔

5. گلوبل وارمنگ کے حل کی عالمی کوشش

1. کاربن ڈائی آکسائیڈ اور دیگر گیسوں کو چھان کر زمین میں دفن کر دیا جائے۔
2. کوئلہ اور پٹرول (fossil fuels) کے علاوہ کوئی ایسا متبادل ایندھن تلاش کیا جائے جس سے کاربن ڈائی آکسائیڈ فضا میں نہ بڑھنے مثلاً وینڈاز جی، سولار انرجی وغیرہ۔
3. اٹامک اور نیوکلیر انرجی کو بطور متبادل ایندھن کے استعمال کیا جائے۔
4. بائیو ٹکنالوجی کے ذریعہ حاصل شدہ ایندھن (bio fuel) کو متبادل کی حیثیت سے استعمال کیا جائے۔
5. ایک تجویز پیش جا رہی ہے کہ شجرکاری کی جائے جو بہت ہی مناسب تجویز ہے۔ دراصل نباتات بارش کے نظام کو مستحکم بناتے ہیں اور حیاتیات کے لیے بقا فراہم کرتے ہیں نباتات آکسیجن خارج کرتے ہیں اور کاربن ڈائی آکسائیڈ جذب کر لیتے ہیں مگر ان کی کمی سے یہ توازن بگڑ گیا ہے اور درجہ حرارت بگڑ گیا ہے ضرورت اس بات کی ہے کہ پھر سے نباتات اگائے جائیں اور شجرکاری کی جائے۔

6. عالمی شدت حرارت کی پیشین گوئی حدیث میں

1. مالک فرماتے ہیں: میں نے عمرو بن سعید سے فرماتے ہوئے سنا کہ قرب قیامت کی علامتوں میں سے ایک علامت زمین کی گرمی کا شدید ہونا ہے۔

2. حضرت انس فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: قیامت کی اول علامت آگ ہے جو لوگوں کو مشرق سے مغرب تک جمع کرے گی۔

3. حضرت قتادہ نے فرمایا زمین کے مشرق سے آگ نکلے گی جو لوگوں کو اس کے مغرب کی طرف برق کی طرح ہانک لے جائے گی وہ آگ دن اور رات ان کے ساتھ رہے گی اور جو پیچھے رہ جائے گا اس کو ختم کر دے گی۔

4. حدیث میں زیر برف طبقات کی آگ کے نکلنے کا تذکرہ ملتا ہے جس سے عالمی شدت حرارت میں مزید اضافہ ہوگا وہ روایت حسب ذیل ہے:

رافع بن بشر اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قریب ہے کہ آگ سیلاب کی قید سے باہر آجائے، وہ اونٹ کی طرح دھیمی چال سے چلے گی۔ دن میں چلے اور رات کو رک جائے گی کہا جائے گا لوگوں آگ نکل چکی ہے لہذا چلو، لوگو آگ دھیمی پڑ چکی ہے لہذا آرام کر لو، لوگو آگ ختم ہو چکی ہے لہذا چلو اور وہ جس کو پالے گی اس کو کھا جائے گی۔

اس حدیث میں لفظ ”سیلاب“ قابل غور ہے اس کے معنی ہوئے سیلاب کے تحت قید آگ جیسا کہ جدید سائنس نے برفانی آگ (methane hydrate - “fire ice”) کی اطلاع دی ہے۔

5۔ اس طرح ایک روایت میں وادی برہوت میں مستور ایک آگ کی پیشین گوئی کی گئی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک آگ تمہارا پیچھا کرے گی جو آج وادی برہوت میں خوابیدہ حالت میں ہے وہ لوگوں کو گھیرے گی۔ اس میں سخت ترین عذاب ہے جو لوگوں اور اموال کو کھا جائے گی یہ ہوا اور بادل کی طرح آٹھ دن میں پوری دنیا کا چکر لگائے گی۔

6.4 ماحولیاتی بحران کا تیسرا عظیم مظہر اوزون تہہ میں شگاف

یہیں سے ہم یہ جاننے کی کوشش کریں گے کہ اوزون کیا ہے۔

اوزون ایک گیس ہے جو آکسیجن کی ہی ایک شکل ہے اور تین ایٹموں پر مشتمل ہوتا ہے یعنی سہ جوہری ہے۔ یہ گیس دوسرے فضائی طبقہ (Stratosphere) میں بالائی جاتا ہے۔ یہ خطہ استوار سے ستر (17) کلومیٹر بلندی سے پچاس (50) کلومیٹر بلندی تک پایا جاتا ہے۔ یہ گیس (Stratosphere) میں بالائی جانب ہوتا ہے۔ ایسٹراٹووسفیر میں اوزون کا ارتکاز (10ppm) تک ہے۔

اوزون ایک چھتر کی طرح ہے جو شمسی بالائے بنفشی شعاعوں کو دفاع کرتا ہے۔ یہ تمام اشعاع کو چھان کر زمین پر بھیجتا ہے۔ یہ زمین پر حیات اور موسم کو معتدل رکھتا ہے۔

1. اوزون کی خفٹ

قدرت کی اس عظیم تخلیق کو آج خطرہ لاحق ہے۔ ماہرین فرماتے ہیں کہ 1970ء میں سائنسدانوں نے دریافت کیا کہ جب کلوروفلورو

کاربن (CFC) کو الہ تبرید اور راکٹ اور انجمنوں کے نئے استعمال کیا جانے لگا تو نتیجتاً فضا میں chlorine (ایک زہریلا سبزی مائل زرد عنصر) کا انتشار ہوا جس کی وجہ سے اوزون میں شگاف پیدا ہو گیا اور اس کی پرت خفیف ہونے لگی۔ 1980ء میں ماہرین و سائنسدانوں نے یہ دریافت کیا کہ قطب جنوبی (Antartic) اور قطب شمالی (Arctic) کے اوپر اوزون کمزور ہو رہا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس دوسرے مقامات پر بھی اوزون کی پرت خفیف اور واشگاف ہو گئی ہے۔

اوزون تہہ کے تحفظ کے لیے بہت سے اقدام کیے گئے ہیں۔ ذیل میں اس ضمن میں ہونے والی اہم معاہدے و اجلاس کا تذکرہ ہے۔

1- Montreal Protocol: جب 1985ء میں برطانوی سائنسدانوں نے Antartic پر اوزون تہہ کی خفت کو دریافت کیا اور ان کی تحقیق کی امریکی مصنوعی سیارہ کے ذریعہ توثیق کر دی گئی تو پورے عالم میں ہنگامہ برپا ہو گیا۔ یہ بیسویں صدی کا اہم خطرہ تھا۔ اس سے نجات پانے کے لیے حکومت نے ایسے اقدام کیے جس سے ان گیسوں کا استعمال کم کیا جائے جو اوزون کی خفت کا باعث بنتے ہیں مثلاً CFCs وغیرہ۔

نتیجتاً ستمبر 1987ء میں Montreal Protocol عمل میں آیا۔ اس معاہدے کے تحت موجودہ 96 کیمیائی مادوں پر قابو پایا جاتا ہے اور اسی کے تحت منصوبہ بنایا گیا ہے۔ اس منصوبہ میں وقتاً فوقتاً ہونے والے سائنسی تحقیقات کے بموجب ترمیم کی جاتی ہے۔ یہ معاہدہ 2009ء میں اقوام متحدہ کا ایسا پہلا معاہدہ بن گیا جس کو عالمی حمایت ملی۔ یعنی تمام رکن ممالک نے اوزون پرت کے تحفظ کا عہدہ و پیمانہ کیا۔

2- Viena Convention: سن 1985ء میں ایک اجلاس منعقد ہوئی جس کا نام تھا Viena Convention اس اجلاس میں عالمی پیمانے پر معاہدہ ہوا تھا کہ جو چیزیں اوزون کی خفت کا باعث بن رہی ہیں مثلاً CFCs وغیرہ ان کے اخراج میں قلت لائی جائے گی۔ مذکورہ الصدر Montreal Protocol اسی اجلاس کا نتیجہ تھا۔

2. قرآن میں اوزون کا تحفظ:

قرآن کریم میں کہا گیا ہے کہ سماوی نظام میں توازن ہے اور اس توازن کو مت بگاڑو۔ ارشاد باری ہے: ”وَالسَّمَاءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيزَانَ ۚ أَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيزَانِ“ (رحمن: 7-8)۔ اس آیت میں دو باتیں ہیں، ایک تو سماوی نظام میں توازن ہے، دوسرے اس اعتدال و توازن کی حفاظت کا حکم دیا گیا ہے اور اس کی تخریب کاری سے منع کیا گیا ہے۔

آج ہم اپنے اعمال کے ذریعہ CFCs اور دیگر مضر گیسوں کا اخراج کر رہے ہیں جس سے سماوی نظام میں اوزون کا خطرہ لاحق ہو گیا ہے۔ یہ سماوی نظام کی تخریب کاری ہے جو مذکورہ آیت کے صریحاً متضاد ہے۔ اس آیت کا تقاضی یہ ہے کہ ہم سماوی یا فلکی نظام کا تحفظ کریں جس میں اوزون کا تحفظ بھی شامل ہے۔

قرآن کریم میں اشارۃً یہ بات کہی گئی ہے کہ اللہ نے سماء (مراد اوزون) و محفوظ چھت بنایا ہے۔ ارشاد باری ہے: ”وَجَعَلْنَا السَّمَاءَ

سَقْفًا مَّحْضُوطًا“ (انبیاء: 32)۔ عام طور سے لفظ سماء سے مراد عرف میں چراغ کے لیے جاتے ہیں۔ تاہم لغت میں سماء سے مراد وہ چیز ہے جو اوپری جانب ہو ”كُلُّ مَا عَلَاكَ فَهَوَ سَمَاءٌ“۔ اسی وجہ سے مکان کی چھت اور بادل وغیرہ پر بھی اس لفظ کا اطلاق ہوتا ہے۔ اس تشریح کے بموجب اگر مذکورہ آیت میں لفظ سماء کو اس کے لغوی یعنی مبتدا کے معنی میں کیا جائے تو اس کے عموم میں اوزون تہہ داخل ہو جائے گا۔ اس صورت میں آیت کا مفہوم ہو گا کہ اللہ نے اوزون تہہ کو ایک چھت (یا چھتری) بنایا ہے۔ علامہ صاوی نے شرح جلالین میں آیت میں مذکور لفظ محفوظ کی شرح میں لکھا ہے: ای من الفساد والخلل۔ علامہ صاوی کی اس تشریحی جملہ سے یہ بات اور واضح ہو گئی۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ نے اس سماوی طبقہ یعنی اوزون کو ایک ایسی چھت بنادیا ہے جس میں فساد نہیں ہو سکتا اور نہ ہی خلل یعنی شکاف ہو سکتا ہے۔ گویا قرآن کے بموجب یہ سماوی نظام کی تخریب کاریوں سے ہماری حفاظت کرتا ہے۔ بعینہ یہی بات سائنس بھی کہتی ہے کہ یہ ایک چھتری ہے جو بالائے بنفشی (ultraviolet) شعاعوں سے ہماری حفاظت کرتا ہے۔

مگر آج ہم اپنے اعمال سے اس چھت میں شکاف پیدا کر رہے ہیں۔ یہ عمل نظام فطرت کے عین مخالف ہے۔ اس سے احتراز کرنے کی ضرورت ہے۔ مختصر یہ کہ قرآن کریم کے فلکی نظام کے تحفظ پر عمل کرنے کی ضرورت ہے۔

محمد کرم شاہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے آسمان میں شکاف ہونے اس کو محفوظ کرتا ہے۔ سائنس اس بات کو تسلیم کرتی ہے کہ سماء کرہ باد ہے۔ سائنس یہ بھی تسلیم کرتی ہے کہ ٹروپوسفر (Troposphere) میں 90 فی صد نمی یا آبی مادہ ہے۔ بعینہ یہی بات اسلام بھی بتاتا ہے۔

6.5 ماحولیاتی توازن (Ecological Balance)

یہ بھی ماحولیاتی بحران کا ایک عظیم مظہر ہے ذیل کے سطور میں ہم اس سے متعلق چند اہم امور کا مطالعہ کریں گے۔

1. سائنس اور کائنات:

سائنسداں (ماہرین طبیعیات) کا زعم ہے کہ یہ کائنات از خود وجود میں آگئی۔ وہ یہ تسلیم کرتے ہیں کہ ابتدا میں تمام مادے مجتمع تھے۔ پھر 120 ارب سال قبل ایک بڑا دھماکہ (Big Bang) ہوا جس سے پوری کائنات وجود پذیر ہو گئی۔ ڈاکٹر محمود علی لکھتے ہیں:

اکثر طبیعیات دانوں کا اس امر پر اتفاق ہے کہ کائنات کا آغاز 15 سے 20 ارب سال پہلے لانہایت گرم اور لاتناہی کثیف نقطہ سے اور فضاء وقت اور توانائی کے ناقابل تصور دھماکہ سے ہو جس کو عظیم کے بینک کا نام دیا گیا ہے۔

عظیم دھماکہ کے بعد کیا ہوا؟ اس سے متعلق موصوف فرماتے ہیں:

سائنسداں اس امر پر متفق ہیں کہ بگ بینک کے فوراً بعد ہی فضا کا اس قدر تیز پھیلاؤ حرارت 33-10 کیلون سے ایک منٹ میں ایک ارب درجہ تک گر گیا۔ بالکل ابتدا میں چاروں اساسی قوتیں یعنی کشش، ثقل، برقی مقناطیس کمزور نیوکلیر ہم جنس تھیں جو بعد میں جدا ہونے لگی۔

مولہ اقتباس سے واضح ہے کہ سائنس کے نزدیک کائنات از خود وجود پذیر ہوا ہے۔ سائنس یہ بات سمجھنے سے قاصر ہے کہ اس کائنات

کا مبداء منع کیا ہے بلکہ وہ یہ تسلیم کرتا ہے کہ کائنات از خود تنظیم پذیر ہے۔

ابتداء کائنات سے متعلق ماہرین طبیعیات کا یہ بھی نظریہ ہے کہ شروع میں دھوئیں، بھاپ، میں سحاب موجود تھے جس کو primary nebula سے تعبیر کرتے ہیں۔ چاند، ستارے، سیارے اور دیگر اجرام سماوی وجود میں آئے۔ جیسا کہ ماقبل میں سحابیوں کے شکل میں تھی جو عظیم دھماکہ سے معرض وجود میں آئی۔ Big Bang کا نظریہ سائنسدان مارٹن رائٹ نے پیش کیا تھا۔

دخان کے تفسیر کے تحت مولانا آزاد نے اس سائنس نظریہ کی تائید کی ہے کہ کائنات ابتداء میں سحاب (nebula) کی شکل میں تھا۔ اسی طرح ارتقا کی تفسیر کرتے ہوئے اس سائنس نظریہ کی تائید کی ہے کہ کائنات ابتدا عظیم تو وہ big mass تھا۔ الحاصل مولانا آزاد کی تفسیر سے واضح ہو گیا کہ یہ کائنات ابتداء ایک عظیم تو وہ mass تھا جو دخان nebula کی شکل میں تھا پھر اس میں انقسام ہوا جس سے متعدد اجرام شکل پذیر ہوئے۔

2. کائنات میں توازن (Balance) اور سائنس:

کائنات کے جملہ عناصر میں توازن (balance) قائم ہے۔ اگر یہ توازن نہ ہوتا تو کائنات کا وجود اور بقا محال ہو جاتا۔ ماحولیاتی توازن کی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے۔

Ecological balance is a state of dynamic equilibrium within a community of organism in which diversity remains relatively stable but can change gradually through natural succession.

رشید ملک فرماتے ہیں کہ کائنات میں ایک ترتیب ہے مثلاً پانی ہے اس میں دو ایٹم ہائیڈروجن اور ایک ایٹم آکسیجن ہے۔ اگر اس ترتیب میں کمی زیادتی ہو جائے تو پانی قابل استعمال نہیں رہے گا۔ کائناتی توازن کے متعلق ڈاکٹر ایم شیخ فرماتے ہیں:

ہماری زمین کے اوپر ہوا کا 500 میل موٹا غلاف ہے۔ اگر یہ موٹائی آدھی ہوئی تو ہوا کا دباؤ زمین پر اتنا کم ہوتا کہ ہمارے جسم کے خون کی نالیاں پھٹ جاتیں اور کوئی بھی زندہ نہ بچتا۔ اس کے برخلاف اگر ہوائی تہہ دو گنی ہوتی تو ہوا کا دباؤ اتنا ہوتا کہ ہماری ہڈی پسلی چور چور ہو جاتی۔ اب متوازن غلاف زندگی کے لیے عین مناسب ہے۔ اسی طرح زمین سے سورج کا فاصلہ 16 کروڑ 96 لاکھ 50 ہزار کلومیٹر ہے۔ یہ فاصلہ نہایت مناسب ہے اگر یہ فاصلہ کم ہوتا تو سورج کی کرنیں زمین پر اتنی تیز پڑتیں کہ یہاں زندگی ناممکن ہوتی۔ اگر یہ فاصلہ دو گنا ہو جاتا تو زمین تک پہنچنے والی حرارت کی مقدار ایک چوتھائی رہ جاتی اور زمین کی گردش کی رفتار نصف ہو جاتی۔ موسم سرما کی مدت دو گنا ہو کر زندگی منجمد ہو جاتی۔ اسی طرح اگر زمین سے سورج کا فاصلہ نصف کر دیا جائے تو سورج سے حاصل ہونے والی حرارت کی مقدار چار گنا بڑھ جاتی اور کرہ زمین پر گردش اس قدر بڑھ جاتی کہ زندگی ناممکن ہوتی۔ زمین اور سورج کے حجم کا تناسب بھی اتنا مناسب ہے کہ یہ زمین سورج کے بالمقابل بہت چھوٹی ہے۔ سورج میں

ہماری زمین کی طرح 13 لاکھ زمین سما سکتی ہے۔ اگر ہماری زمین سورج کے مانند بڑی ہوتی اور اس کی موجودہ کثافت برقرار رہی تو زمین کی کشش ثقل ڈیڑھ گنا ہو جاتی جس سے 500 میل کا یہ موٹا غلاف صرف 4 میل رہ جاتا نتیجتاً پانی بھاپ میں تبدیل نہ ہوتا، نہ بادل بنتے اور نہ ہی بارش ہوتی۔ پانی جو آج ہماری بنیادی ضرورت ہے اس میں ہائیڈروجن کے دو جواہر اور آکسیجن کا ایک جوہر یعنی H_2O میں ہائیڈروجن کی طرح آکسیجن دو جواہر ہوتے تو یہ H_2O_2 یعنی ہائیڈروجن پیر آکسائیڈ بن جاتا جو تیزابی خاصیت رکھتا اور اس سے انسان کو نقصان پہنچتا۔

محولہ بالا اقتباس یہ ثابت کر رہا ہے کہ سائنس کائنات بنام ماحولیات میں توازن (balance) کا قائل ہے اور یہ ایک سائنسی حقیقت ہے۔

3. قرآن اور کائنات کا توازن:

قرآن کریم کی مختلف آیات میں ماحولیاتی توازن کا حوالہ ملتا ہے۔ ارشاد باری ہے: ”إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ“ (قر: 49)۔ ترجمہ: ہم نے ہر چیز ایک تقدیر پر پیدا کی ہے، یعنی ہر چیز کی ایک قدر ہے جس کے مطابق وہ مقررہ وقت پر بنتی اور شکل پاتی ہے، ایک مقررہ وقت تک رہتی ہے اور پھر ختم ہو جاتی ہے۔ بہر حال یہ آیت صراحت کر رہی ہے کہ اللہ نے ہر چیز ایک خاص توازن کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ سید قطب نے اس آیت کی تفسیر میں طویل کلام کیا ہے۔ ذیل کے سطور میں ہم ان کا مختصر اقتباس پیش کرتے ہیں:

ہر چیز چھوٹی ہو یا بڑی، بولنے والی ہو یا خاموش، متحرک ہو یا ساکن، معلوم چیز یا مجہول، اللہ نے ہر چیز کو ایک انداز سے پیدا کیا ہے۔ یہ تقدیر اس کی حقیقت طے کرتی ہے اور اس کی مقدار طے کرتی ہے۔ اس کے ماحول کے ساتھ اس کے روابط طے کرتی ہے۔ یہ کائنات باہم تناسب اور نہایت ہی وقت کے ساتھ باہم مربوط ہے۔ اس کی ہر چیز ایک مقدار کے مطابق پیدا کی گئی ہے۔ سائنس نے معلوم کر لیا ہے کہ ستاروں کے درمیان فاصلے ایک متعین مقدار کے مطابق ہیں۔ یہ زمین جس کے اوپر ہم رہتے ہیں اس کے اندر پائے جانے والے تقدیر کا علم تو اس قدر بڑھ گیا ہے کہ اس کی موجودہ حالت اور نسبت کے اندر ذرا بھی تبدیلی کی جائے تو اس زمین پر جس قدر متنوع زندگی پائی جاتی ہے اس کے اندر زبردست خلل واقع ہو جائے یا سرے سے زندگی ہی ختم ہو جائے۔ جو ضوابط زندگی کو کنٹرول کرتے ہیں ان کے درمیان توازن اس حد تک پہنچ گیا ہے کہ زندہ اشیاء اور ان کے ماحول کے درمیان توازن ہے اور تمام اشیاء ایک دوسرے کے ساتھ توازن کے ساتھ قائم ہیں۔ مثلاً وہ پرندے جو چھوٹے پرندوں کا شکار کر کے غذا حاصل کرتے ہیں وہ قلیل التعداد ہیں کیوں کہ یہ بہت کم انڈے دیتے ہیں اور یہ محدود اور متعین علاقوں میں زندہ رہتے ہیں اور ان کی عمر طویل ہوتی ہے۔ اگر طویل عمر کے ساتھ ان کے بچے بھی زیادہ ہوتے اور یہ ہر علاقہ میں زندہ رہ سکتے تو وہ دنیا سے تمام چھوٹے پرندوں کو ختم کر دیتے اور چھوٹے پرندوں کی نسل ختم ہو جاتی ان کا مقصد تخلیق فوت ہو جاتا۔

الحاصل، مذکورہ بالا اقتباس سے ثابت ہو گیا کہ اللہ نے ہر چیز ایک خاص اور مطلوبہ مقدار میں پیدا کی ہے جس سے کائنات کا توازن

(balance) قائم ہے۔ اس مفہوم کی ایک دوسری آیت ہے: ”وَوَخَّلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَرَهُ تَقْدِيرًا“ (فرقان: 2)۔ ترجمہ: اس نے ہر چیز کو پیدا کیا اور نہایت پورے پورے اندازہ سے پیدا کیا۔ اسی سلسلہ میں ایک دوسری آیت ہے: ”وَأَتَيْنَنَا فِيهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْزُونًا“ (حجر: 19)۔ مولانا آزاد اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

موزون ہونے کا مطلب یہ ہوا کہ زمین میں جتنی نباتات اگتی ہیں سب کے لیے حکمت الہیہ نے خاص اندازہ ٹھہرایا ہے۔ ہر چیز اپنی نوعیت، کمیت اور کیفیت میں جچی تلی حالت رکھتی ہے جس سے کبھی باہر نہیں جاسکتی۔ ممکن نہیں کہ گھاس کی ایک شاخ بھی آگ آئے جو گھاس کے مقدار ہو۔ طرح طرح کے غلے، طرح کے پھول، طرح طرح کے پھل، سبزیاں، درخت اور گھاس آگ رہی ہیں اور نہیں معلوم کب سے آگ رہی ہیں لیکن کوئی چیز بھی ان میں ایسی ہے جس کی شکل ڈیل ڈول، رنگت و خوشبو مزہ اور خاصہ ایک خاص مقررہ اندازے پر نہ ہو اور ٹھیک ٹھیک کانٹے کی تول نہ ہو اور اعتدال کا مفہوم داخل ہے۔ جتنی چیزیں اگتی ہیں اپنی ساری باتوں میں تناسب و اعتدال کی حالت رکھتی ہیں۔ کوئی شے نہیں جو اپنی کمیت و کیفیت میں غیر مناسب اور غیر معتدل ہو۔

الغرض، ماسبق کے جملہ حوالوں سے یہ امر مبرہن ہو جاتا ہے کہ زیر بحث آیت میں ”المیزان“ سے مراد کائنات کا عدل و توازن ہے اور معاً اس توازن میں رخنہ اندازی سے منع کیا گیا ہے۔ اس طرح ہم مشاہدہ کرتے ہیں کہ کائناتی توازن کے سائنسی نظریہ سے 1400 سال قبل قرآن سب سے اول کائناتی توازن یا ماحولیاتی توازن (ecological balance) کی حقیقت کو آشکار کیا۔

6.6 حیاتیاتی تنوع (Bio Diversity)

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ آج کائنات کا اعتدال و توازن متزلزل ہے۔ اس کی اہم وجہ حیوی تنوع کا انعدام ہے۔ ذیل کے سطور میں مقالہ نگار پہلے حیاتیاتی تنوع سے متعلق کچھ اہم نکات کی جانب اشارہ کرے گا پھر اس سے متعلق قرآن و حدیث کے ارشادات منقول ہوں گے۔

- حیاتیاتی تنوع کی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے:

حیاتیاتی تنوع قدرت کا وہ حصہ ہے جو ایک نسل کے افراد کے جینیات (genetics) پر مشتمل ہوتا ہے، ایک علاقہ کے تمام نسلوں کے تعداد پر مشتمل ہوتا ہے نیز ایک مخصوص علاقہ کے جملہ اقسام کے نظام ماحول پر مشتمل ہوتا ہے۔ حیاتیاتی تنوع کے ایک اکائی سے کسی جغرافیائی یا سیاسی خطہ کی خاصیت سازی ہو سکتی ہے۔

- حیاتیاتی تنوع کی قسمیں:

- 1- جینیاتی تنوع: ایک نسل کے افراد کے درمیان تشنت مثلاً انسان کا ہر فرد مختلف ہے۔
- 2- نسلی تنوع: یہ تنوع مختلف بہت سے نظام قدرت میں مشاہد ہے۔
- 3- نظام ماحول کا تنوع: ہر علاقہ ایک مختلف طرح کا نظام ماحول رکھتا ہے۔ ہر ایک ساخت ایک دوسرے سے جدا ہوتا ہے۔

6.6.1 عالمی نسلوں کا بحران

انسان کے وجود شناس ہونے سے قبل ہر ایک ملین نسلوں میں ایک نسل ناپید ہو جاتی تھی۔ گذشتہ بیسویں صدی میں ہر سال ایک نسل کا خاتمہ ہو رہا تھا۔ اب ہر روز ایک نسل کا خاتمہ ہو رہا ہے اور آئندہ پچاس سے سو سالوں میں حیاتیاتی تنوع کا فقدان مزید تیزی سے ہوگا۔ حیاتیاتی سائنسدانوں کا تخمینہ ہے کہ 2030ء تک بیس فیصد اور صدی کے اختتام تک پچاس فی صد نسلوں کا خاتمہ ہو چکا ہوگا۔ بڑے سائنسدانوں کا قول ہے کہ چھ عظیم فقدان یا ناپیدگی ہونے والی ہے۔

• حیوی تنوع کا تحفظ:

حیاتیاتی تنوع کا تحفظ کی متنوع تدابیر تجویز کی گئی ہے۔ لیکن ماہرین کا کہنا ہے کہ حیاتیاتی تنوع کے تحفظ کا سب سے موثر طریقہ یہ ہے کہ دشت و بیابان کے ایک وافر حصہ کو محفوظ (protected area) قرار دیا جائے۔ یعنی sanctuaries بنائی جائے۔

6.6.2 حیاتیاتی تنوع کا فقدان اور قرآن

جیسا کہ محولہ صفحات میں گذرا کہ آج کائنات کا توازن بگڑ رہا ہے اور اس کی اہم وجہ حیاتیاتی تنوع کا فقدان ہے۔ آج زور رفتاری سے مختلف نسلوں کی ناپیدگی ایک حقیقت بن گئی ہے۔ قرآن کریم میں اس بات کی صراحت کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نسلوں کو ناپید کر کے بندوں کا امتحان لیں گے گویا رزق قرآن نسلوں کا عدم ایک حقیقت ہے جو واقع ہو کر رہے گی۔ چنانچہ ارشاد باری ہے: ”وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخُوفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ“ (بقرہ: 155)۔ اس آیت میں مال اور جان میں نقص اور کمی کے ساتھ پھلوں اور کھیتوں میں کمی کا تذکرہ ہوا ہے۔ ابن کثیر اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ باغ اور کھیت حسب عادت نہیں رہیں گے اور بعض اسلاف نے فرمایا کہ کھجور کے درخت ایک ہی نوع کا کھجور دیں گے۔ اس تفسیر سے صاف ظاہر ہے کہ نباتاتی نسلوں کا خاتمہ ہوگا جیسا کہ آج یہ ایک سائنس حقیقت بن چکا ہے۔

علامات قیامت میں یہ بھی ہے کہ جانوروں کی نسلیں ختم ہونے لگے گی۔ چنانچہ محدث لقلیط بن ارطاة سے روایت ہے کہ قسطنطنیہ فتح ہوگا۔ اس کے بعد ہی مسلمان کو خبر ملے گی کہ دجال نکل گیا ہے حالانکہ یہ خبر غلط ہوگی اور اسی سال آسمان سے ایک تہائی بارش کم ہوگی دوسرے سال دو تہائی کم ہوگی اور تیسرے سال بالکل ہی بارش نہ ہوگی تو کھراور کچلی کے دانت تمام جانور ہلاک ہو جائیں گے۔ اس روایت میں جانوروں کی ایک نسل کے خاتمہ کی پیشین گوئی ہے۔ اسی معنی کی حدیث حضرت اسماء بنت یزید سے مسند احمد میں نقل کی گئی ہے: عن أسماء بنت یزید قالت کنا مع النبی ﷺ فقال: ”إذا کان قبل خروج الدجال بثلاث سنین حبست السماء ثلث مطرها وحبست الأرض ثلث نباتها ... فإذا كانت السنة الثالثة حبست السماء کل مطرها وحبست الأرض نباتها کلہ فلا یبقی ذو خف۔ اس روایت میں صراحت ہے کہ آخر زمانہ میں کوئی بھی کھراور ڈاڑھ والا جانور باقی نہیں رہے گا۔ اس یعنی حیاتیاتی تنوع کے خاتمہ کے حوالہ ملتا ہے جو کہ علامت قیامت میں سے ہے۔

6.6.3 حیاتیاتی تنوع کا تحفظ اور حدیث

جیسا کہ آپ جانتے ہیں ماہرین نے حیاتیاتی تنوع کے تحفظ کے لیے محفوظ مقامات (sanctuaries) بناتے ہیں۔ مگر یہ تصور sanctuaries بنانے کا سب سے پہلے حضرت محمد ﷺ نے دیا۔ چنانچہ صحیح مسلم کی روایت ہے: عن جابر قال: قال النبی ﷺ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ حَرَّمَ مَكَّةَ، وَإِنِّي حَرَّمْتُ الْمَدِينَةَ مَا بَيْنَ لَابَتَيْهَا، لَا يُقْطَعُ عِضَاهُهَا، وَلَا يُصَادُ صَيْدُهَا۔ اس روایت میں صراحت ہے کہ نبی ﷺ نے مدینہ کے درختوں کو کاٹنے اور اس میں شکار کرنے کو منع فرمادیا۔ یہ کسی علاقہ کو sanctuary قرار دینے کی پہلی مثال ہے۔ اس طرح حیوی تنوع کا بہتر تحفظ ہو سکتا ہے جیسا کہ ماہرین آج اس کا اقرار کر رہے ہیں۔

6.7 بتدریج ترقی (Sustainable Development)

ماحولیاتی بحران کا ایک سبب زود دور فاقہ معاشی ترقی ہے۔ آج زندگی کے معیار کو بلند کرنے کی تگ و دو میں مادی دنیا بالخصوص ترقی یافتہ اور ترقی پذیر ممالک منہمک ہیں۔ اس جذبہ کے تحت وسائل کا زیاں کارانہ استعمال ہو رہا ہے جس کے رد عمل میں دنیا وسائل کے قلت کی شکار ہو رہی ہے نیز صنعت گاہوں میں کوئلہ اور دیگر ایندھنوں کے لاتنا ہی استعمال کی وجہ سے ماحولیات کثافت و آلودگی سے متاثر ہے۔ اس لیے اب عالمی طور پر یہ بات زیر غور ہے کہ کس طرح وسائل کا تحفظ بھی ہو، بتدریج ترقی بھی ہو اور ماحولیات کا تحفظ بھی ہوتا ہے اسی نظریہ کو تحفظ پسندانہ ترقی سے تعبیر کرتے ہیں۔ ذیل کے سطور میں مقالہ نگار پہلے تحفظ پسندانہ ترقی (saustainable development) کی تعریف کرے گا پھر اس سلسلہ میں اسلامی تعلیمات پر روشنی ڈالے گا۔ عالمی وفد برائے ماحولیات و ترقی یعنی (World Commision on Enviroment and Development) نے تحفظ پسندانہ ترقی کی تعریف کی ہے: ”ایسی ترقی کی تسکین کو متاثر کیے بغیر موجودہ ضرورت کو پورا کر دے“، مع قدرتی وسائل مثلاً حیات کو خطرہ لاحق نہ ہو نیز وسائل کا استحصال نہ ہو۔

اس عبارت سے واضح ہے کہ تحفظ پسندانہ ترقی کے لیے سب سے اہم امر وسائل قدرت کا تحفظ ہے اور وسائل قدرت کا تحفظ جب ہی ممکن ہے کہ ان کا قناعت پسندانہ استعمال کیا جائے۔ ذیل کے سطور میں چند مثالیں نقل ہیں کہ وسائل کے تحفظ کے لیے اسلام نے کس طرح کی تعلیم دی ہے۔

اسلام نے وسائل کے استعمال کی اجازت دی ہے تاہم، اسراف کی ممانعت ہے۔ ارشاد باری ہے: ”وَكُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ“ (اعراف: 31)۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے وسائل کے استعمال کی اجازت دی ہے، البتہ اس کو اسراف سے مقید کر دیا ہے۔ اسراف محض دنیوی امور میں نہیں بلکہ دینی امور میں بھی ممتنع ہے چنانچہ آنحضور ﷺ نے اسراف کرنے سے منع فرمایا خواہ نہر جاری پر ہو۔ عن عبد اللہ بن عمر أن رسول اللہ ﷺ مر بسعد وهو يتوضأ فقال: 'ما هذا السرف' فقال أ في الوضوء إسراف؟ قال: 'نعم، وإن كنت على نهر جار'۔ اسی طرح ابن ماجہ کتاب الاطعمہ کی روایت ہے کہ ان من السرف ان تاكل كل ما شتهيت۔ یعنی یہ بھی اسراف ہے کہ آدمی خواہش کی ہر چیز کو کھائے۔ اسلام کی یہ درخشاں تعلیمات ہیں جن پر عمل کر کے

وسائل قدرت کا بہتر طور پر تحفظ ہو سکتا ہے جس سے ترقی میں مدد ملے گی۔

یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ دنیا میں جتنے وسائل قدرت ہیں سب کو اللہ نے ایک محدود مقدار میں پیدا کر دیا ہے۔ یوں تو قدرت کے خزانہ میں کسی چیز کی قلت نہیں بلکہ ہر چیز کی فراوانی ہے مگر زمین پر انہیں متعین مقدار میں پیدا کیا گیا ہے۔ یہ پانی، یہ فضا، یہ مٹی اور سب کچھ ایک محدود مقدار میں ہیں۔ ارشاد باری ہے: ”وَإِنْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا عِنْدَنَا خَزَائِنُهُ وَمَا نُنْزِلُهُ إِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُومٍ“ (حجر: 21)۔ اس آیت میں ناطق ہے کہ وسائل قدرت ایک محدود مقدار میں ہیں۔ اسی لیے اسلام میں اسراف کی ممانعت ہے تاکہ محدود وسائل کی زیاں کاری نہ ہو سکے جیسا کہ محولہ سطور میں گذرا۔ اسی لیے اسلام میں قناعت کی تلقین کی ہے۔ سنن ترمذی، کتاب الاطعمہ میں روایت نقل کی ہے: طَعَامُ الْوَاحِدِ يَكْفِي الْإِثْنَيْنِ وَأَنْ طَعَامُ الْإِثْنَيْنِ يَكْفِي الثَّلَاثَةِ وَالْأَرْبَعَةِ۔ یعنی ایک آدمی کا کھانا دو آدمیوں کے لیے اور دو آدمیوں کا کھانا تین اور چار آدمیوں کے لیے کافی ہے۔ یہ روایت صراحتاً تلقین کر رہی ہے کہ وسائل قدرت کا تحفظ کیا جائے اگر اس روایت کو عمل کی شکل دی جائے تو کتنے وسائل کا تحفظ ہو گا اور دنیا جو قلت بعام کا شکار ہے اس وبال سے نجات پائے گی۔ اسی وجہ سے اسلام نے اس جذبہ کو سراہا ہے۔

6.8 اکتسابی نتائج

اس اکائی میں آپ نے درج ذیل نکات سیکھے:

- ماحولیاتی بحران ایک عالمی مسئلہ ہے جس کا حل ہم سب کی اجتماعی ذمہ داری ہے۔ یہ وقت کی اہم ضرورت ہے کہ ہم اپنے طرز زندگی میں تبدیلی لائیں اور ماحول کے تحفظ کو اولین ترجیح دیں۔ اگر ہم آج ماحولیاتی توازن کی بحالی کے لیے سنجیدہ اقدامات نہ اٹھائیں تو مستقبل میں نسل انسانی کو ناقابل تلافی نقصان کا سامنا کرنا پڑے گا۔
- اسلامی تعلیمات نہ صرف روحانی فلاح کی راہ دکھاتی ہیں بلکہ ایک صاف، صحت مند اور متوازن ماحول قائم رکھنے کا جامع نظام بھی فراہم کرتی ہیں۔

6.9 کلیدی الفاظ

آلودگی (pollution)	ماحولیاتی بحران (environmental crisis)
ماء جاری (running water)	شجر کاری (plantation)
حرارت (temperature)	عالمی شدت حرارت (global warming)
تحفظ (conservation)	کونکہ اور پٹرول وغیرہ (fossil fuels)

6.10 نمونہ امتحانی سوالات

6.10.1 معروضی جوابات کے متقاضی سوالات

1. ماحولیاتی بحران کسے کہتے ہیں؟

(a) معاشی مسائل	(b) سماجی مسائل	(c) ماحولیاتی مسائل	(d) طبی مسائل
-----------------	-----------------	---------------------	---------------
2. لفظ فساد کس کی ضد ہے؟

(a) آلودگی	(b) صلاح	(c) امن	(d) سلامتی
------------	----------	---------	------------
3. سورہ المرسلات میں کتنی قسموں کی ہواؤں کا تذکرہ ہے؟

2 (a)	3 (b)	4 (c)	8 (d)
-------	-------	-------	-------
4. فضائی تحفظ کے لئے کس چیز کی زیادہ ضرورت ہے؟

(a) پرندوں کی	(b) درختوں کی	(c) پانی کی	(d) روشنی کی
---------------	---------------	-------------	--------------
5. طہارت شرعیہ کے لئے کس چیز کی ضرورت ہے؟

(a) دودھ	(b) ہوا	(c) پانی	(d) مٹی
----------	---------	----------	---------

6.10.2 مختصر جوابات کے متقاضی سوالات

1. ماحولیاتی بحران کی تعریف اور اقسام لکھیے۔
2. آلودگی کی کتنی قسمیں ہیں؟ بیان کیجیے۔
3. قرآن میں کتنی قسموں کی ہواؤں کی قسم کھائی گئی ہے؟ واضح کیجیے۔
4. حیوی تنوع پر ایک نوٹ تحریر کیجیے۔
5. بتدریج ترقی کسے کہتے ہیں؟ بیان کیجیے۔

6.10.3 طویل جوابات کے متقاضی سوالات

1. ماحولیاتی بحران سے آپ کیا سمجھتے ہیں؟ بیان کیجیے۔
2. ماحولیات کے تحفظ پر اسلامی تعلیمات پر تجزیاتی مضمون لکھیے۔
3. شدت حرارت کے متعلق احادیث میں کیا تفصیل وارد ہوئی ہے؟ بیان کیجیے۔

6.11 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1. Enviornmental and Consersasion : کرس پارس، آکسفورڈ پریس، 2007
2. ماحولیاتی بحران : مسعود احمد، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز نئی دہلی
3. Air Pollution : ایم این راؤ، ٹاٹا ایم سی، گروہل پبلشنگ کمپنی، 1989
4. Natural Research & Enviornment : ڈاکٹر نہال انور صدیقی، خان پبلشرز، دہلی، 2008
5. Enviornmental Studies : آر۔راج گوپالن، آکسفورڈ یونیورسٹی پریس، 2011

معروضی سوالات کے جوابات

1.C	2.B	3.C	4.B	5.C
-----	-----	-----	-----	-----

اکائی 7: آلودگی کی مختلف صورتیں اور اسلامی تعلیمات (حصہ اول)

اکائی کے اجزا	
7.0	تمہید
7.1	مقاصد
7.2	آلودگی کا مفہوم
7.3	فضائی آلودگی (Air Pollution)
7.4	آلودگی سے تحفظ اور اسلامی تعلیمات
7.5	فضائی آلودگی پیدا کرنے والی چیزیں
7.6	صوتی آلودگی (Sound Pollution)
7.7	صوتی آلودگی اور اسلامی تعلیمات
7.8	فرہنگ
10.0	اقتصادی نتائج
10.1	نمونہ امتحانی سوالات
10.1.1	معروضی جوابات کے متقاضی سوالات
10.1.2	مختصر جوابات کے متقاضی سوالات
10.1.3	طویل جوابات کے متقاضی سوالات
7.9	تجویز کردہ اکتسابی مواد

7.0 تمہید

انسان کے ارد گرد جو چیزیں ہیں اور جن چیزوں سے انسان فائدہ اٹھاتا ہے مثلاً زمین، پانی، ہوا، چرند و پرند، نہریں، درخت اور نیل بوٹے وہ سب مل کر انسان کا ماحول بناتی ہیں اور اسی کو ہم ماحولیات سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس کا معتدل اور میانہ روی کے ساتھ استعمال ماحول کو

خوب صورت بناتا ہے، جب کہ اس کا بے جا اور غلط استعمال ماحول کو آلودہ کرتا ہے۔ جب تک قدرتی چیزیں فطری اصولوں کے موافق ہوں گی ماحول اپنی توانائی کے ساتھ باقی رہے گا اور جب ان چیزوں کو فطرت کے اصولوں کے خلاف استعمال کیا جائے گا تو ماحول کا توازن بگڑ جائے گا اور اس پر منفی اثر پڑے گا۔ ماحول کی آلودگی سے انسان خود بھی متاثر ہوتا ہے اور دوسرے جانداروں کو بھی متاثر کرتا ہے۔ ماحولیاتی آلودگی ایک خطرناک وائرس کی طرح ہے جو پورے سماج کے لیے خطرہ ہے اور اس کے نتائج بھیانک ہیں۔ بعض لوگ اسے کینسر کی طرح موت کا بھائی تسلیم کرتے ہیں۔ ایک رپوٹ میں کہا گیا ہے کہ آلودگی دہشت گردی اور بھوک مری سے زیادہ خطرناک ہے، آج عالمی سطح پر ماحولیاتی آلودگی سنگین مسئلہ بن چکی ہے اور اقوام متحدہ سے لے کر دنیا کی بڑی بڑی تنظیمیں اس مسئلے پر حساس انداز میں گفتگو کر رہی ہیں اور لائحہ عمل بنا رہی ہیں۔ 1972ء میں اقوام متحدہ نے سویڈن کی راجدھانی اسٹاک ہوم (Stockholm) میں اس موضوع پر پہلا سیمینار کیا اور ہر سال 5 جون کو عالمی ماحولیاتی دن کے طور پر منانے کا فیصلہ کیا۔ اس ضمن میں ہمارے لیے ضروری ہوتا ہے کہ ماحولیاتی آلودگی کے سلسلے میں اسلامی تعلیمات کا مطالعہ کریں اور جائزہ لیں کہ ماحولیاتی آلودگی سے تحفظ کے لیے اسلام نے ہماری کیا رہنمائی کی ہے؟ اور کس طرح ہم اسلامی تعلیمات کی روشنی میں آلودگی کو ختم کر کے ایک بہتر ماحول بنا سکتے ہیں۔

7.1 مقاصد

اس اکائی کا مقصد یہ ہے کہ

- ماحولیاتی آلودگی کے مفہوم، حقیقت، اقسام اور اس کی مختلف صورتوں کے بارے میں جانیں۔
- ہم ماحولیاتی آلودگی کے اسباب اور آلودگی سے تحفظ کے لیے اسلامی تعلیمات سے واقف ہوں۔
- ماحولیاتی آلودگی کے نقصانات اور اس سے تحفظ کے سلسلے میں فعال کردار ادا کر سکیں۔

7.2 آلودگی کا مفہوم

آلودگی سے مراد یہ ہے کہ ماحول کے فطری عناصر میں غیر فطری عناصر شامل ہو جائیں یعنی قدرتی ماحول میں ایسی چیزوں کا شامل ہو جانا جس کی وجہ سے ماحول میں منفی اور ناخوشگوار تبدیلی واقع ہو جائے آلودگی کہلاتا ہے۔ بعض لوگوں نے آلودگی کی تعریف اس طرح کی ہے : انسان کے اپنے پھیلانے ہوئے فاضل مادے جو اس کے لیے نقصان دہ ہوں۔ آلودگی کو عربی میں ”تلوث“ اور انگریزی میں ”pollution“ اور ہندی میں ”پروڈوشن“ کہتے ہیں۔ آلودگی کبھی قدرتی تبدیلی سے بھی واقع ہو جاتی ہے مثلاً سمندری طوفان وغیرہ؛ لیکن زیادہ تر آلودگی انسان کے غیر ضروری، غلط استعمال اور بے جا مداخلت کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔

1. آلودگی کی مختصر تاریخ

قدیم تہذیبوں کی ترقی ماحولیات کے لئے خطرہ کا باعث نہیں تھی۔ کیوں کہ اس دور کے ارتقا میں ماحول کے تئیں مثبت رویہ پایا جاتا تھا اور انسانی اقدار کی اہمیت اتنی تھی کہ پایا جاتا تھا۔ جس قدر انسانی گروہ کی قدرت کے تئیں غیر ذمہ دارانہ اسراف کیا۔ اسی قدر آلودگی میں بھی

اضافہ ہوا ہے۔ قدیم ترقی یافتہ تہذیبیں سامان کو بنانے کے لیے پانی کا استعمال کرتی تھیں، قدیم زمانے میں مصنوعات کی اس درجہ کثرت نہیں تھی اور اپنے آپ کو ترقی یافتہ بنانے اور دنیا کی دولت سمیٹنے کی ایسی ہوس نہیں تھی جو آج ہے۔ بہت حد تک اخلاقی قدریں باقی تھیں؛ اس لیے ماحولیاتی آلودگی کے مسائل اس درجہ پیدا نہیں ہوئے تھے۔ عہد وسطیٰ میں شہروں کی طرف توجہ دی گئی اور لوگوں نے شہروں کو اپنا مسکن بنانا شروع کیا اس طرح شہری آبادی کی کثرت کی وجہ سے آلودگی کے وہ مسائل پیدا ہوئے جس نے بہت سے متعدی امراض کو جنم دیا۔ دوسری عالمی جنگ کے بعد نیوکلیر ہتھیاروں کے بنانے اور اس کو استعمال کرنے اور دولت بٹورنے کی ہوس نے آلودگی کے مسائل کو سنگین حد تک پہنچا دیا، اگرچہ اس آلودگی پر قابو پانے کے لیے بڑے ملکوں نے بہت سے قوانین بنائے اور معاہدات پر دستخط کئے؛ لیکن بد قسمتی سے ان ممالک نے ان معاہدوں کا پاس و لحاظ نہیں کیا اور دن بدن آلودگی کے مسائل بڑھتے چلے گئے، یہی وجہ ہے کہ پہلے بیماریوں کی وہ کثرت نہیں تھی جو آج ہے۔ بیماری کی اس بہتات میں ماحولیاتی آلودگی کا بنیادی کردار ہے نہ نئی بیماریاں اسی کی وجہ سے جنم لے رہی ہیں۔

پوری دنیا اس وقت ماحولیاتی آلودگی کے تئیں سنجیدہ ہے خود ہندوستان میں آلودگی سے نمٹنے کے لیے کوششیں کی جا رہی ہیں چنانچہ 1972ء میں اس مسئلے سے نمٹنے کے لیے جنگلی جانوروں کے تحفظ کے لیے ایکٹ بنایا گیا پھر 1980ء کو جنگلات کے تحفظ کے لیے قانون بنا۔ عوامی بیداری کے لیے ماحولیاتی تحفظ پر بڑے بڑے سیمینار کیے جا رہے ہیں، 16/ فروری 2005ء کو ماحولیاتی آلودگی کو روکنے کے لیے بین الاقوامی معاہدہ ”کیوٹو پریٹوکول“ نافذ کیا گیا۔ جس کے تحت صنعتی ممالک کو 2012ء تک فضا کو گرم کر رہی گرین ہاؤس گیسوں کا اخراج 5.2 فیصد کم کرنا تھا اسی کا ایک حصہ یہ ہے کہ تمام عصری در سگا ہوں کے نصاب میں ماحولیات اور ماحولیاتی آلودگی کو شامل کیا گیا ہے تاکہ اس سلسلے میں زیادہ سے زیادہ بیداری پیدا ہو۔

2. آلودگی کے نقصانات

آلودگی وہ بھیانک جراثیم ہے جس کی وجہ سے صرف انسانی جسم ہی کو خطرہ نہیں ہوتا ہے؛ بلکہ سیارے پر موجود تمام ذی روح خطرات کی زد میں ہوتے ہیں، اس کی وجہ سے ناک، پھیپھڑے اور آنکھوں میں تکلیف ہوتی ہے، سانس میں پریشانی لاحق ہوتی ہے، مختلف قسم کے امراض جنم لیتے ہیں، سانسوں کے ذریعہ باریک ذرات کے جسم میں جانے کی وجہ سے شریانوں میں سختی پیدا ہوتی ہے۔ ہارٹ اٹیک کے علاوہ دیگر قلبی بیماریاں پیدا ہوتی ہیں اور انفیکشن سے لڑنے کی طاقت جسم میں کم ہو جاتی ہے۔ ایک تحقیق میں یہ بات سامنے آئی ہے کہ جو حاملہ خواتین آلودہ فضا میں رہتی ہیں ان کے یہاں پیدا ہونے والا بچہ دیگر بچوں کے مقابل میں کم وزن کا ہوتا ہے، ”انوائرمینٹل ہیلتھ پرسپیکٹو“ نامی ادارے نے یہ نتائج نو ممالک میں تیس لاکھ سے زائد نوزائیدہ بچوں کے جائزے بعد اخذ کیے ہیں، تحقیق سے پتہ چلا کہ جن بچوں کا جنم آلودہ فضا والے علاقوں میں ہوا ہے انہیں مستقبل میں مسائل کا سامنا رہتا ہے، جیسا کہ انہیں ذیابیطس اور دل کی بیماری کا خطرہ نسبتاً زیادہ ہوتا ہے۔ ایک موثر میڈیکل جرنل ”دی لینسٹ“ میں کہا ہے کہ 2015ء میں 90 لاکھ لوگوں کی موت آلودگی کی وجہ سے ہوئی ہے۔

3. آلودگی کی مختلف قسمیں

آلودگی کی مختلف اعتبار سے مختلف تقسیم کی جاتی ہیں ایک تقسیم قدرتی آلودگی اور صنعتی آلودگی سے کی جاتی ہے۔ قدرتی آلودگی سے مراد

وہ آلودگی ہے جس کا منبع قدرتی مظاہر ہیں جو وقتاً فوقتاً رونما ہوتے ہیں جیسے آسمان سے بجلی کا گرنا اور طوفان کا آنا جو اپنے ساتھ ریت اور گرد و غبار کی بڑی مقدار لے کر چلتے ہیں، اور فصلوں کو نقصان پہنچاتے ہیں آلودگی کی یہ قسم قدیم زمانے سے پائی جاتی ہے اور انسان کی صحت کے لیے نقصان دہ ہے۔ آلودگی کی دوسری قسم صنعتی آلودگی ہے، صنعتی آلودگی سے مراد انسانی سرگرمیوں کے نتیجے میں پیدا ہونے والی آلودگی ہے، انسانی صنعت، تفریح، جدید ٹیکنالوجی کے بڑھتے ہوئے استعمال اور اس کے مختلف ایجادات کی وجہ سے پیدا ہونے والی آلودگی صنعتی آلودگی کہلاتی ہے۔

آلودگی کی دوسری تقسیم ظاہری و باطنی یا مادی و معنوی کے اعتبار سے کی جاتی ہے۔ ظاہری آلودگی میں فضائی آلودگی، آبی آلودگی، صوتی آلودگی، زمینی آلودگی، شعاعوں کی آلودگی اور روشنی کی آلودگی کی مختلف صورتیں آتی ہیں جس کی تفصیل آگے آرہی ہے؛ لیکن آلودگی کی دوسری قسم معنوی اور باطنی آلودگی ہے یہ بھی ماحول کو خراب کرنے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں، اس میں اخلاقی گراؤٹ سیاسی آلودگی، سماجی آلودگی تہذیب و تمدن کی آلودگی داخل ہے۔ اخلاقی گراؤٹ، غیبت، چوری، گالی گلوچ، سیاسی دسیہ کاری، آپسی انتشار و انار کی یہ سب وہ آلودگیاں ہیں جو ہمارے معاشرے کو خراب کرتے ہیں اور اس کا بھی ہمارے جسم پر منفی اثر پڑتا ہے ہمیں جس طرح ظاہری آلودگی سے بچنے کی ضرورت ہے اسی طرح معنوی آلودگی سے بھی بچنے کی ضرورت ہے بسا اوقات معنوی آلودگی ہمارے لیے زیادہ نقصان دہ ثابت ہوتی ہے۔

آلودگی کی ایک تقسیم مقام اور محل کے اعتبار کی جاتی ہے اس اعتبار سے بھی آلودگی کی دو قسمیں ہیں مقامی آلودگی اور طویل فاصلاتی آلودگی، مقامی آلودگی کا مطلب یہ ہے کہ انسانی سرگرمیوں کے نتیجے میں پیدا ہونے والی آلودگی اسی علاقے تک محدود رہے، مثلاً کسی کمپنی کی آلودگی اسی کمپنی یا اس کے آس پاس تک محدود رہتی ہے، اور طویل فاصلاتی آلودگی کا مطلب یہ ہے کہ ایک ملک کی آلودگی اس ملک سے تجاوز کر کے دوسرے ملک کے حدود کو متاثر کرے۔ عام طور پر جنگوں کے موقعوں پر اس طرح کے ایٹمی ہتھیار اور بارود استعمال ہوتے ہیں جو بسا اوقات کئی ملکوں کو متاثر کر دیتے ہیں۔

آلودگی کی تیسری تقسیم ماحولیات کے عناصر کے اعتبار سے ہے، اس اعتبار سے آلودگی کی چھ قسمیں کی جاتی ہیں: زمینی آلودگی، فضائی آلودگی، آبی (پانی) آلودگی، صوتی (آواز) آلودگی، روشنی آلودگی، اور شعاعوں کی آلودگی اور ساری قسمیں ایک دوسرے سے مربوط ہیں اور ماحولیات کو بگاڑنے میں اہم کردار ادا کرتی ہیں۔

7.3 فضائی آلودگی (Air Pollution)

ہمارے اوپر جو خوبصورت بے ستون کے حیرت انگیز چھت نما آسمان ہے جس کا لازوال حسن ہماری نگاہوں کو خیرہ کرتا رہتا ہے، چاند و سورج اور ستارے جو قدرتی حسن میں اضافے کے ساتھ ہماری ضرورتوں میں مصروف عمل ہیں یہ سب فضا کہلاتے ہیں۔ فضا انسانی حیات میں بڑی اہمیت کی حامل تصور کی جاتی ہے، اسی فضا میں میلوں محیط ہوا کا ایک دلربا غلاف ہے جو مختلف گیسوں کا مکسچر ہے، جن میں حجم کے اعتبار سے نائٹروجن 78.9 فیصد، آکسیجن 20.95 فیصد اور کاربن ڈائی آکسائیڈ 0.93 فیصد آرگن 0.040 فیصد حصہ ہے۔ یہ فضائی غلاف

یکساں طور پر حیوانات نباتات اور انسانوں اور نظر نہ آنے والی کئی مخلوقات کے لیے زندگی کی ضمانت ہے تمام مخلوق زندہ رہنے کے لیے اسی سے آکسیجن لیتے ہیں۔

ہوا میں موجود گیسوں میں سے دو گیسیں آکسیجن اور کاربن ڈائی آکسائیڈ زندگی کے وجود اور بقا کے لیے بہت اہم ہے۔ آکسیجن کے ذریعہ ہر جاندار اپنی غذا تحلیل کر کے توانائی حاصل کرتے ہیں، اس کے بغیر جاندار کی اکثریت ہلاک ہو جائے گی، جب کوئی جانور سانس لیتا ہے تو آکسیجن گیس بھی جسم میں داخل ہوتی ہے اور خون میں شامل ہو کر تمام جسم میں پھیل جاتی ہے اور جسم کے گوشے گوشے میں جا کر ہر سیل تک پہنچ جاتی ہے اور سیل کی سطح میں یہ غذا کو تحلیل کر کے توانائی اور کاربن ڈائی آکسائیڈ بناتی ہے یہ ایک طرح کا کیمیائی اور احتراقی عمل ہوتا ہے جس میں گلوکوز کو جلایا جاتا ہے۔ کاربن ڈائی آکسائیڈ تمام انسانوں اور جانوروں کے لیے زہریلی ہے اور جسم سے فوراً خارج کی جاتی ہے گویا انسان سانس کے ذریعہ آکسیجن کو اندر داخل کرتا ہے اور جسم کے اندر موجود کاربن ڈائی آکسائیڈ کو باہر کرتا ہے۔ اس زہریلی گیس کو تحلیل کرنے کا ذریعہ اللہ تعالیٰ نے ہرے پودے کے ذریعہ قائم کر رکھا ہے ہرے پودے دن کے وقت اس زہریلی گیس کو جذب کرتے ہیں اور سورج کی توانائی کی مدد سے اس گیس کو پانی کے ساتھ ملا کر گلوکوز بناتے ہیں۔ یہ بھی ایک کیمیائی عمل ہے جس میں نہ صرف گلوکوز جو کہ ہر جانور کی بنیادی غذا ہے بنتا ہے؛ بلکہ آکسیجن بھی بنتی ہے جس کو دن کے وقت ہرے پودے ہوا میں خارج کرتے ہیں گویا ہوا میں کاربن ڈائی آکسائیڈ اور آکسیجن کا باہم توازن ہرے پودے اور جانور کی مدد سے قائم رہتا ہے۔

1. فضائی آلودگی (Air Pollution) کا مفہوم

ہوا میں بیرونی اجزاء مثلاً زہریلی گیس، دھول، اور دھواں کے شامل ہونے کو فضائی آلودگی سے تعبیر کرتے ہیں۔ ان چیزوں کی وجہ سے فضا میں موجود ہوا بدل جاتی ہے اور ہوا میں نقصان دہ مادے پھیل جاتے ہیں جو انسانی جسم کے ساتھ تمام ذی روح کے لیے بھی تکلیف اور ہلاکت و بربادی کا باعث بنتے ہیں۔ بڑھتی ہوئی فضائی آلودگی کی وجہ سے ماحولیاتی نظام کی بقا کے لیے خطرہ ہے اور فضا کو مضر شعاعوں سے محفوظ رکھنے والی اوزون پر ت ختم ہو رہی ہے اور یہ ماحولیات کے لیے بڑا خطرہ بن سکتا ہے۔

2. فضائی آلودگی کے اسباب

فضائی آلودگی کے مختلف اسباب ہیں: جیسے صنعتی فضلہ کا فضا میں پھیل جانا ایک اہم سبب ہے، شہری آبادی کے بڑھ جانے کی وجہ سے موٹر گاڑیوں کی کثرت ہو گئی ہے اس سے نکلنے والے دھوئیں فضا میں آلودگی پیدا کرتے ہیں، اسی طرح فیکٹریوں کے دھوئیں، ڈیزل، پٹرول، کیروسین آئل (Oil) اور دوسرے آئل کا کثرت سے استعمال، معاشی جد جہد کے لیے وسائل کا کثرت سے استعمال، ٹریفک کی بہتات اور اس کا غیر فطری نظام، ہتھیاروں کی ذخیرہ اندوزی اور اسلحہ ڈپوز میں آتشزدگی، جنگلات کا صفایا، زہریلی گیسوں اور تابکاری شعاعوں کا اخراج، سگریٹ نوشی، فضائی آلودگی کے بڑے اسباب میں سے ہیں۔ عام جنگلات 36 فیصد کے بجائے 28 فیصد ہو گئے ہیں جنگلات کی کٹائی کی وجہ سے ایک طرف فضائی آلودگی میں اضافہ ہو رہا ہے اور دوسری طرف صحرائی حصہ وسیع ہو رہا ہے، دنیا میں صحرائی علاقہ میں 11.4 فیصد سے بڑھ کر 17 فیصد ہو گیا ہے۔

- فضائی آلودگی کے مختلف ذرائع ہیں ان میں سے چند اہم یہ ہیں:

- 1- صنعتی آلودگی (Industrial Pollution)
- 2- ذرائع حمل و نقل کی آلودگی (Vehicle Pollution)
- 3- زراعتی آلودگی (Agricultural Pollution)
- 4- گھریلو آلودگی (Domestic Pollution)

3. فضائی آلودگی کے نقصانات

فیکٹریوں سے نکلنے والے دھوئیں اور زہریلی گیسوں میں تحلیل ہو کر کاربن ڈائی آکسائیڈ کی سطح میں اضافہ کا سبب بن رہی ہیں، گرین ہاؤس گیس کا اخراج کثرت سے ہو رہا ہے، اور آکسیجن میں کمی آرہی ہے جس کی وجہ سے اوزون کی چادر (ozone layer) کو کافی نقصان پہنچ رہا ہے، اوزون میں سوراخ ہو جانے کی وجہ سے سورج میں چلنے والی مختلف خطرناک قسم کی شعاعیں ہماری زمین تک پہنچنے لگی ہیں جس سے کینسر اور دیگر جلدی امراض کے امکانات بڑھ گئے ہیں، ذہنی تناؤ، بلڈ پریشر، اور دیگر بیماریاں تیزی سے پھیل رہی ہیں۔ فضائی آلودگی کا دوسرا بڑا نقصان موسمی تبدیلی پر پڑ رہا ہے، زہریلی گیسوں کی وجہ سے درجہ حرارت میں تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے، اور اس کی وجہ سے دنیا بار بار قحط کی مصیبت میں گرفتار ہو سکتی ہے، درجہ حرارت میں اضافہ کی وجہ سے برف تیزی سے پگھلیں گے اور سمندر میں تلاطم پیدا ہوگا، جو ساحلی شہروں میں تباہی کا پیش خیمہ ثابت ہوگا، سمندر کی یہ تلاطم خیزی کئی ہزار ساحلی شہروں کو غرقاب کر دے گا۔ تفریح گاہیں زیر آب ہوں گی؛ بلکہ بحری زندگی جن میں جانور، پودے اور جراثیم لاکھوں کی تعداد میں شامل ہوتے ہیں یہ سب عام تباہی کی نذر ہو جائیں گے۔ آئے دن آج ہم دیکھتے ہیں کہ مختلف شہروں میں سیلاب کی کثرت ہو رہی ہے، خاص کر سمندری علاقوں میں سیلاب کی تباہی دیکھنے کو مل رہی ہے، یہ سب درجہ حرارت میں اضافہ کے باعث ہو رہا ہے۔ سمندری طوفان اور بے موسم بارش بھی آلودگی کے اثرات ہیں۔

7.4 آلودگی سے تحفظ اور اسلامی تعلیمات

کائنات اللہ تعالیٰ کی حسین شاہکار ہے اور کائنات کی ہر چیز ایک اصول کے ساتھ مربوط ہے، ظاہر ہے کہ اصول کی رعایت کے ساتھ جب کسی چیز کو استعمال کیا جائے گا تو نہ صرف اس کا حسن باقی رہے گا؛ بلکہ اس کو دوام اور بقا بھی حاصل ہوگا جیسے کہ انسان کوئی مشین بنائے تو اس کو چلانے کے لیے کچھ قوانین وضع کرتا ہے جب مشین کو اس کے بتائے ہوئے اصول اور طریقے کے مطابق استعمال کیا جاتا ہے تو وہ مشین کام کرتی ہے اور جب بتائے ہوئے طریقے کے خلاف استعمال کیا جاتا ہے تو مشین جلد ہی کام کرنا بند کر دیتی ہے۔ اسی طرح جب انسان قدرت کے اس کارخانے کو غلط طریقے سے استعمال کرتا ہے تو کارخانہ میں فساد پیدا ہو جاتا ہے اور کارخانہ کے پاٹ پرزے کام کرنا بند کر دیتے ہیں۔ بلکہ یہاں نہ صرف ماحولیاتی توانائی کام کرنا بند کر دیتی ہیں؛ بلکہ منفی اور مضر پہلوؤں پر کام کرنے لگتی ہیں جس کا نقصان خود ماحول بگاڑنے والوں کو ہوتا ہے اور ساتھ میں جو بھی اس ماحول کا حصہ ہوتے ہیں انہیں بھی اس کے نقصان دہ پہلوؤں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

نظام کائنات انسانوں کے فلاح و بہبود کے لیے ہے جس سے انسانی جسم کی صحت مند نشوونما ہوتی ہے، انسان بیماریوں سے محفوظ رہتا ہے، خوشگوار فضا میں سانس لیتا ہے؛ لیکن جب اس میں فساد اور بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے تو اسی فضا میں انسان کے لیے سانس لینا مشکل

ہو جاتا ہے، آدمی اس ماحول میں گھٹن محسوس کرتا ہے، طرح طرح کی بیماریاں پیدا ہو جاتی ہیں اور بسا اوقات انسانی جانیں ہلاک و برباد ہو جاتی ہیں۔

اسلام کا نقطہ نظر یہ ہے کہ یہ دنیا خود بخود وجود میں نہیں آئی ہے؛ بلکہ اس کا بنانے والا خالق اور صانع ہے اور وہ خالق و صانع ایک ہے متعدد نہیں ہے اور وہ اللہ رب العزت کی ذات ہے، اس نے یہ خوبصورت کائنات بنا کر انسانوں کے حوالے کر دیا ہے اور انسانوں کے لیے اس پوری کائنات کو مسخر کر کے اس کے قبضہ و تصرف میں دے دیا ہے۔ قرآن میں ہے: **اللَّهُ سَخَّرَ لَكُم مَّا فِي السَّمُوتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَأَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهُ ظَاهِرَةً وَبَاطِنَةً**۔ (لقمان: 20)۔ ترجمہ: کیا تم لوگوں نے یہ نہیں دیکھا کہ آسمانوں اور زمینوں میں جو کچھ ہے اسے اللہ تعالیٰ نے تمہارے کام میں لگا رکھا ہے اور تم پر اپنی ظاہری اور باطنی نعمتیں پوری پوری نچھاور کی ہیں۔ ایک اور سورہ میں ارشاد ہے: **هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا**۔ (بقرة: 29)۔ ترجمہ: وہی اللہ ہے جس نے زمین کی ساری چیزیں تمہارے لیے پیدا کی ہیں۔

اس کے علاوہ متعدد آیات میں اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے لیے کائنات کی تسخیر کو بیان کیا ہے کہیں پر رات و دن کے مسخر کرنے کو اور کہیں پر بحر و بر کو سورج اور چاند کی تسخیر کو بیان کر کے اشارہ کیا ہے کہ پوری کائنات کو اللہ نے انسانوں کی خدمت میں لگا رکھا ہے۔ لیکن انسان کا فرض ہے کہ اس کائنات اور خدا کی تخلیق کو اس کے بتائے اصولوں کے مطابق استعمال کرے اس میں تبدیلی اور بگاڑ پیدا نہ کرے اور اسی بگاڑ کو قرآن کریم میں فساد سے تعبیر کیا گیا ہے: چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُمْ بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ**۔ (روم: 41)۔ ترجمہ: لوگوں نے اپنے ہاتھوں جو کمائی کی اس کی وجہ سے خشکی اور تری میں فساد پھیلاتا کہ انہوں نے جو کام کیے ہیں اللہ تعالیٰ ان میں سے کچھ کامزہ انہیں چکھائے شاید وہ باز آجائیں۔

1. آلودگی فساد ہے

قرآن کریم کی متعدد آیات میں فساد کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ فساد عربی لفظ ہے جس کے معنی بگاڑ، خرابی، کرپشن، وغیرہ کے آتے ہیں۔ فساد کی ضد صلاح ہے جس کے معنی حالات کا درست اور متوازن رہنا ہے لہذا فساد کا معنی ہوگا توازن کا بگاڑ جانا۔ فساد کا ایک وسیع مفہوم ہے جس میں جہاں دوسری اخلاقی و مادی چیزیں داخل ہیں اسی طرح نظام فطرت کو بدلنا اور اس میں بگاڑ پیدا کرنا بھی فساد میں داخل ہے۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فساد اور فساد پیدا کرنے والے کو ناپسند کیا ہے اور جو لوگ دنیا میں فساد پیدا کرتے ہیں ان کے لیے سخت وعید اور سزا کی بات کی گئی ہے اس میں جہاں دیگر فساد کی صورتیں شامل ہیں؛ اسی طرح آلودگی بھی داخل ہے اور ماحول کو پر آگندہ اور خراب کرنے والے بھی اس وعید کے مستحق ہیں۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ حرث و نسل کے تباہ کرنے کو فساد سے تعبیر کیا ہے: **وَإِذَا تَوَلَّى سَعًى فِي الْأَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْفُسَادَ**۔ (بقرة: 205)۔ ترجمہ: اور جب اٹھ کر جاتا ہے تو زمین میں اس کی دوڑ دھوپ اس لیے ہوتی ہے کہ وہ اس میں فساد مچائے اور فصلیں اور نسلیں تباہ کرے؛ حالاں کہ اللہ تعالیٰ فساد کو پسند نہیں کرتا ہے۔ مزید ارشاد ہے: **وَابْتَغِ فِيمَا آتَاكَ اللَّهُ الدَّارَ الْآخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَأَحْسِنْ كَمَا أَحْسَنَ اللَّهُ إِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ**

الْفَسَادُ فِي الْأَرْضِ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ۔ (قصص: 77)۔ ترجمہ: اور اللہ نے تمہیں جو کچھ دے رکھا ہے اس کے ذریعہ آخرت والا گھر پیش نظر رکھو اور دنیا میں سے بھی اپنے حصے کو نظر انداز نہ کرو اور جس طرح اللہ تعالیٰ نے تم پر احسان کیا ہے تم بھی دوسروں پر احسان کرو اور زمین میں فساد مچانے کی کوشش نہ کرو یقین جانو اللہ تعالیٰ فساد مچانے والوں کو پسند نہیں کرتا ہے۔ کسی کا قتل کرنا، لوگوں پر ظلم کرنا، انسانیت کو ناحق ستانا لوگوں کے مال دولت پر ناجائز قبضہ کرنا جس طرح یہ چیزیں فساد کا حصہ ہیں؛ اسی طرح ماحول میں بگاڑ پیدا کرنا فساد کا حصہ ہے، زمین پر زہریلے گیس چھوڑنا جس سے لوگ بیمار پڑ جائیں، پانی میں کیمیکل ملانا جس سے پانی خراب ہو جائے اور صحت کو نقصان پہنچے، کھلے میں کچرا ڈالنا جس سے زمین آلودہ ہو جائے اور پانی گندہ ہو جائے یہ سب فساد ہے جس پر قرآن کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کیا ہے۔

2. درختوں کے کاٹنے کے سلسلے میں اسلامی ہدایات

اسلام نے نہ صرف ماحول کو خراب کرنے سے منع کیا ہے؛ بلکہ ان تمام چیزوں سے منع کیا ہے جو آلودگی کا سبب بنتی ہیں اور ان تمام چیزوں کی ترغیب دی ہے جن سے ماحول یا قی تحفظ حاصل ہوتا ہے۔ درختوں کا کاٹنا اور ہریالی کا ختم ہو جانا فضائی آلودگی کے اسباب میں سے ایک اہم سبب ہے۔ آبادی کی کثرت اور شہر آباد کرنے کی چاہت کی وجہ سے درختوں اور جنگلات کو کاٹنے کا معمول بنتا جا رہا ہے جو ماحولیات کے لیے خطرہ ہے، جنگلات کے کاٹنے سے گلوبل وارمنگ کے خطرات بڑھتے جا رہے ہیں جس کے نتیجے میں زیر زمین پانی کی سطح کم ہو رہی ہے۔ احادیث میں درخت کاٹنے کی ممانعت کی گئی ہے: من قطع سدرۃ صوب اللہ رأسہ فی النار۔ ترجمہ: جو بیر کی درخت کاٹے گا اللہ اسے اٹلے منہ دوزخ میں ڈالے گا۔

اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے امام ابو داؤد لکھتے ہیں: سئل أبو داود عن معنی هذا الحديث قال: معناه من قطع سدرۃ فی فلاة يستظل بها ابن السبیل والبہائم عبثاً و ظلماً بغير حق یكون فیها صوب اللہ رأسہ فی النار ای نکسہ۔ ترجمہ: وہ شخص جو جنگل میں اُس بیر کی درخت کو ناحق کاٹے جس سے مسافر اور جانور سایہ حاصل کرتے ہیں تو ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ اونڈھے منہ دوزخ میں داخل کرے گا۔

اسلام سے پہلے عام طور پر جنگلوں کے موقعوں پر مفتوح اقوام کے باغات اور درخت کاٹ دئے جاتے تھے آبادی کو ویرانے میں تبدیل کر دیا جاتا تھا جنگلات کو نذر آتش کر دیا جاتا تھا اسلام نے ان چیزوں کو ممنوع قرار دیا۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے درختوں اور کھیتوں کے کاٹنے والے کو فسادی قرار دیتے ہوئے اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کیا ہے چنانچہ سورہ بقرہ، آیت 205 میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب اسے قدرت حاصل ہوتی ہے تو زمین میں اس کی دوڑ دھوپ اس لیے ہوتی ہے کہ وہ وہاں فساد مچائے، اور فصلیں اور نسلیں تباہ کرے حالانکہ اللہ فساد ک پسند نہیں کرتا ہے۔

مشہور مفسر علامہ قرطبی اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: یہ آیت [بقرہ: 205] اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ کھیتی اور کاشت کاری کرنی چاہیے اور درخت لگانا چاہیے تاکہ زرعی پیداوار اور نسل حاصل ہو اور نسل سے مراد مولیٰ کی افزائش ہے کیوں کہ اسی سے

انسانی زندگی کی ضرورتیں پوری ہوتی ہیں۔

آپ ﷺ فوج کے سرداروں کو بھی یہی حکم دیتے تھے کہ کسی درخت کو مت کاٹنا اور مکان کو منہدم کرنا اسی طرح حضرت ابو بکرؓ نے ایک قافلہ جنگ کے لیے روانہ فرمایا تو انہیں دس باتوں کی نصیحت فرمائی ان میں ایک بات یہ تھی کہ درخت مت کاٹنا۔

ان تمام احادیث و آثار سے صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ اسلام میں ان درختوں کو کاٹنے سے منع کیا گیا ہے جن سے انسان یا جانور کا نفع متعلق ہو، اس سے لوگ پھل کھاتے ہوں یا سایہ حاصل کرتے ہوں ہاں اگر ضرورت ہو یا اپنی ملکیت میں ہو اور ان کو ضرورت کے موقع پر کاٹنے کے لیے لگایا گیا ہو تو درختوں کو کاٹنے کی اجازت ہوگی لیکن بلا ضرورت درختوں یا جنگلوں کو کاٹنا درست نہیں ہے۔

3. شجر کاری کی اہمیت

ہرے بھرے جنگلات، درخت، پھول اور پودے ماحول کو خوشنما بناتے ہیں، آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچاتے ہیں انسانوں اور جانوروں کی غذائی ضرورت پورے کرتے ہیں، دھوپ میں سایہ کا کام دیتے ہیں، ان سب کے علاوہ ماحولیاتی آلودگی سے تحفظ میں بڑا اہم کردار ادا کرتے ہیں، درختوں سے ہرے، بھرے اور گھنے جنگلات صاف شفاف ہوا فراہم کرتے ہیں، سیلاب کے خطرے کو کم کرتے ہیں، درجہ حرارت کو معتدل بناتے ہیں، فضا میں آکسیجن کی مقدار میں اضافہ اور کاربن ڈائی آکسائیڈ میں کمی کا ذریعہ ہے؛ اس لیے کہ ہرے بھرے درخت جانداروں کے برعکس کاربن ڈائی آکسائیڈ کو جذب کر کے آکسیجن باہر کرتے ہیں اسی لیے اسلام نے درختوں کے کاٹنے سے منع کرنے کے ساتھ ساتھ شجر کاری کی بڑی ترغیب دی ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے زراعت کی نسبت اپنی طرف کر کے کھیتی کی ترغیب دی ہے: ”أَفَرَأَيْتُمْ مَّا تَحْرُثُونَ ۚ أَلَأَنْتُمْ تَزْرَعُونَهُ أَمْ نَحْنُ الزَّارِعُونَ ۚ وَلَوْ نَشَاءُ لَجَعَلْنَاهُ حُطًا مَّا فَطَرْتُكُمْ تَفْكُهُمْ ۚ“ (واقعہ: 65-63)۔ ترجمہ: اچھا پھر یہ بتلاؤ تم جو کچھ بوتے ہو، درحقیقت اس کی کھیتی تم کرتے ہو یا ہم کرنے والے ہیں اور اگر ہم چاہیں تو اس کو چوراچور کر دیں پھر تم متعجب ہو کر رہ جاؤ۔

آپ ﷺ نے شجر کاری کی بڑی اہمیت بیان کی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے حضور ﷺ نے فرمایا: ما من مسلم يغرس غرساً أو يزرع زرعاً فيأكل منه إنسانٌ أو طائرٌ أو بهيمةٌ إلا كانت له صدقة۔ ترجمہ: نبی ﷺ نے فرمایا: جو کوئی پودا بوتا ہے یا کھیتی کرتا ہے پھر اس سے پرندے انسان یا چوپائے کھاتے ہیں مگر وہ اس کے لیے صدقہ ہوتا ہے۔

- إن قامت على أحدكم القيامة و في يده فسيلة فليغرسها۔ ترجمہ: اگر تم میں سے کسی کے ہاتھ میں پودا ہو اور وہ اس بات پر قادر ہو کہ قیامت قائم ہونے سے پہلے اسے لگا لے تو ضرور لگاے۔

اسی طرح کاشت کاری کے ذریعہ زمین کو آباد کرنے کی آپ ﷺ نے اس قدر ترغیب دی کہ جو زمین خالی پڑی ہے اگر کوئی کاشت کے ذریعہ اس کو آباد کرے تو وہ زمین اسی کی ہو جائے گی۔ حدیث نبوی میں ہے:

- من أعمر أرضاً ليست لأحدٍ فهو أحق بها۔ ترجمہ: جو شخص کسی ویران زمین کو آباد کرے جس پر کسی کا کوئی حق نہ ہو تو وہ شخص ہی اس زمین کا زیادہ حق دار ہوگا۔

آپ ﷺ نے درخت لگانے کے صرف دنیوی فوائد بیان نہیں کئے بلکہ آپ ﷺ نے آخرت کے اجر ثواب کا بھی وعدہ کیا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام میں درخت لگانا مسلمانوں کا دینی و مذہبی فرائض ہے۔

جنگلات کا صفایا:

جنگلات بارش برسانے، زمین کی تخریب کاری روکنے، فضا کو صاف رکھنے، فضائی توازن کو برقرار رکھنے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ لیکن مادی ضرورتوں اور دولت کو زیادہ سے زیادہ سمیٹنے کی حرص و ہوس نے جنگلات کا صفایا کر دیا ہے اس کے بھیانک نتائج ظاہر ہوئے ہیں، اور گلوبل وارمنگ میں اضافہ ہوا ہے۔ چونکہ جنگلات ماحول کو معتدل بنانے میں اہم رول ادا کرتے ہیں، یہ کاربن ڈائی آکسائیڈ کو جذب کر کے ماحول کو تحفظ فراہم کرتے ہیں اور گلوبل وارمنگ کو بڑھنے سے روکتے ہیں، اسی وجہ سے ماہرین درختوں اور پیڑ پودوں کو آکسیجن کی فیکٹریاں کہتے ہیں۔ جنگلات میں بے شمار جانور رہتے ہیں بلکہ جانوروں کے ستر فیصد اقسام جنگلوں میں رہائش پذیر ہیں جن میں زیادہ تر خطرناک اور زہریلے جانور ہوتے ہیں جو فضا میں موجود زہریلے اجزاء کو پی جاتے ہیں، بعض کثافت پیدا کرنے والی اشیاء اور جانوروں کو اپنی غذا بنالیتے ہیں اور انسانوں کو ہلاکت و تباہی سے بچاتے ہیں۔ ان جانوروں کا خاتمہ ماحولیات پر بڑا منفی اثر پیدا کرے گا اسی طرح جنگلات میں نباتات کی بے شمار اقسام پائی جاتی ہیں جو آلودگی کے خاتمے کے لیے اہم مانی جاتی ہیں۔ جنگلات کی کٹائی سے ہم نباتات سے محروم ہو جائیں گے۔ اسلام نے جو درختوں کو کاٹنے سے منع کیا ہے اس میں جنگلات بھی داخل ہے اس لیے بلاوجہ جنگلات کا کاٹنا اسلام کی نظر میں بھی درست نہیں ہے۔

4. جانوروں کا تحفظ

ماحولیاتی آلودگی سے تحفظ کے لیے جانوروں کا تحفظ بہت اہم ہے؛ اس لیے کہ جانور انسانوں کی غذا اور بار برداری کی ضرورت پوری کرتے ہیں اور زینت کا کام دیتے ہیں۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے مقام احسان میں ان چیزوں کو شمار کیا ہے، چنانچہ قرآن میں ہے: وَالْأَنْعَامَ خَلَقَهَا لَكُمْ فِيهَا دِفْءٌ وَمَنْفَعَةٌ وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ ○ وَلَكُمْ فِيهَا جَمَالٌ حِينَ تُرْجَعُونَ وَحِينَ يُسْرَحُونَ ○ وَتَحْمِلُ أَثْقَالَكُمْ إِلَىٰ بَلَدٍ لَّمْ تَكُونُوا بِلَيْغِهِ إِلَّا بِشِقِّ الْأَنْفُسِ إِنَّ رَبَّكُمْ لَرَؤُوفٌ رَّحِيمٌ ○ وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيرَ لِتَرْكَبُوهَا وَزِينَةً وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُونَ۔ (نحل: 8-5)۔ ترجمہ: اور اس نے چوپائے پیدا کیے تمہارے لیے ان چوپایوں میں گرمی پیدا کرنے کا سامان ہے اور دوسرے منافع بھی ہیں اور ان میں سے بعضوں کو کھاتے بھی ہو اور تمہارے لیے ان چوپایوں میں خوبصورتی ہے جس وقت کے تم شام کو چراگاہ سے واپس لاتے ہو اور جب کہ تم جانور چرانے کے لیے جاتے ہو اور یہ جانور تمہارے بوجھ اٹھالے جاتے ہیں ایسے علاقے تک کہ تم وہاں تک نہیں پہنچ سکتے مگر جانوروں کی مشقت سے، یقیناً تمہارا رب البتہ نہایت مہربان، بڑا رحم والا ہے اور اس نے گھوڑے اور خچر اور گدھے پیدا کئے تاکہ تم ان پر سواری کرو اور زینت کے لیے پیدا کیے اور پیدا کرتا ہے وہ جو تم نہیں جانتے۔

”وَإِنَّ لَكُمْ فِي الْأَنْعَامِ لَعِبْرَةً لِّتُسْقُوا مِمَّا فِي بُطُونِهِ مِنْ بَيْنِ فَرْثٍ وَدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَائِغًا لِلشَّارِبِينَ“ (نحل: 66)۔ ترجمہ: اور یقیناً تمہارے لیے چوپایوں میں عبرت ہے کہ ہم تمہیں پلاتے ہیں اس سے جو ان کے پیٹوں میں ہے گوشت اور خون کے درمیان سے خالص دودھ جو پینے والے کے لیے خوش گوار ہوتا ہے۔

اس کے علاوہ بھی جانور کے بہت سے اہم کام انجام دیتے ہیں خاص طور پر جانور فضائی آلودگی کو کنٹرول کرنے میں معاون ثابت ہوتے ہیں؛ اس لیے کہ بڑے جانوروں کے فضلات نباتات کی افزائش و پیدائش کا سبب بنتے ہیں اور بہت سے زہریلے جانور فضا میں موجود زہریلے مادے اور اثرات کو جذب کر لیتے اور انسانوں کو نقصان سے بچاتے ہیں، اسی لیے اسلام میں جانوروں کے تحفظ پر بہت زور دیا گیا ہے، جانوروں کو تکلیف پہنچانے، بلا وجہ مارنے، ضرورت سے زیادہ ان پر بوجھ لادنے، بلا وجہ قتل کرنے، شوقیہ شکار کرنے، قید کر کے ان کی ضرورت کا خیال نہ رکھنے سے سخت منع کیا ہے۔ آپ ﷺ نے اس عورت کے بارے میں سخت وعید سنائی جس نے بلی کو قید کر کے رکھا اور کھانا پینا نہیں دیا یہاں تک کہ بلی بھوک سے مر گئی اور آپ ﷺ نے اس شخص کے اجر و ثواب کی بشارت سنائی جس نے کتے کو پانی پلا کر اس کی جان بچائی۔

- قرآن و حدیث میں جانوروں کو پالنے، اس کا احترام کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور ان کی کسی قسم کی تکلیف دینے سے منع کیا گیا ہے:
- حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سفر میں تھے آپ ﷺ قضائے حاجت کے لیے تشریف لے گئے ہم نے ایک چڑیا دیکھی جس کے دو بچے تھے ہم نے اس کے بچوں کو پکڑ لیا تو چڑیا زمین پر گر کر پر بچھانے لگی اتنی دیر میں رسول اللہ ﷺ تشریف لے آئے آپ ﷺ نے پوچھا کہ اس کا بچہ پکڑ کر کس نے اسے بے قرار کیا ہے اتنے میں آپ ﷺ نے چوٹیوں کا ایک سوراخ دیکھا جس کو ہم نے آگ لگا رکھا تھا آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کے لیے آگ کے ذریعہ عذاب اور تکلیف دینا جائز نہیں ہے۔
- شوقیہ طور پر جانور کا شکار کرنے اس کا خون بہانے یا انہیں تکلیف دینے سے آپ ﷺ نے منع فرمایا ہے:
- حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے اس شخص پر لعنت فرمائی ہے جو جاندار کو باندھ کر نشانہ بناتے ہیں۔ حضرت عبد الرحمن بن عثمانؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے مینڈک کو دوامیں ڈالنے سے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ ﷺ نے اس کو قتل کرنے سے منع کر دیا۔
- جب کہ آج میڈیکل کی ضرورت کی وجہ سے مینڈک کو قتل کرنا عام سی بات ہے، اسے کوئی بھی جانور کو تکلیف دینا شمار نہیں کرتا ہے یا میڈیکل کی ضرورت کی وجہ سے اس کو جائز قرار دیا جاتا ہے۔
- حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص چڑیا یا اس سے بڑے جانور کو ناحق قتل کر دے تو اللہ تعالیٰ اس کے قتل سے متعلق باز پرس فرمائیں گے عرض کیا گیا یا رسول اللہ اس کا حق کیا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا اس کا حق یہ ہے کہ اسے ذبح کرے اور پھر کھالے لیکن ایسا نہ کرے کہ سر جدا کر کے پھینک دے۔
- مسند احمد میں روایت ہے کہ حضور ﷺ نے جانوروں کو بھوکا رکھنے اور زیادہ کام لینے سے منع فرمایا۔
- سنن ابوداؤد میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے جانوروں کی پشت کو منبر بنانے سے منع فرمایا۔
- صحیح مسلم میں حضرت جابر سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے جانوروں کے چہرے کو داغنے اور مارنے سے منع فرمایا۔

- مستدرک حاکم میں روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک جانور کے سامنے دوسرے جانور کو ذبح کرنے یا جانور کے سامنے چھری تیز کرنے کو بھی ناپسند فرمایا۔

احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے جانوروں کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا حکم دیا ہے اور اس کے ساتھ بدسلوکی اور بد تمیزی اور لعن و طعن سے منع فرمایا ہے۔

اسلام نے ایسے جانوروں اور پرندوں کو قتل کرنے سے بھی منع کیا ہے جن کا گوشت حلال نہیں ہے اور جن سے کسی مضرت کا اندیشہ نہیں ہے۔ ایک روایت ہے کہ حضور ﷺ نے چار جانوروں کو قتل کرنے سے منع فرمایا: چوئٹی، شہد کی مکھی، ہدہد اور لٹورا (بیہقی)۔ اسی طرح جو جانور حلال ہیں ان کو کھانے کے علاوہ دیگر مقاصد سے ذبح کرنے سے منع کیا گیا ہے، سنن نسائی میں مروی ہے کہ: مَنْ قَتَلَ عُصْفُورًا عَبَثًا، عَجَّ إِلَى اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْهُ يَقُولُ: يَا رَبِّ، إِنَّ فَلَانًا قَتَلَنِي عَبَثًا، وَلَمْ يَقْتُلْنِي لِمَنْفَعَةٍ۔ ترجمہ: جس نے چڑیا کو بلا وجہ قتل کیا تو وہ چڑیا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے بولے گی اے میرے رب! فلاں نے مجھے اپنی منفعت کی خاطر نہیں؛ بلکہ بلا وجہ قتل کیا تھا۔

اسلام کی ان تعلیمات کو سامنے رکھا جائے تو جانوروں کے سلسلے میں کافی رہنمائی حاصل ہو جاتی ہے اور جانوروں کا قیمتی تحفظ ہو جاتا ہے جو ہمارے ماحولیات کے لیے خوش گوار ہے لیکن اگر یونہی بلا وجہ جانوروں کا قتل کیا گیا اور جنگلوں کا صفایا ہو تا رہا تو بہت سے جانور ناپید ہو جائیں گے ان کے بارے میں ہم صرف کتابوں میں پڑھ سکیں گے لیکن دیکھنے کی حسرت پوری نہیں کر پائیں گے، ماحولیات کے تحفظ کے لیے ضروری ہے کہ جانوروں کے حقوق کی رعایت کی جائے اور جنگلات کی کٹائی پر روک لگائی جائے۔

5. دھواں پھیلانے کی ممانعت

اسلام میں ان تمام چیزوں اور کاموں سے منع کیا گیا جو فضائی آلودگی کا سبب بنتے ہیں۔ دھواں بھی آلودگی کا ایک سبب ہے جس سے فضاء میں آلودگی پھیل جاتی ہے جو صحت کے لیے نقصان دہ ہے یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ نے رات کو سوتے وقت چراغ گل کرنے کی ہدایت دی تاکہ بلا ضرورت دھواں کی وجہ سے صحت کو نقصان نہ پہنچے۔ ایک مرتبہ مدینہ میں کسی گھر میں آگ لگ گئی جب آپ ﷺ کو خبر دی گئی تو آپ ﷺ نے فرمایا یہ آگ تمہاری دشمن ہے لہذا جب تم سونے لگو تو اسے بجھا دیا کرو (صحیح مسلم)۔ آپ ﷺ نے بلا ضرورت چراغ جلانے سے منع کیا ہے طبرانی کی روایت ہے: کان رسول اللہ ﷺ يكره السراج عند الصبح۔ ترجمہ: حضور ﷺ صبح کے وقت چراغ جلانے کو ناپسند کرتے تھے۔

ان تمام روایات سے دھواں پھیلانے کی ممانعت کا اشارہ ملتا ہے۔ آج صنعتی ترقی نے بہت سی ایسی چیزیں ایجاد کر دی ہیں جو عہد نبوی میں نہیں تھیں، آج کارخانوں کے دھویں، گاڑیوں کے دھویں کو اسی پر قیاس کیا جاسکتا ہے کہ ضرورت کی حد تک ان چیزوں کا استعمال جائز ضرور ہوگا لیکن بلا ضرورت یا ضرورت سے زیادہ جس سے ماحول میں اس قدر آلودگی پھیل جائے جو ماحول اور انسانی زندگی کے خطرات کا سبب ہو وہ درست نہیں ہوگا؛ اسی لیے کارخانوں اور گاڑیوں کے سلسلے میں جو حکومتی ہدایات ہوتی ہیں ان پر عمل کرنا نہ صرف قانوناً ضروری ہے؛ بلکہ

شرعاً بھی اس پر عمل کرنا لازم ہے؛ اس لیے کہ اس کا تعلق مفاد عامہ سے ہے اور انسان کو نقصان پہنچانے والی ہر چیز ممنوع ہے اور ایسی چیزوں پر روک ٹوک کرنے کا ہر شہری کو حق حاصل ہے۔

6. آلائش کو دفن کرنے کا حکم

جن چیزوں سے فضائی آلودگی پیدا ہوتی ہے ان میں آلائش اور گندگی بھی داخل ہے۔ نجاست و غلاظت فضا میں موجود صاف شفاف ہواؤں میں زہریلے اثرات پیدا کرتے ہیں جس کی وجہ سے ہوا میں صحت بخش پاکیزگی باقی نہیں رہتی؛ بلکہ آلودگی کی وجہ سے سانس لینا دشوار ہو جاتا ہے اور وہ تمام ماحولیاتی مسائل پیدا ہوتے ہیں جن کا اوپر تذکرہ کیا گیا ہے؛ اس لیے فضائی آلودگی سے بچنے کے لیے آلائش اور گندگی کا خاتمہ ضروری ہے۔ آپ ﷺ نے ناک سے نکلنے والی آلائش کو بھی دفن کرنے کا حکم دیا۔ حضرت سعد بن ابی وقاص کی حدیث ہے: سمعت رسول الله ﷺ يقول: إذا تنخم أحدكم فليغيب نخامته، لا تصيب جلد مؤمن أو ثوبه۔ ترجمہ: جب تم میں سے کوئی ناک سے رینٹ نکالے اسے چاہیے کہ کہیں دفن کر دے تاکہ کسی مومن کے کپڑے یا جسم پر نہ لگے۔

فقہاء نے جسم کی صفائی کے بعد نکلنے والے بالوں اور ناخنوں کو بھی دفن کرنے کا حکم دیا ہے، جسم سے صاف کئے گئے بالوں یا ناخنوں کو ادھر ادھر ڈالنا ناپسندیدہ عمل ہے۔ حائضہ عورت کے لیے حیض کے کرسف اور آلودہ کپڑوں کو دفن کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ قربانی کے دنوں میں قربانی کی آلائشوں کو دفن کرنے کا حکم دیا ہے۔

غور فرمائیں تو مردوں کی تدفین بھی درحقیقت اسلام کے نظام نظافت کا حصہ ہے اور آلودگی کے خاتمے کی کوشش ہے۔ مردوں کی تدفین کا آغاز تو حضرت آدم علیہ السلام سے ہی شروع ہو گیا تھا، حضرت آدم علیہ السلام کے لیے فرشتے نازل ہوئے اور ان کی اولاد کے سامنے تجہیز و تکفین اور قبر میں دفن کر کے مردوں کی تدفین کا فطری طریقہ بتا دیا۔ قرآن کریم میں بھی اللہ تعالیٰ نے مردوں کی تدفین کے عمل کو اس طرح بیان کیا ہے: ”مِنْهَا خَلَقْنَاكُمْ وَفِيهَا نُعِيدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً أُخْرَى“ (طہ: 55)۔ ترجمہ: اسی [مٹی] سے ہم نے تمہیں پیدا کیا ہے اور اسی [مٹی] میں ہم تمہیں لوٹا دیں گے اور اسی [مٹی] سے تمہیں دوبارہ نکالیں گے۔

قرآن کریم آیت میں اگرچہ بعثت بعد الموت کے نظریہ کو بھی بیان کیا گیا ہے لیکن انسان کے مرنے کے بعد اس کو اسی مٹی کا پیوند ہونے اور اسی خاک کے تلے دفن ہونے کو بھی بہت واضح انداز میں بیان کر دیا ہے۔ مردوں کی تدفین کا یہ طریقہ آلائش کی تدفین کا حصہ ہے اس سے کسی قسم کی آلودگی نہیں ہوتی ہے جب کہ جلانے میں دھوئیں وغیرہ کی آلودگی کے علاوہ دوسری آلودگیاں بھی ہوتی ہیں۔ فقہاء نے آلائشوں کی تدفین کو ضروری قرار دیا ہے: مشہور شامی فقیہ علامہ ابن عابدین اپنی کتاب رد المحتار میں لکھتے ہیں: يَدْفَنُ أَرْبَعَةَ الظَّفَرِ وَالشَّعْرَ وَخِرْقَةَ الْحَيْضِ وَالدَّمَ۔ ترجمہ: چار چیزوں کو دفن کیا جائے گا: ناخن، بال، حیض کے کرسف اور خون۔

7.5 فضائی آلودگی پیدا کرنے والی چیزیں

ما قبل میں ہم نے فضائی آلودگی کے اسباب اور اسلامی تعلیمات پر تفصیلی روشنی ڈالی ہے۔ اب ہم اخیر میں اجمالی طور پر یہ بیان کریں

گے کہ موجودہ ماحول میں کثرت سے آلودگی پیدا کرنے والی چیزیں کیا ہیں اور ان میں کمی کی کیا تدابیر ہیں۔ ماقبل کی تفصیلات کی روشنی میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ کثرت سے آلودگی پیدا کرنے والی چیزیں یہ ہیں:

- 1- صنعتی ترقی کے دور میں گاڑیوں کی کثرت
- 2- فیکٹریوں اور کارخانوں کی کثرت
- 3- تمباکو اور سگریٹ نوشی
- 4- پلاسٹک کا استعمال
- 5- سڑکوں اور پبلک مقامات اور کھلے میں لوگوں کا استنجا کرنا، کوڑا کرکٹ ڈالنا اور گندگی پھیلانا
- 6- بلا ضرورت جنگلات کو کاٹنا اور کھیتوں کو پلاٹ میں تبدیل کرنا

1. فضائی آلودگی کو کم کرنے کی تدابیر

ماقبل کی تفصیلات کی روشنی میں آلودگی کو کم کرنے کی تدابیر یہ ہو سکتی ہیں:

- 1- کارخانوں اور فیکٹریوں کو شہری آبادی سے دور قائم کیا جائے
- 2- چمنیوں کو اتنا اونچا بنایا جائے کہ دھواں اوپری فضا میں جلد داخل ہو سکے
- 3- کم سے کم سلفر پیدا کرنے والے کوئلے کا استعمال کیا جائے
- 4- اچھا ایندھن جس میں میڈ اور سلفر نہ ہو اس کا استعمال کیا جائے
- 5- مشین اور سواریوں کے انجن جدید ٹیکنالوجی سے لیس ہوں جن سے ایندھن کم جلتا ہو اور دھواں کم نکلتا ہو
- 6- فضلات اگر قابل استعمال و تحلیل ہوں تو صحیح طور پر استعمال و تحلیل کر دیا جائے یا پھر کہیں دور پھینک دیا جائے
- 7- بلدیاتی عملہ کو فعال بنایا جائے
- 8- کچرے اور فضلات کو تلف کرنے میں جدید ٹیکنالوجی کا انتظام کیا جائے

7.6 صوتی آلودگی (Sound Pollution)

ماحولیاتی آلودگی کی مختلف قسموں میں ایک قسم صوتی آلودگی (شور کی آلودگی) ہے، انسان ایک معتدل قسم کی آواز سننے کا متحمل ہے اور اسی میں کائناتی حسن بھی مضمر ہے، اللہ تعالیٰ نے انسانوں، جانوروں اور چرند پرند کی ایک مخصوص آواز بنائی ہے اور اس آواز کی ایک مخصوص مقدار ہے اسی مقدار میں بولنا ماحولیاتی جمال کہلاتا ہے۔ صوتی آلودگی (آواز کی آلودگی) اس دور کا اہم ترین مسئلہ ہے اور جس طرح فضائی آلودگی ماحول کے لیے خطرناک ہے؛ اسی طرح آواز کی آلودگی بھی ماحول کے لیے سنگین خطرہ ہے۔ پر شور آواز سے فضا میں ایک ارتعاش پیدا ہوتا ہے جس سے نہ صرف انسانی اور حیوانی پردہ سماعت متاثر ہوتا ہے؛ بلکہ پورا ماحول صوتی لحاظ سے آلودہ ہو جاتا ہے یہ سنگین اس لیے بھی ہے کہ دیگر

آلودگی کو تو لوگ آلودگی تصور کرتے ہیں جب کہ صوتی آلودگی کو کوئی بھی آلودگی کے زمرے میں نہیں رکھتا اور نہ ہی اس سے بچنے کی کوشش کرتا ہے۔

1. صوتی آلودگی کا مفہوم

معتدل آواز کی جگہ ضرورت سے زائد آواز نکالنا یا ماحول میں ضرورت سے زائد شور کرنا خواہ وہ مشینوں کے ذریعہ ہو یا کسی اور ذریعہ سے ہو جو فضا میں جمع ہو کر مضر اثرات پیدا کر دے شور کی آلودگی کہلاتی ہے۔ انسائیکلو پیڈیا آف برٹانیکا میں صوتی آلودگی کی یہ تعریف کی گئی ہے: شور کی آلودگی سے مراد ناپسندیدہ یا ضرورت سے زیادہ بلند آواز ہے جو انسانی صحت اور ماحولیاتی معیار پر مضر اثرات مرتب کر سکتی ہے۔ شور کی آلودگی عام طور پر بہت ساری صنعتی سہولیات اور کچھ دیگر کام کی جگہوں پر پیدا ہوتی ہے لیکن یہ شاہ راہ ریلوے اور ہوائی جہاز کے ٹریفک اور بیرونی تعمیراتی سرگرمیوں سے بھی پیدا ہوتی ہے۔ آواز کی شدت کو ”ڈیسی بیل“ (decibels) کے ذریعہ ناپا جاتا ہے جس کا مخفف DB ہے۔ سائنس دانوں کے مطابق زیر و ڈیسی بیل وہ کم سے کم آواز ہے جو انسانی کان محسوس کر سکتے ہیں 20 ڈیسی بیل آواز سرگوشی سے پیدا ہوتی ہے، 40 ڈیسی بیل آواز کسی پرسکون ماحول میں ہو سکتی ہے 60 ڈیسی بیل آواز عام گفتگو سے پیدا ہوتی ہے 80 ڈیسی بیل آواز قوت سماعت پر منفی اثر ڈالتی ہے اور اسے ہم آواز کی آلودگی سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ 90 ڈیسی بیل کی آواز مسلسل کئی گھنٹوں تک سنی جائے تو مختلف بیماریوں کا پیش خیمہ ثابت ہو سکتی ہے۔ 130 ڈیسی بیل آواز سے کان سن ہونے کے ساتھ متلی، چکر اور غشی ہو سکتی ہے۔

2. صوتی آلودگی کے اسباب

صوتی آلودگی کے مختلف اسباب ہیں۔ قدیم زمانے میں صوتی آلودگی کا مسئلہ اس قدر اہمیت کا حامل نہیں تھا؛ لیکن صنعتی انقلاب کے بعد یہ مسئلہ سنگین شکل اختیار کر گیا ہے۔ اس وقت گھر کے اندر اور گھر کے باہر ہر جگہ صوتی آلودگی (آواز کی آلودگی) کا سامنا ہے۔ گھر کے اندر ٹی وی، وی سی آر، ٹیپ ریکارڈ، کی غیر معتدل آواز، گھریلو مشینوں مثلاً، فریج، واشنگ مشین، انورٹر، مکسر، جو سر اور اے سی وغیرہ کی آوازیں جو فطری آوازوں سے مختلف اور ضرورت سے زائد ہوتی ہیں؛ اسی طرح گھر کے باہر مختلف صوتی آلودگی ہے، مثلاً گاڑیوں کا شور، ٹریفک کا شور، فیکٹریوں میں مشینوں کا شور، چوک چوراہوں پر مختلف اعلانات کی آوازیں، تقریبات میں ڈی جے کا شور، جلسے، جلوس اور پروگراموں اور مشاعروں میں مانک کا شور، ٹرینوں کے انجن کی آوازیں، ہوائی جہاز کے انجن کی آوازیں یہ سب آواز کی آلودگی کے اسباب ہیں۔ جنگوں کے موقعوں پر گولیوں کی آوازیں، توپوں کی گھن گرج اور بموں کے دھماکے بھی صوتی آلودگی کے مظاہر ہیں۔

3. صوتی آلودگی کے نقصانات

صوتی آلودگی بھی دیگر ماحولیاتی آلودگی کی طرح انسان اور ماحول میں بسنے والے حیوانات اور چرند پرند کے لیے خطرہ ہے۔ ہم پہلے صبح کے وقت چڑیوں کی سریلی آواز میں چہچہانے کو سنتے تھے، مختلف پرندوں کا نرم و نازک لب و لہجے میں چہچہانا ہمارے دل کو بھاتا تھا، اور ماحول میں اس کی وجہ سے ایک حسن پیدا ہوتا تھا؛ لیکن اب ہمیں پرندوں کی وہ آوازیں سنائی نہیں دیتی ہیں؛ اس لیے کہ اس پر شور ماحول کو وہ نازک اندام پرندے برداشت نہیں کر پاتے ہیں۔ اسی طرح محققین کا کہنا ہے کہ 160 ڈیسی بیل کا کوئی اچانک شور انسان کو مکمل بہرہ بنا سکتا ہے۔ ضرورت

سے زیادہ تیز آوازیں بسا اوقات انسان کی قوت سماع کو نقصان پہنچا سکتی ہیں، اس کے علاوہ انسان کے صحت پر منفی اثرات ڈالتی ہے، پر شور ماحول میں مسلسل کئی گھنٹے گزارنے والے افراد مختلف اعصابی اور قلبی امراض میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ عالمی ادارہ صحت کی رپورٹ کے مطابق لاؤڈ اسپیکر اور جہازوں کی چیخ و پکار سے دل کی بیماریاں پیدا ہوتی ہیں۔ جس کے نتیجے میں ہارٹ اٹیک کے امکانات بڑھ جاتے ہیں۔ ایک تحقیق کے مطابق پریشر ہارن اور ٹریفک کے شور سے دنیا میں بارہ کروڑ لوگ مختلف سماعتی بیماریوں میں مبتلا ہیں۔ صوتی آلودگی کی وجہ سے بہت سے مہلک اور لاعلاج بیماریوں میں اضافہ ہو رہا ہے، اس کے علاوہ غصہ، نفرت بے خوابی، بد ہضمی، تھکن اور ذہنی تناؤ جیسی نفسیاتی بیماریاں بھی اسی صوتی آلودگی کی دین ہیں۔

7.7 صوتی آلودگی اور اسلامی تعلیمات

اسلام ایک معتدل دین ہے اس نے ہر چیز میں اعتدال کو پسند کیا اور اعتدال کی حوصلہ افزائی کی ہے۔ آواز کے سلسلے میں بھی اعتدال کو پسند کیا اور اسی کی ترغیب دی ہے اگر آواز کے سلسلے میں اسلامی تعلیمات کو پیش نظر رکھا جائے تو صوتی آلودگی پر قابو پایا جاسکتا ہے۔ اسلام نے بلاوجہ شور و شغب چیخ و پکار کو پسند نہیں کیا ہے۔ حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو جو نصیحت کی ہے قرآن کریم نے اسے نقل کیا ہے: ”وَاقْصِدْ فِي مَشْيِكَ وَاخْفِضْ مِنْ صَوْتِكَ، إِنَّكَ أَنْتَ الْأَضْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيرِ“ (لقمان: 19)۔ ترجمہ: اپنی چال کو میانہ رکھو، اور نگاہ کو نیچی رکھو اور اپنی آواز کو پست رکھو کیوں کہ بری آواز گدھے کی آواز ہے۔

حضرات صحابہ کو آپ ﷺ کے بارگاہ میں بلند آواز سے بات کرنے سے منع کیا گیا: ”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ“ (حجرات: 2)۔ ترجمہ: اے ایمان والو! اپنی آواز کو نبی کی آواز سے زیادہ بلند مت کرو۔

نماز میں بھی قرآن کی تلاوت کو معتدل کرنے میں کرنے کا حکم دی دیا گیا ہے: ”وَلَا تَجْهَرُ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتُ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذَلِكَ سَبِيلًا“ (اسراء: 110)۔ ترجمہ: نماز میں آپ نہ تو بلند آواز سے تلاوت کریں اور نہ ہی پست آواز میں بلکہ درمیانی راہ نکالیں۔

مجمع الزوائد میں مروی ہے کہ: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ كَانَ يَكْرَهُ أَنْ يَرَى الرَّجُلَ جَهِيْرًا رَفِيعَ الصَّوْتِ وَكَانَ يُحِبُّ أَنْ يَرَاهُ خَفِيفَ الصَّوْتِ۔ ترجمہ: حضور ﷺ بلند اور تیز آواز والے شخص کو ناپسند کرتے تھے اور پست آواز والے شخص کو آپ ﷺ پسند کرتے تھے۔

صحیح مسلم میں روایت ہے: أَحَبُّ الْبِلَادِ إِلَى اللَّهِ مَسَاجِدُهَا وَابْغَضُ الْبِلَادِ إِلَى اللَّهِ أَسْوَاقُهَا۔ ترجمہ: شہروں میں سب سے پسندیدہ جگہ اللہ کے نزدیک مساجد ہے اور سب سے ناپسندیدہ جگہ بازار ہے۔

ان تمام آیات و احادیث سے یہ صاف ہو جاتا ہے کہ اسلام نے شور و غل کو پسند نہیں کیا ہے اور بلا ضرورت آواز بلند کرنے کی ہمت افزائی نہیں کی ہے۔ مساجد اس لیے اللہ کو پسند ہے کہ مسجد میں شور غور نہیں ہوتا ہے اور بازار اس لیے ناپسند ہے کہ بازار میں شور و غل زیادہ

ہوتا ہے۔ آپ ﷺ کے جو اوصاف تورات میں مذکور ہے اس میں ایک وصف: وَلَا صَخَابًا فِي الْأَسْوَاقِ۔ (آپ ﷺ بازار میں شور نہیں کرتے ہیں) بیان کیا گیا ہے۔

1. پروگراموں اور جلسوں میں آواز کا مسئلہ

ان تمام آیات و روایات کا تعلق انفرادی احوال میں شور غل کرنے سے ہے جب کہ اجتماع کے موقعوں پر جیسے جلسہ جلوس، وعظ اور پروگرام میں مانک کا ضرورت سے زیادہ استعمال ہوتا ہے اور آس پاس کے لوگوں کی ضرورت کا بالکل خیال نہیں کیا جاتا ہے، بسا اوقات اتنے کم لوگ ہوتے ہیں کہ مانک کی ضرورت نہیں ہوتی؛ لیکن مانک کا استعمال ہوتا ہے، اسی طرح مانک میں جس قدر آواز کی ضرورت ہوتی ہے اس سے کہیں زیادہ آواز رکھی جاتی ہے، اور بسا اوقات آواز پروگرام ہال سے باہر آس پاس کے گھروں میں بھی جاتی ہے جسے اسلام درست نہیں کہتا۔ اسلام کا نقطہ نظریہ ہے کہ جس قدر آواز کی ضرورت ہو اسی قدر آواز رکھی جائے ضرورت سے زائد آواز نہ رکھی جائے۔ اسی طرح محفل میں ہی آواز رہے محفل سے باہر آواز نہ جائے تاکہ جو لوگ پروگرام سنا نہیں چاہتے ہیں انہیں تکلیف نہ ہو۔ مشہور محدث عمر بن شہبہ النمیری نے مدینہ منورہ کی تاریخ پر چار جلدوں میں بڑی مفصل کتاب لکھی ہے اس میں انہوں نے ایک واقعہ اپنی سند سے بیان کیا ہے: نافع حضرت ابن عمرؓ سے کہتے ہیں کیا آپ نے یہ واقعہ اپنے والد سے سنا ہے اس پر عبد اللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ ہاں! حضرت عائشہؓ نے میرے والد حضرت عمرؓ کے پاس ایک واعظ کی شکایت کی کہ مکان سے بالکل سامنے بہت بلند آواز سے وعظ کرتے ہیں، جس سے مجھے تکلیف ہوتی ہے اور میں آواز نہیں سن پاتی ہوں۔ حضرت عمرؓ نے پیغام بھیج کر انہیں وہاں وعظ کہنے سے منع کر دیا چند دن بعد پھر انہوں نے وعظ شروع کیا اور حضرت عمرؓ کو اطلاع ہوئی تو دوسری مرتبہ خود حضرت عمرؓ اس کے پاس گئے اور اپنے عصا سے ان کی تعزیر کی۔

اسی کتاب میں حضرت عائشہؓ نے وعظ کہنے والوں کو نصیحت کی ہے کہ: اپنی آواز کو مجلس میں بیٹھے ہوئے لوگوں تک محدود رکھو اور جب تک وہ تمہاری طرف متوجہ ہو ان سے گفتگو کرو اور جب وہ اعراض کرنے لگیں تو تم اپنی گفتگو ختم کر دو اور دعائیں قافیہ بندی سے پرہیز کرو۔

2. ٹریفک کا شور

قدیم زمانے میں ٹریفک کا یہ شور نہیں تھا؛ اس لیے کہ ہمیں قرآن و حدیث میں ٹریفک کی آواز کے سلسلے میں کوئی واضح ہدایت نظر نہیں آتی ہے تاہم قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے گدھے کی آواز کو بری اور مکروہ آواز سے تعبیر کیا ہے، قدیم زمانے میں سواری کے لیے کہ اونٹ، گھوڑے اور گدھے استعمال ہوتے تھے اور یوں سمجھیں کہ انہی سے ٹریفک کا نظام قائم تھا ان میں گدھوں کی آواز کے بارے میں کہا گیا کہ یہ ناپسندیدہ آواز ہے جو طبیعت پر گراں گزرتی ہے یعنی بلا وجہ گدھے کی آواز کی طرح چیخا اور آواز بلند کرنا پسندیدہ نہیں ہے اسی سے ہم موجودہ ٹریفک میں ہونے والے شور و ہنگاموں کا حکم معلوم کر سکتے ہیں کہ یہ پسندیدہ عمل نہیں ہے جس طرح دیگر جانوروں میں گدھے کی آواز بری ہے اسی طرح موجودہ گاڑیوں کے پریشربان بری چیز ہے جسے پسند نہیں کیا گیا ہے۔ ٹریفک کے موقعوں پر بلا ضرورت پریشربان سے بچنا چاہیے اس سے دوسروں کو تکلیف بھی ہوتی ہے اور ایسی آواز جس سے دوسروں کو تکلیف ہو اس سے منع کیا گیا ہے۔

3. صنعتی شور کی آلودگی

موجودہ دور میں صنعتی شور بلائے ناگہانی کی طرح ہمارے اوپر مسلط ہو گیا ہے، قدیم زمانے میں ہمیں یہ شور سنائی نہیں دیتا تھا، صنعتی انقلاب نے نئی قسم کی آلودگی کے سیلاب سے متعارف کرادیا ہے، صنعتی شور بعض جگہوں پر ناقابل تحمل ہوتا جا رہا ہے، حکومت کارخانے اور فیکٹریوں کے لیے آبادی سے دور لے جانے کے قانون بنا رہی ہے اور ہدایت کر رہی ہے اس پر عمل کرنا شرعی بھی ضروری ہے اس لیے کہ اس سے عام لوگوں کو آلودگی سے مضر اثرات سے بچایا جاسکتا ہے اور عام لوگوں کو تکلیف پہنچانا جائز نہیں ہے صحیح بخاری میں ہے: المسلم من سلم المسلمون من لسانه و یدہ۔ ترجمہ: مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے لوگ محفوظ ہوں۔

اُس زمانے میں تکلیف پہنچانے کے بظاہر یہ دو قوی ذرائع تھے؛ اس لیے حدیث میں ان دونوں کی صراحت کی گئی ہے ورنہ حدیث کا اصل مضمون یہ ہے اپنی ذات سے کسی کو تکلیف نہ پہنچائی جائے، فقہائے مالکیہ نے تیز آواز جو مسلسل ہو اور آس پاس کی آبادی درود یوار کے لیے نقصان دہ ہو اس کو ممنوع قرار دیا ہے۔

فتاویٰ ہندیہ میں لکھا ہے: رفع الضرر عن العامة أولى من رفع الضرر عن الواحد۔ ترجمہ: عام لوگوں کے نقصانات کو دور کرنا بہتر ہے کسی ایک آدمی کے نقصان کو دور کرنے سے۔

کارخانہ کو شہر سے دور منتقل کرنے میں ایک آدمی کا نقصان ہے جب کہ شہر میں رکھنے پر پوری آبادی کا نقصان ہے ظاہر ہے کہ ایک آدمی کے مقابلے میں پوری آبادی کے نقصان کو پیش نظر رکھنا شریعت کے مصالح میں سے ہے۔

7.8 فرہنگ

صنعت: Industry	کارخانہ: Factory	شجر کاری: Afforestation
----------------	------------------	-------------------------

10.0 اکتسابی نتائج

- اس اکائی میں آپ نے درج ذیل نکات سیکھے:
- ماحولیاتی آلودگی موجودہ دور کا ایک سنگین مسئلہ ہے۔ آبادی کی کثرت اور صنعتی ترقی نے اسے مزید پر خطر بنا دیا ہے۔
- اسلام نے حیات انسانی کے ہر پہلو کی طرف رہنمائی کی ہے اس میں ماحول میں رہنے کے آداب اور طریقہ کار بھی بتائے ہیں جن کی رعایت سے ہم ایک خوش گوار ماحول بنا سکتے ہیں۔
- اس کا بنیادی نقطہ تین چیزوں پر مرکوز ہے، اسراف اور فضول خرچی سے پرہیز کرنا، کسی کو ضرر اور نقصان پہنچانے سے بچنا، فساد پھیلانے سے رکنا اگر اسلام کے ان تینوں عناصر کو اچھی طرح پڑھا جائے اور زندگی میں اسے برتا جائے تو آلودگی کا خاتمہ ہو سکتا ہے اور بہتر ماحول جس میں انسانوں کے لیے حیات بخش ہو انہیں، صاف ستھرا پانی، اور افزائش کے قابل زمین، میسر ہو سکتی ہے جو ہمارے لیے صحت مند زندگی کا ضامن ہو گا اور ماحول میں زندگی گزارنے والے تمام ذی روح کے لیے بھی مفید ہو گا۔

- صوتی آلودگی بھی دیگر ماحولیاتی آلودگی کی طرح خطرناک ہے، اسلام بلا ضرورت شور و غل کو پسند نہیں کرتا ہے اور ضرورت سے زائد آواز اسلام کی نگاہ میں درست نہیں ہے۔

10.1 نمونہ امتحانی سوالات

10.1.1 معروضی جوابات کے متقاضی سوالات

1. ماحولیات کے موضوع پر پہلا سیمینار اقوام متحدہ کی نگرانی میں کہاں منعقد ہوا تھا؟
(a). امریکہ (b). سوڈن (c). برطانیہ (d). ہندوستان
2. 2015ء میں کتنے لوگوں کی آلودگی کی وجہ سے موت ہوئی تھی؟
(a). پچاس لاکھ (b). ستر لاکھ (c). نوے لاکھ (d). چالیس لاکھ
3. ہوا میں موجود گیسوں میں آکسیجن کی مقدار کتنی ہوتی ہے؟
(a). 78. (b). 20.95. (c). 0.93. (d). 0.040.
4. کاربن ڈائی آکسائیڈ کس طرح تحلیل ہوتی ہے؟
(a). ہرے پودے کے ذریعہ (b). سورج کے ذریعہ (c). پانی کے ذریعہ (d). گلوکوز کے ذریعہ
5. ”کیو ٹوپروٹوکول“ معاہدہ کب منعقد ہوا تھا؟
(a). 2012. (b). 2006. (c). 2010. (d). 2005.
6. کتنی ڈیسی بیل آواز سے کان سن ہو جاتا ہے؟
(a). 50 ڈیسی بیل (b). 65 ڈیسی بیل (c). 80 ڈیسی بیل (d). 130 ڈیسی بیل
7. ماحولیات کے تحفظ کے لیے درخت اور پیڑ پودے بہت اہم ہیں اس لیے کہ:
(a). درخت O_2 فراہم کرتے ہیں (b). CO_2 کو جذب کرتے ہیں (c). دونوں a اور b (d). تمام غلط
8. حضور ﷺ نے رات میں سوتے وقت چراغ گل کرنے کا حکم دیا کیوں؟
(a). اس سے آلودگی پھیلتی ہے (b). گھر میں آگ لگ سکتی ہے (c). دونوں a اور b (d). تمام غلط
9. کتنے فیصد مقدار جانور جنگلوں میں رہتے ہیں؟
(a). ستر فیصد (b). پچاس فیصد (c). بیس فیصد (d). چالیس فیصد
10. ”اپنی آواز کو مجلس میں بیٹھے ہوئے لوگوں تک محدود رکھو“، یہ کس کا قول ہے؟
(a). حضرت عائشہؓ (b). نبی ﷺ (c). ابن عمرؓ (d). تمام غلط

10.1.2 مختصر جوابات کے متقاضی سوالات

1. آلودگی کا مفہوم بیان کیجیے۔
2. آلودگی کے نقصانات پر مختصر نوٹ لکھیے۔
3. فضائی آلودگی کے اسباب پر روشنی ڈالیے۔
4. صوتی آلودگی کے اسباب تحریر کیجیے۔
5. صوتی آلودگی اور اسلامی تعلیمات کے موضوع پر مختصر مضمون قلم بند کیجیے۔

10.1.3 طویل جوابات کے متقاضی سوالات

1. آلودگی کی مختلف قسموں پر گفتگو کرتے ہوئے فضائی آلودگی اور صوتی کے مفہوم پر گفتگو کیجیے۔
2. فضائی آلودگی اور اسلامی تعلیمات پر تفصیلی گفتگو کیجیے۔
3. شجر کاری کی اہمیت پر مفصل مضمون لکھیے۔

7.9 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1. فضائی و صوتی آلودگی، مسائل و شرعی احکام : اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا
2. اسلام اور ماحولیات : محمد جہانگیر حیدر قاسمی
3. قرآن اور ماحولیات : انجینئر شفیع حیدر صدیقی
4. ماحولیاتی بحران : پروفیسر سید مسعود احمد
5. ماحولیاتی آلودگی : مسائل و احکام مفتی سید باقر ارشد

معروضی سوالات کے جوابات

1.B	2.C	3.B	4.A	5.D
6.D	7.C	8.C	9.A	10.B

اکائی 8: آلودگی کی مختلف صورتیں اور اسلامی تعلیمات (حصہ دوم)

اکائی کے اجزا

تمہید	8.0
مقاصد	8.1
آبی آلودگی (پانی کی آلودگی)	8.2
آلودگی کی بنیادی وجہ	8.3
8.3.1 توازن اور اعتدال	
8.3.2 آلودگی اور فقہ اسلامی	
8.4 اسلام میں صفائی کی اہمیت	
8.5 پانی کو آلودگی سے بچانا	
8.6 زمینی آلودگی	
8.7 غذائی آلودگی	
8.8 بحری آلودگی	
8.9 فرہنگ	
8.10 اکتسابی نتائج	
8.11 نمونہ امتحانی سوالات	
8.11.1 معروضی جوابات کے متقاضی سوالات	
8.11.2 مختصر جوابات کے متقاضی سوالات	
8.11.3 طویل جوابات کے متقاضی سوالات	
8.12 تجویز کردہ اکتسابی مواد	

8.0 تمہید

ہم جس زمین پر رہتے ہیں چلتے پھرتے ہیں، اپنی ضروریات پوری کرتے ہیں، یہ قدرت کی عظیم نعمت ہے جس کا ہم تصور نہیں کر سکتے ہیں، ہم زندگی گزارنے کے لیے جس چیز کے سب سے زیادہ محتاج ہیں وہ پانی ہے اس کے بغیر ہم زندہ نہیں رہ سکتے ہیں، دوسری چیز جس پر ہماری حیات کا مدار ہے وہ غذا ہے، اسی سے انسانوں اور دیگر حیوانوں کی زندگی وابستہ ہے۔ اگر یہ زمین نہ ہو تو ہم پانی اور غذا سے محروم ہو جائیں اور پانی اور غذا نہ ہو تو زندگی سے محروم ہو جائیں؛ اس لیے یہ تینوں چیزیں ہمارے لیے بے حد ضروری ہیں۔ صنعتی انقلاب نے دنیا کو جن عالمی مشکلات سے دوچار کیا ہے ان میں ایک آلودگی کا مسئلہ بھی ہے، اس میں کوئی شک نہیں کہ ٹیکنالوجی کی ترقی کی بنیاد پر انسان آج وہ سب کرپا رہا ہے جو پہلے سوچا بھی نہیں جاسکتا تھا؛ لیکن ہر خیر اپنے ساتھ کچھ شر کے پہلو بھی لاتی ہے آلودگی بھی اسی کی ایک قسم ہے۔

8.1 مقاصد

اس اکائی کا مقصد ہے کہ آپ

- آلودگی کی مزید صورتوں (آبی آلودگی، زمینی آلودگی، غذائی آلودگی اور بحری آلودگی) کے بارے میں جانیں۔
- اس سلسلے میں اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہو کر آلودگی کا مکمل خاتمہ کرنے کی طرف پیش قدمی کر سکیں۔

8.2 آبی آلودگی (پانی کی آلودگی)

ماحولیاتی آلودگی کی مختلف قسموں میں ایک قسم پانی کی آلودگی ہے۔ پانی اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کائنات میں سب سے پہلے پانی کو پیدا کیا اور اسی کے ذریعہ دوسری تمام چیزیں بنائیں۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے مختلف مقامات پر پانی کی حقیقت، اس کے فوائد، اس کا حیات بخش ہونا، نجاستوں کے ازالہ میں اس کا کردار، وغیرہ امور کو واضح انداز میں بیان کیا ہے۔

- ”وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ أَفَلَا يُؤْمِنُونَ“ (انبیاء: 30)۔ ترجمہ: اور ہم نے پانی سے ہر زندہ چیز بنائی پھر بھی وہ ایمان نہیں لاتے۔

- ”وَاللَّهُ خَلَقَ كُلَّ دَابَّةٍ مِنْ مَّاءٍ“ (نور: 45)۔ ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ نے ہر جاندار کو پانی سے پیدا کیا۔

- ”هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً لَكُمْ مِنْهُ شَرَابٌ وَمِنْهُ شَجَرٌ فِيهِ تُسِيمُونَ“ (نحل: 10)۔ ترجمہ: اللہ وہ ہے جس نے آسمان سے تمہارے لیے پانی اتارا جسے تم پیتے ہو اور اس سے درختوں کی سیچائی کرتے ہو۔

- ”وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً لِيُطَهِّرَكُمْ بِهِ وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطَانِ“ (انفال: 11)۔ ترجمہ: اور تم پر آسمان سے پانی اتارنا کہ اس کے ذریعہ تمہیں پاک کرے اور تم سے شیطان کی گندگی کو دور کرے۔

ان تمام آیتوں میں غور فرمائیں تو پانی کے تعلق سے اسلام کا نقطہ نظر صاف ہو جاتا ہے کہ پانی پاکی حاصل کرنے کا ذریعہ ہے، پانی کے

ذریعہ مخلوقات کی پیدائش ہوئی ہے اور مخلوقات کی حیات اسی پانی سے باقی ہے۔ ظاہر ہے کہ جس پانی کے ساتھ انسانی زندگی ہی نہیں؛ بلکہ حیوانات اور نباتات کی زندگی بھی جڑی ہوئی ہو اس کی اہمیت اور اس کی قدر و قیمت کس قدر بڑھ جاتی ہے۔

1. آبی آلودگی کا مفہوم

پانی میں ایسے عناصر و اجزاء کا شامل ہو جانا جس کی وجہ سے پانی اپنی افادیت کھودے اور بجائے انسانوں اور جانداروں کے نفع بخش ہونے کے نقصان دہ ہو جائے آبی آلودگی کہلاتا ہے۔ پانی کا ایک خاص رنگ، ذائقہ اور بو ہے جب پانی میں مضر صحت کوئی چیز مل کر پانی کے ان تینوں اوصاف کو بدل دیتے ہیں تو پانی آلودہ ہو جاتا ہے جسے ہم آبی آلودگی سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ صاف پانی زندگی کے وجود اور بقا کا ضامن ہے جب کہ آلودہ پانی زندگی کا دشمن ہے۔

2. آبی آلودگی کے اسباب

آبی آلودگی کے مختلف اسباب ہیں۔ مٹی، ریت اور کچرے کی وجہ سے قدرتی طور پر پانی آلودہ ہو جاتا ہے۔ اسی طرح انسانی کسب کے نتیجے میں بھی آبی آلودگی پیدا ہوتی ہے مثلاً: صنعتی، حیوانی اور انسانی فضلہ جات کو آبی گزر گاہوں اور نہروں میں پمپ کیا جاتا ہے جو پانی کی آلودگی کا اہم سبب ہے۔ صنعتی ترقی کی بنا پر کیمیائی ادویات اور کیمیکلز بھی پانی کو آلودہ کرتے ہیں۔ جب صنعتی کارخانوں کے فضلات اور کیمیکل آمیز مادوں کو بلا تحلیل کیے زمین پر ڈال دیا جاتا ہے، تو زمین ان فاسد مادوں کو اپنے اندر جذب کر لیتی ہے، اس طرح سطح زمین کا پانی صنعتی ترقی کے ان اضافی مادوں سے آلودہ ہو جاتا ہے۔ فضاء میں موجود آلودگی کی وجہ سے بارش کا پانی آلودہ ہو جاتا ہے، بہت سے لوگ گھروں کا کوڑا کچر باہر کسی کھلی جگہ میں ڈال دیتے ہیں جہاں یہ سڑ کر کچھ تو ہوا میں شامل ہو جاتا ہے کچھ پانی کو زہر آلود کرتا ہے کچھ زمین میں جذب ہو کر پانی میں زہر پھیلاتا ہے؛ اسی طرح وہ لوگ جو کھلے میں قضاے حاجت کرتے ہیں وہ بھی ہوا اور پانی کو آلودہ کرتے ہیں۔

3. آبی آلودگی کے نقصانات

جب پانی آلودہ ہو جاتا ہے تو پانی پینے کے قابل نہیں رہتا اور عام لوگ جنہیں صاف شفاف پانی خریدنے یا گھر میں پانی کو فلٹر کرنے کی صلاحیت نہیں ہوتی وہ اسی آلودہ پانی کو پیتے ہیں جس کی وجہ سے مختلف بیماریاں جنم لیتی ہیں، جس قسم کے جراثیم پانی میں ہوتے ہیں وہ جراثیم پانی کے ذریعہ انسان کے جسم کا حصہ بن کر مختلف بیماریوں کا پیش خیمہ ثابت ہوتے ہیں۔ بعض جگہوں پر جو پانی لوگ استعمال کر رہے تھے جب اسے لیباٹری میں جانچ کے لیے بھیجا گیا تو معلوم ہوا کہ اس سے تو برتن بھی صاف کرنا صحت کے لیے نقصان دہ ہے جب کہ وہی پانی آبادی کی اکثریت استعمال کر رہی ہے۔ ڈبلیو ایچ او (World Health Organization) کی رپورٹ کے مطابق ایک ماہ سے پانچ سال کی عمر کے بچوں میں موت کی بہت سی عام وجوہات کو صاف پانی اور کھانا پکانے کے ایندھن سے روکا جاسکتا ہے۔

8.3 آلودگی کی بنیادی وجہ

آلودگی سے تحفظ کے لیے اسلام کا نقطہ نظر جاننا ضروری ہے اس سے ہم آلودگی اور خاص طور پر پانی کی آلودگی سے بچ سکتے ہیں۔ اسلام

نے اسراف اور فضول خرچی کی بڑی مذمت بیان کی ہے اور فضول خرچی کرنے والوں کو شیطان کا بھائی قرار دیا ہے، فضول خرچی صرف کھانے پینے یا پیسوں کے خرچ کرنے میں نہیں ہے؛ بلکہ ہر چیز میں فضول خرچی ہے، پانی کا ضرورت سے زائد استعمال بھی فضول خرچی کے دائرہ میں آتا ہے، ممتاز فقیہ احمد بن محمد اسماعیل طحاوی (1231ھ) نے اسراف کی تعریف اس طرح کی گئی ہے: شرعی ضرورت سے زائد استعمال کرنا اسراف کہلاتا ہے اگرچہ نہر کے کنارے پر ہو۔

مولانا محمد اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں: ”اسراف مقدار سے ناواقف ہونے کا نام ہے یعنی آدمی کو یہی نہیں معلوم ہو کہ کتنا خرچ کرنا ہے اور کتنا نہیں یہ اسراف ہے۔“ اس کی روشنی میں معلوم ہوتا ہے کہ پانی میں بھی اسراف اور فضول خرچی ہوتی ہے اور جس طرح دیگر چیزوں میں اسراف اور فضول خرچی پسندیدہ عمل نہیں ہے، اسی طرح پانی میں بھی اسراف اور فضول خرچی پسندیدہ عمل نہیں ہے؛ یہی وجہ ہے کہ ایک مرتبہ پیغمبر حضرت محمد ﷺ کا گزر حضرت سعدؓ کے پاس سے ہوا وہ وضو کر رہے تھے، آپ نے فرمایا: سعد! یہ کیا اسراف ہے۔ تو انہوں نے پوچھا یا رسول اللہ کیا وضو میں بھی اسراف ہے آپ ﷺ نے فرمایا: ”ہاں اگرچہ تم جاری نہر پر وضو کر رہے ہو تو بھی ضرورت سے زائد خرچ کرنا فضول خرچی ہے۔“

حدیث میں تین تین مرتبہ اعضا وضو کو دھونے کو مسنون کہا گیا ہے، اس سے زائد اعضا وضو کو دھونے والے پر تعدی اور ظلم کا اطلاق کیا گیا ہے، اسی طرح غسل میں تین مرتبہ مکمل طور پر پورے جسم پر پانی بہانے کو مسنون کہا گیا ہے اور اس سے زائد پانی بہانے کو اسراف اور مکروہ قرار دیا گیا ہے۔ آپ ﷺ وضو میں ایک مد (688 ملی لیٹر) اور غسل میں ایک صاع (3800 ملی لیٹر) پانی استعمال کرتے تھے۔ معلوم ہوا کہ شریعت نے پانی کے باب میں خاص طور پر اسراف کی مذمت بیان کی ہے۔

8.3.1 توازن اور اعتدال

اکودگی کی قباحت کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ اسلام کے نظام اعتدال و توازن کو سمجھیں۔ اسلام کا نقطہ نظریہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اس کائنات میں کوئی چیز بے وجہ نہیں بنائی گئی ہے اور ہر چیز میں اعتدال اور توازن ہے، ایسا نہیں ہے کہ پانی بے حساب ہے ہم جتنا چاہیں پانی استعمال کریں اس سے ہمارے ماحولیات پر کوئی فرق نہیں پڑتا؛ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

- ”إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ“ (قمر: 49)۔ ترجمہ: ہم نے ہر چیز کو ایک مقدار کے ساتھ پیدا کیا ہے۔

- ”وَالْأَرْضَ مَدَدْنَاهَا وَأَلْقَيْنَا فِيهَا رَوَاسِيَ وَأَنْبَتْنَا فِيهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْزُونٍ“ (حجر: 19)۔ ترجمہ: ہم نے زمین کو پھیلا یا اس میں پہاڑ جمائے اس میں ہر نوع کی نباتات ٹھیک ٹھیک نپی تلی مقدار کے ساتھ اگائی۔

- ”وَإِنْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا عِنْدَنَا خَزَائِنُهُ وَمَا نُنْزِلُهُ إِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُومٍ“ (حجر: 21)۔ ترجمہ: کوئی چیز ایسی نہیں ہے جس کے خزانے ہمارے پاس نہ ہوں اور جس چیز کو بھی ہم نازل کرتے ہیں ایک مقرر مقدار میں نازل کرتے ہیں۔

معلوم ہوا کہ کائنات کی تمام چیزیں اعتدال و توازن کے ساتھ قائم ہیں۔ اور یہ توازن ہی اس کی خوبصورتی اور ضرورت ہے۔ مثال

کے طور پر دیکھیں: انسان اور جانور سانس کے ذریعہ آکسیجن لیتے ہیں اور کاربن ڈائی آکسائیڈ باہر کرتے ہیں، کاربن ڈائی آکسائیڈ انسان اور جانور کے لیے زہر ہے جب کہ اسی کاربن ڈائی آکسائیڈ سے ہرے پودے اپنی غذا تیار کرتے ہیں اور آکسیجن خارج کرتے ہیں، اس طرح آکسیجن اور کاربن ڈائی آکسائیڈ کا توازن قائم ہے کہ انسان اور حیوان کی ضرورت آکسیجن ہے اور جب کہ کاربن ڈائی آکسائیڈ اس کے لیے زہر ہے اور ہرے پودوں کو کاربن ڈائی آکسائیڈ کی ضرورت ہے اور آکسیجن ان کے لیے مضر ہے، اسی طرح انسان سانس کے ذریعہ جو آکسیجن لے کر کاربن ڈائی آکسائیڈ خارج کرتا ہے وہ کاربن ڈائی آکسائیڈ نباتات حاصل کر کے آکسیجن خارج کرتے ہیں اس طرح ایک توازن قائم ہے؛ لیکن اگر انسان اور جانور زیادہ ہو جائیں گے تو وہ ہوا میں سے زیادہ آکسیجن جذب کر لیں گے اور ساتھ ہی زیادہ کاربن ڈائی آکسائیڈ گیس خارج کر کے ہوا کو آلودہ کر دیں گے۔ اسی طرح اگر سبزہ زیادہ ہو جائے تو اسے زندہ رہنے کے لیے زیادہ مقدار میں کاربن ڈائی آکسائیڈ گیس چاہیے جو کہ کم جانور پیدا نہیں کر پائیں گے اس طرح توازن بگڑ جائے گا اور ماحولیاتی آلودگی پیدا ہو جائے گی۔ اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ پانی میں جذب کرنے اور مٹی میں تحلیل کرنے کی صلاحیت ہے اگر پانی میں معمولی فضلات ہو تو وہ پانی میں تحلیل ہو کر یا مٹی میں جذب ہو کر ماحول کو خراب ہونے سے بچا لیں گے؛ لیکن اگر فضلات کی مقدار زیادہ ہو جائے یا ایسے کیمیکل مادے ہوں جو پانی میں تحلیل نہ ہو سکیں یا مٹی میں جذب نہ ہو سکیں تو وہ فاسد مادے پانی کی ہیئت اور زمین کی خاصیت کو بدل دیں گے، نتیجہ میں پانی کی خصوصیت سے ہم فائدہ نہیں اٹھا سکیں گے؛ بلکہ پانی کے آلودہ ہونے کی وجہ سے ہماری طبیعت پر منفی اثر پڑے گا۔

8.3.2 آلودگی اور فقہ اسلامی

اسلام میں کسی قسم کی آلودگی پیدا کرنا ناجائز ہے اور آلودگی کے خاتمے کی کوشش کرنا ضروری ہے؛ اس لیے کہ آلودگی سے خود اپنے آپ کو بھی نقصان ہوتا ہے اور دوسروں انسانوں اور جانوروں کو بھی نقصان ہوتا ہے خود کو نقصان پہنچانا بھی درست نہیں ہے اور دوسروں کو نقصان پہنچانا بھی روا نہیں ہے اور نقصان کو دور کرنا بھی ضروری ہے۔ عام طور پر اپنی ضرورت کو پیش نظر رکھ کر عام انسانوں کی ضرورت کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے جب کہ اسلام میں عام ضرورتوں کے خیال کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ علامہ شاطبی موافقات میں لکھتے ہیں: لائن المصالح العامة مقدمة على المصالح الخاصة۔ ترجمہ: عام لوگوں کے مصالح خواص کے مصالح پر مقدم ہیں۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے: رفع الضرر عن العامة أولى من رفع الضرر عن الواحد۔ ترجمہ: عام لوگوں کے نقصان کو دور کرنا ایک آدمی کے نقصان کو دور کرنے سے بہتر ہے۔ ماحولیاتی آلودگی پیدا کرنا فساد ہے اور فساد پیدا کرنے سے قرآن نے منع کیا ہے: ”وَلَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا“ (اعراف: 56)۔ ترجمہ: زمین کی اصلاح و درستگی کے بعد اس میں فساد مت پھیلاؤ۔

اگر کوئی اپنی زمین میں ہی تصرف کرے؛ لیکن اس کے تصرف اور استعمال سے اس کے پڑوسی اور محلہ والوں کو تکلیف ہو تو اس کو روکا جاسکتا ہے۔ در مختار میں ہے: لا يمنع الشخص من تصرف في ملكه إلا إذا كان الضرر بجاره بيناً فيمنع من ذلك۔ ترجمہ: کسی شخص کو اپنی ملکیت میں تصرف کرنے سے نہیں روکا جائے گا ہاں اگر اس سے اس کے پڑوسی کو واضح نقصان ہو رہا ہو تو روکا جاسکتا ہے۔

زمین میں گندگی پھیلانا جس سے زمینی آلودگی پھیل جائے، یا پانی کو گندہ کرنا جس سے آبی آلودگی کے مسائل پیدا ہوں، اتنا زور سے بولنا کہ دوسروں کے لیے تکلیف کا باعث ہو جائے، کسی ایسی جگہ کارخانہ بنانا جس کی آواز سے یادھواں سے، لوگوں کو تکلیف پہنچے پانی کا ضرورت سے زائد استعمال جس سے بعد والے کے لیے آبی مسائل جنم لیں، یا غذا میں ایسے کیمیکلز ملائے جائیں جس سے غذا آلودہ ہو جائے اور لوگوں کے ہلاکت اور بیماری کا باعث بن جائے یا سمندر میں غلاظت ڈال کر سمندری ذخائر کو برباد کر دیا جائے، اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا ہے۔

8.4 اسلام میں صفائی کی اہمیت

آلودگی سے تحفظ کے لیے صفائی ستھرائی بہت ضروری ہے۔ جب ماحول، گھر، بازار، سڑکیں، کارخانے دکانیں صاف ستھری ہوں گی تو فضا میں بھی صفائی ہوگی، ہوائیں بھی پاکیزہ ہوگی، زمین میں صفائی ہوگی تو آبی ذخائر میں صفائی آئے گی، جو ہماری صحت کے لیے مفید ہوگی۔

اسلام نے صفائی ستھرائی پر بہت زیادہ زور دیا ہے، اور نظافت کو دین کا حصہ قرار دیا ہے۔ بعض روایت میں صفائی کو نصف ایمان قرار دیا گیا ہے۔ حضرت عائشہؓ کی حدیث ہے: الإسلام نظيف فتنظفوا فإنه لا يدخل الجنة إلا نظيف۔ ترجمہ: اسلام صفائی ستھرائی کا نام ہے اس لیے صفائی کا خیال کرو؛ کیوں کہ جنت میں صاف ستھرا آدمی ہی داخل ہوگا۔ اسلام نے نظافت و طہارت کو بنیادی درجہ دیا ہے؛ بلکہ طہارت جیسی جامع اصطلاح اسلام ہی کا حصہ ہے جو دوسرے مذہب میں نہیں ملتا۔ اسلام کے نظام طہارت کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ آپ ﷺ کی احادیث پر مدون اکثر کتابیں طہارت کے باب سے شروع ہوتی ہیں، اسلام میں دو لفظ پاکی اور صفائی الگ الگ معانی کے لیے استعمال ہوتا ہے اور دونوں کا وسیع مفہوم ہے۔ اسلام ہر قسم کی آلودگیوں بشمول مادی آلودگیوں کو انسانی زندگی اور اس کے ماحول میں ہونے سے سخت متفرد ہے اور انسانوں کو اس سے بچنے کی تلقین کرتا ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اہل قبا کی اس بنیاد پر تعریف کی کہ وہ لوگ استنجائیں مٹی کے ساتھ پانی بھی استعمال کرتے تھے: ”فِيهِ رَجُلٌ يُحِبُّونَ، أَن يَتَطَهَّرُوا وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُطَهَّرِينَ“ (توبہ: 108)۔

ترجمہ: اس میں ایسے لوگ ہیں جو پاک رہنا پسند کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کو پاکیزگی اختیار کرنے والے پسند ہیں۔

آج ٹیشو پیپر کا استعمال کثرت سے ہو رہا ہے اور پانی سے صرف نظر کیا جا رہا ہے؛ جب کہ پانی کے ہوتے ہوئے صرف ٹیشو پر اکتفا کرنا کسی طرح آلودگی کے اعتبار سے درست نہیں ہے؛ کیوں کہ ٹیشو سے پانی کی طرح صفائی نہیں ہوتی ہے؛ بلکہ صرف نجاست کو کم کیا جاتا ہے۔ اسلام میں انفرادی صفائی کے ساتھ اجتماعی صفائی کا بھی حکم دیا گیا ہے اور گندگی پھیلانے سے منع کیا ہے۔

8.5 پانی کو آلودگی سے بچانا

آبی آلودگی سے بچنے کے لیے بنیادی طور پر پانی کا تحفظ ضروری ہے، اگر پانی کا تحفظ نہیں کیا گیا تو آبی آلودگی کے مسائل سنگین حد تک جاسکتے ہیں۔ پانی کی دو قسمیں ہیں کھار پانی اور میٹھا پانی، ماہرین کی تحقیق کی مطابق سمندر میں 71% اور زمین یازیر زمین 29% پانی ہے۔ اس میں پینے کے قابل پانی کا حصہ صرف تین فیصد ہے؛ اس لیے پانی کا تحفظ ضروری ہے۔ اسلام نے پانی کے تحفظ پر بہت زیادہ زور دیا ہے، اور اسلامی تعلیمات میں اس سلسلے میں کافی رہنمائی مل جاتی ہے۔

- سنن ابن ماجہ میں روایت ہے: عن جابرٍ أن النبی ﷺ نہی أن یبال فی الماء الراکد۔ ترجمہ: آپ ﷺ نے ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب کرنے سے منع فرمایا۔

- ایک اور روایت ہے: عن أبي هريرة قال قال رسول الله ﷺ: إن شرب أحدکم فلا یتنفس فی الإناء۔ ترجمہ: آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب کوئی پانی پیے تو پانی میں سانس نہ لے۔

آپ ﷺ نے پانی پینے کے آداب بیان کیے اس میں یہ بھی ہے کہ جب کوئی پانی پیے تو پانی میں سانس نہ لے، اس لیے کہ سانس لینے کی صورت میں جسم کا کاربن ڈائی آکسائیڈ پانی میں جائے گا پھر وہ ہمارے جسم میں منتقل ہو جائے گا جو ہماری صحت کے لیے نقصان دہ ہوگا؛ اسی طرح آپ ﷺ نے فرمایا: سنن ابی داؤد میں مروی ہے: إن استیقظ أحدکم من نومہ فلا یدخل یدہ فی الإناء حتی یغسلها ثلاثاً فإن أحدکم لا یدری أين باتت یدہ۔ ترجمہ: جو شخص سو کر بیدار ہو اسے چاہیے کہ برتن میں ہاتھ داخل نہ کرے یہاں تک کہ اس کو تین مرتبہ دھو لے کیوں کہ تم میں سے کسی کو نہیں معلوم ہے کہ اس کے ہاتھ نہ رات کہاں گزاری ہے۔

غسل خانہ میں پیشاب کرنے سے منع فرمایا؛ پانی کو ناک کی رینٹ یا تھوک وغیرہ سے آلودہ کرنے منع کیا گیا ہے؛ پانی کے گزر گاھوں میں بول و براز سے روکا گیا ہے۔ ان تمام روایات سے پانی کے تحفظ کے سلسلے میں اسلام کا نقطہ نظر واضح ہو جاتا ہے کہ معمولی پانی کو بھی خراب کرنے سے اسلام نے منع کیا ہے، موجودہ حالات میں ہمیں ان تعلیمات سے بڑی روشنی ملتی ہے۔ آج ڈرنج لائنیں اور صنعتی فضلات جو ندیوں اور دریاؤں میں بہا دے جاتے ہیں جن سے بڑے بڑے دریا کا پانی آلودہ ہو چکا ہے جن دریاؤں کا پانی کبھی پینے کے لیے استعمال ہوتا تھا آج ان دریاؤں کے پاس سے گزرنا مشکل ہو رہا ہے ظاہر ہے کہ اسلامی تعلیمات اس کی اجازت نہیں دیتی ہے کہ اس طرح پانی کو آلودہ کر دیا جائے یہ اللہ تعالیٰ کی نعمت کا غلط اور ناجائز استعمال ہے یہی وجہ ہے کہ آج پانی کے مسائل سنگین حد تک پہنچ چکے ہیں۔

1. آبی آلودگی دور کرنے کے وسائل

پانی کو آلودگی سے بچانے کا ایک حصہ نظافت کا ہے۔ دوسرا حصہ آلودہ پانی کو صاف کرنا ہے۔ پانی میں تحلیل کی اللہ تعالیٰ نے صلاحیت رکھی ہے؛ اس لیے پانی بہت سی چیزوں کو اپنے اندر تحلیل کر لیتا ہے بہت حد تک پانی میں شامل ہونے والے فضلات وقت کے ساتھ قدرتی نظام کے تحت تحلیل ہو جاتے ہیں، اگر پانی کو آکسیجن گیس ملتی رہتی ہے تو پانی پھر سے صاف ہو جاتے ہیں؛ لیکن اگر پانی میں ناقابل تحلیل کیمیائی اجزاء شامل ہو جائیں تو پھر وہ قدرتی طور پر تحلیل ہو کر صاف نہیں ہوتے؛ بلکہ ان کو صاف کرنے کی ضرورت پڑتی ہے ہم آئے دن دیکھتے ہیں کہ آج کل جو پینے کا پانی بازاروں میں دستیاب ہے وہ مشینوں کے ذریعہ فلٹر کر کے اس کے ناپاک اور فاسد ذرات کو نکالا جاتا ہے۔ قدیم زمانے میں بھی پانی کی آلودگی کو دور کرنے کے بعض وسائل تھے جن کا تذکرہ فقہی کتابوں میں موجود ہے، فقہ کی اصطلاح میں اس کو ”استحالة“ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ استحالة کے معنی ہیں: إنقلاب حقيقة إلى حقيقة أخرى، ایک حقیقت کی دوسری حقیقت کی طرف منتقل ہو جانا۔

علامہ کاسانی لکھتے ہیں (ترجمہ): نجاست جب تحلیل ہو جائے اور اس کے اوصاف و نتائج بدل جائیں تو وہ ناپاک کے دائرے سے باہر آ جاتی ہے؛ اس لیے کہ نجاست ایک خاص صفت سے متصف شے کا نام ہے؛ لہذا جب یہ صفت ختم ہو گئی تو نجاست بھی ختم ہو جائے گی یہ ایسے

ہی ہوگا جیسے شراب سرکہ بن جائے۔

آلودگی کو دور کرنے کا ایک طریقہ پانی میں بہاؤ پیدا کرنا ہے بہاؤ سے بھی نجاست کا ازالہ ہوتا ہے؛ اسی وجہ سے ہم دیکھتے ہیں کہ ماء جاری میں اگر نجاست گر جائے اور اس کے تینوں اوصاف میں سے کوئی وصف نہ بدلے تو پانی ناپاک نہیں ہوتا ہے؛ اس لیے کہ بہتا پانی خود بھی ایک دوسرے کو صاف کرتا ہے اور اس کے آلودہ اجزاء بھاپ بن کر فضا میں تحلیل ہو جاتے ہیں اس طرح بہتے ہوئے پانی سے آلودگی ختم ہو جاتی ہے۔ فقہاء نے بھی اس کو پانی کی تطہیر کا ایک طریقہ تسلیم کیا ہے۔

موجودہ زمانے میں صنعتی ترقی نے بھی ایسی چیزیں ایجاد کی ہیں جو آبی آلودگی کے خاتمے کے لیے مفید ہیں۔ آج ری سائیکلنگ (recycling) کے ذریعہ، فلٹر کے ذریعہ اور کیمیکل سے آبی آلودگی کو ختم کیا جا رہا ہے، آبی آلودگی کے خاتمے کے لیے اس طرح کی چیزوں کو استعمال کرنا اسلامی نقطہ نظر سے درست ہے؛ بلکہ فقہاء کی تصریحات سے پتہ چلتا ہے کہ پانی کی صفائی کا مذکورہ طریقہ آج کی پیداوار نہیں ہے۔ ہاں یہ ضرور کہا جاسکتا ہے کہ سائنس و ٹکنالوجی کی ترقی کی وجہ سے کام آسان اور اچھے انداز میں ہونے لگا ہے۔

2. آبی آلودگی کو کم کرنے کی تدبیریں

ماقبل کی تفصیلات کی روشنی میں آبی آلودگی کو کم کرنے کی مذکورہ صورتیں ہو سکتی ہیں:

(1) پانی میں پیشاب نہ کیا جائے (2) کھلے میں قضاے حاجت نہ کی جائے

(3) کچر از مین میں ڈالنے کے بجائے کچرے کے ڈبوں میں ڈالا جائے تاکہ نجاست زمین میں جذب ہو کر آبی ذخائر کو آلودہ نہ کریں

(4) فیکٹریوں کے فاسد مادوں یا گندے پانی کو صاف کیے بغیر زمین یا نالہ میں نہ بہایا جائے

(5) ڈرنیج لائنوں کو ندی یا نالے میں نہ بہایا جائے؛ بلکہ اس کے مخزن تیار کر کے اس پانی کو صاف کیا جائے

(6) پانی میں اسراف اور فضول خرچی سے پرہیز کیا جائے

8.6 زمینی آلودگی

ماحولیات کے ارکان میں ایک رکن زمین ہے، جس کے ارد گرد ہم گھومتے ہیں، جس پر ہم چلتے ہیں اور جس پر ہم مکان بناتے ہیں، کھیتی کر کے غلہ اگاتے ہیں، سیر و تفریح کرتے ہیں، اور مختلف طرح سے ہم اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے زمین کی حقیقت و خاصیت اور اس کی افادیت کو مختلف پیرائے میں سمجھایا ہے: ”إِنَّ الْأَرْضَ لِلَّهِ لَا يُورِثُهَا مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ“ (اعراف: 128)۔ ترجمہ: یہ زمین اللہ تعالیٰ کی ہے، اللہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے مالک بنا دیتا ہے۔ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ مَهْدًا وَجَعَلَ لَكُمْ فِيهَا سُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ“ (زخرف: 10)۔ ترجمہ: جس نے تمہارے لیے زمین کو فرش بنایا اور اس میں اس نے تمہارے لیے راستے بنائے تاکہ تم منزل مقصود تک پہنچ سکو۔

زمین کو فرش سے تعبیر کرنے میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جس طرح انسان اپنے بستر کی حفاظت کرتا ہے اور گندگی وغیرہ

سے اس کو صاف رکھتا ہے اسی طرح زمین کی حفاظت بھی اس کے لیے ضروری ہے اور اس کو پاک و صاف رکھنا اس کا فرض ہے۔ زمین کا اللہ تعالیٰ نے انسان کو وارث بنایا ہے وارث کا کام یہ ہوتا ہے کہ اپنے مورث کی وراثت کی حفاظت کرے اس کا صحیح استعمال کرے اور اس میں مزید ترقی کرے اور اچھی حالت میں اگلی نسلوں کے حوالے کرے وہ نااہل وارث ہوتے ہیں جو وراثت کو ضائع کر دیتے ہیں۔

1. زمین کے فوائد

زمین اللہ تعالیٰ کی قدرت کے مظاہر میں سے ہے اور اللہ تعالیٰ نے دیگر تمام مخلوقات کی طرح زمین کو بھی انسانوں کی خدمت میں لگا رکھا ہے، یہ زمین مختلف طرح سے انسانوں کی خدمت کرتی ہے۔ غور فرمائیں تو زمین کے بے شمار فوائد ہیں اگر یہ زمین اپنی حالت میں باقی رہے گی تو ہم ان گنت فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ زمین کے فائدوں میں ایک فائدہ یہ ہے کہ زمین معدنیات کا مخزن ہے۔ آج سائنس داں تحقیق کر کے طرح طرح کی معدنیات کی کھوج کر رہے ہیں اگر یہ معدنیات نہ ہوتیں تو دنیا آج اس قدر ترقی کے مراحل طے نہ کر سکتی۔ مفسر فخر الدین رازی لکھتے ہیں (ترجمہ): زمین سے پیدا ہونے والی چیزیں معدنیات، نباتات، حیوانات اور زمین کے اوپر اور اندر کی چیزیں ہیں جن کی تفصیلات صرف اللہ کو ہی معلوم ہیں۔

زمین کے فوائد و خصوصیات میں زمین کا متنوع صفات سے متصف ہونا بھی ہے؛ چنانچہ بعض حصے ایسے ہیں جن میں نرمی اور سہولت پائی جاتی ہے اور بعض ایسے ہیں جو سخت اور ٹھوس ہیں، بعض حصے ریت ہی ریت ہیں؛ جب کہ بعض شوریدہ ہیں اور کچھ حصے سنگلاخ ہیں؛ اسی طرح زمین کے رنگوں میں بھی اختلاف اور تنوع پایا جاتا ہے، بعض علاقوں کی زمین سرخ اور بعض جگہ سفید اور بعض کی سیاہ بعض کی خاکی پائی جاتی ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے مٹی کی مذکورہ خصوصیات کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے: ”وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌ بَيَضٌ وَحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ أَلْوَانُهُا وَعَظَرَايْنِ سَوْدٌ“ (فاطر: 27)۔ ترجمہ: اور پہاڑوں کے بھی مختلف حصے ہیں سفید اور سرخ کہ ان کے بھی رنگ مختلف ہیں اور بہت گہرے سیاہ۔

زمین کے دیگر فوائد میں یہ ہے کہ زمین سے ہی اللہ تعالیٰ نے مختلف نہریں اور ندیاں جاری کی ہیں جو زمین پر جال کی طرح پھیلی ہوئی ہیں جن میں بہت سی نہروں کا پانی شیریں ہے، جس سے خلق خدا کی ایک بڑی تعداد سیراب ہوتی ہے، اس کے علاوہ کھیتیاں سیراب کی جاتی ہیں۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”وَهُوَ الَّذِي مَدَّ الْأَرْضَ وَجَعَلَ فِيهَا رَوَاسِي وَأَنْهَارًا“ (رعد: 3)۔ ترجمہ: اور وہی ہے جس نے زمین کو پھیلا یا اور اس میں پہاڑ اور دریا رکھ دیئے۔

2. زمینی آلودگی کا مفہوم

زمین اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک عظیم نعمت ہے، جس کے فوائد بے شمار ہیں اگر غور فرمائیں تو پانی اور مٹی قدرت کی وہ عظیم نعمتیں ہیں جن پر نہ صرف حیات انسانی کی بقا ہے؛ بلکہ حیوانات اور نباتات بھی زمین سے زندگی پاتے ہیں۔ زمین کی تخلیق کے مقاصد کو پیش نظر رکھ کر استعمال کرنا نعمت کی قدر دانی ہے۔ زمین کی آلودگی کا مفہوم یہ ہے کہ مٹی میں ایسے کیمیکل داخل ہو جائیں، یا ایسی گندگی سرایت کر جائے جس کی وجہ سے مٹی اپنی اصل خاصیت پر باقی نہ رہے؛ بلکہ اپنے مقصد تخلیق سے صرف نظر کرنے لگے اور وافر مقدار میں غلہ اگانے سے قاصر

ہو جائے۔

3. زمینی آلودگی کے نقصانات

دیگر ماحولیاتی آلودگی کی طرح زمینی آلودگی بھی ماحول اور ماحول میں رہنے والے لوگوں کے لیے خطرناک ہے۔ زمینی آلودگی کی وجہ سے بہت سی بیماریاں جنم لیتی ہیں جن سے انسان اور دیگر حیوانات کو گزرنا پڑتا ہے، اسی طرح جب زمین آلودہ ہو جاتی ہے تو اس سے اس طرح کھیتی نہیں ہوتی جس طرح صاف زمین میں کھیتی ہوتی ہے، اسی طرح جو پھل اور سبزیاں تیار ہوتی ہیں وہ زہر آلودہ زمین کی وجہ سے ان سبزیوں اور پھلوں میں بھی وہ زہر پیلے مادے آجاتے ہیں جن کو کھا کر انسانی صحت پر برا اثر پڑتا ہے۔ فصلوں سمیت تمام پودوں کی نشوونما کے لیے مٹی اہم ہے جب مٹی میں کیمیکل شامل ہو جاتے ہیں تو اس کا اثر فصلوں اور پھلوں میں بھی نمایاں ہوتا ہے۔

4. زمینی آلودگی کے اسباب

زمینی آلودگی کے اسباب میں صنعتی انقلاب (industrialization) بہت اہم ہے۔ آج فیکٹریوں میں موجود فضلات کو یو نہی زمین پر ڈال دیا جاتا ہے اس کے زہریلے اثرات زمین میں سرایت کر جاتے ہیں اور زمین کو بسا اوقات ناکارہ کر دیتے ہیں۔ ہمارے معاشرے میں عام طور پر گندگی کو یو نہی زمین پر ڈال دیا جاتا ہے، زمین کی خاصیت جذب کرنے کی ہے جس کی وجہ سے زمین دھیرے دھیرے اس گندگی کو جذب کر لیتی ہے اور زمین آلودہ ہو جاتی ہے۔ ناپاک اور گنداپانی بھی زمین پر ڈالنے سے زمین میں آلودگی پیدا ہوتی ہے۔ زہریلی گیسوں، زرعی اور کیڑے مار ادویات اور کیمیائی کھادوں کا بے جا استعمال بھی زمین کی آلودگی کا سبب بنتے ہیں۔

5. زمینی آلودگی اور اسلامی تعلیمات

اسلام نے زمین کی خاصیت اور اس کے فوائد اور اس کی قدر و قیمت کو واضح انداز میں اسی لیے بیان کیا ہے کہ انسان زمین کی عظمت و قیمت کو جانے اور اس کی حفاظت کرے۔ اسلام نے زمین کی پاکی و صفائی پر بہت زیادہ زور دیا ہے تاکہ زمین کسی طرح آلودہ نہ ہو۔

حدیث میں ہے: اتقوا الملاعن الثلاثة: البراز فی الموارد، و قارعة الطريق، والظل۔ (سنن ابی داؤد)، ترجمہ: تین قابل لعنت چیزوں سے بچو، گھائوں، راستوں اور سایہ میں قضاے حاجت کرنے سے۔

- مَنْ أَدَّى الْمُسْلِمِينَ فِي طُرُقِهِمْ وَجَبَتْ عَلَيْهِ لَعْنَتُهُمْ۔ (مجمع الزوائد)، ترجمہ: جو مسلمانوں کو ان کے راستوں کے حوالے سے تکلیف پہونچائے وہ لعنت کا مستحق ہوگا۔

- فتاویٰ ہندیہ میں ہے: جاری پانی یا ٹھہرے پانی میں نہریا کنویں یا حوض یا چشمہ کے کنارے یا پھل دار درخت کے نیچے یا کھیتی میں یا ایسے سایے میں جہاں بیٹھنے پر آرام ملے، اور مسجد کے برابر اور عید گاہ کے برابر اور قبروں میں اور چوپائے جانوروں اور مسلمانوں کے راستہ میں پیشاب کرنا اور قضاے حاجت کرنا مکروہ ہے۔

ان تمام احادیث اور فقہی عبارتوں سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اسلام زمین کے تحفظ پر زور دیتا ہے، اور زمین کو کسی طرح آلودہ

کرنے کو پسند نہیں کرتا ہے؛ خاص طور پر زمین کے ان حصوں کو گندہ کرنے سے سخت ناراضگی کا اظہار کرتا ہے جس سے عام لوگوں کا نفع وابستہ ہو۔ روایات میں بہت سی جگہوں کا تذکرہ موجود ہے اور روایات کی روشنی میں ہم مزید یہ طے کر سکتے ہیں کہ عام سڑک، ریلوے اسٹیشن، بس اڈے، پبلک مقامات، پریشاب، پاخانہ، کرنا یا دیگر گندی چیزوں کو ڈال کر گندہ کرنا شریعت کی نگاہ میں درست نہیں ہے؛ اس لیے کہ اس سے نہ صرف زمین کا اندرون ناپاک اور گندہ ہوتا ہے؛ بلکہ اس کے ظاہر کی غلاظت اور بدبو سے لوگوں کا راستہ چلنا، اور گزرنا دشوار ہو جاتا ہے، اس طرح کی گندی سے فضا میں ایک قسم کا تعفن پھیل جاتا ہے جو مختلف بیماریوں کا سبب ہوتا ہے۔ زمین کی صفائی اور آلودگی سے حفاظت کے لیے اسلامی تعلیمات کا ذخیرہ بہت وسیع ہے، اسلام کے نقطہ نظر کو سمجھنے کے لیے یہ کافی ہے کہ راستے سے تکلیف دہ چیزوں کو ہٹانے کو نیکی اور ایمان کا شعبہ قرار دیا ہے۔ سنن الترمذی میں ہے: عن أبي هريرة عن النبي ﷺ أنه قال: يَنْتَمَا رَجُلٌ يَمُشِي فِي طَرِيقٍ إِذْ وَجَدَ غُصْنًا شَوْكًا فَأَخَرَهُ فَشَكَرَ اللَّهُ لَهُ فَغَفَرَ لَهُ۔ ترجمہ: ایک آدمی راستہ چلتا ہے اور وہ راستے میں کانٹے کی ٹہنی پاتا ہے تو اس کو ہٹا دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے عمل کو قبول کر لیتا ہے اور اس کو معاف کر دیتا ہے۔ یہ حدیث اسلام کے نظام طہارت کو ہی بیان نہیں کرتی ہے؛ بلکہ آلودگی سے تحفظ کی روح بھی اس میں پوشیدہ ہے۔ جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کسی قسم کی آلودگی کو پسند نہیں کرتا ہے۔

8.7 غذائی آلودگی

غذا جسم کے لیے ایندھن کا کام دیتی ہے، اور غذا کی توانائی سے جسم میں توانائی ملتی ہے، اللہ تعالیٰ نے ہمارے جسم کا نظام اس طرح بنایا ہے کہ اس میں ٹھوس اور سیال دونوں قسم کے مادے پائے جاتے ہیں دانت، کھوپڑی ہڈیاں سخت ہیں تو خون رقیق مادہ ہے دل جگر گردے نرم اعضا ہیں بنیادی طور پر جسم خلیوں سے بنا ہے اور یہ خلیہ ہی حیات کی اکائی ہے خلیے ٹوٹتے رہتے ہیں اور ان کی مرمت بھی ہوتی ہے اور نئے خلیے بھی بنتے رہتے ہیں ان خلیوں کی تعمیر و مرمت میں غذا انتہائی اہم کردار ادا کرتے ہیں۔

فضائی، آبی اور صوتی آلودگی جس طرح ماحول کے لیے نقصان دہ ہے اور اس کے نقصانات انسان اور حیوانات کو جھیلنے پڑتے ہیں اسی طرح غذائی آلودگی بھی انسان و حیوانات کے لیے انتہائی نقصان دہ ہے۔ غذا کی اہمیت کے لیے یہ کافی ہے کہ جس طرح پانی سے انسان و حیوانات کی زندگی وابستہ ہے اگر پانی نہ ہو تو انسان کے لیے زندگی گزارنا دشوار ہو جائے ٹھیک اسی طرح غذا بھی انسانی و حیوانی حیات کے لیے بقا کا ضامن ہے اس کے بغیر انسان زندہ نہیں رہ سکتا ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے غذا اور رزق کو عظیم نعمت قرار دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: ”وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعُهَا كُلٌّ فِي كِتَابٍ مُبِينٍ“ (ہود: 6)۔ ترجمہ: کوئی جاندار روئے زمین پر ایسا نہیں ہے کہ اس کا رزق اللہ کے ذمہ نہ ہو اور وہ ہر ایک کی زیادہ رہنے کی جگہ اور چند روزہ رہنے کی جگہ کو جانتا ہے سب چیزیں کتاب مبین میں ہیں۔

1. غذائی آلودگی کا مفہوم

پانی یا زمین میں اس طرح کی چیزوں کا شامل ہو جانا جس کی وجہ سے غذا اپنی اصلی اور طبعی کیفیت پر باقی نہ رہے اور وہ غذا جو انسان کے

صحت اور جسم کی بقا کے لیے ضروری ہے اس سے بجائے صحت کے بیماری پیدا ہو جائے۔

خوراک اور غذا نباتات اور حیوانات سے تیار ہوتے ہیں۔ زمین میں سبزیاں اگتی ہیں جو انسان اور جانوروں کی غذا ہے، اسی طرح حیوانات میں سے بعض حیوانات بعض کے لیے غذا ہیں اسی طرح حیوانات انسانوں کے لیے غذا ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے نباتات کی غذائی ضرورت کی تکمیل کے لیے سورج کی شعاع، آسمانی بارش اور زر خیز زمین عطا کی ہے ان چیزوں کی مدد سے ہم فطری اور مصنوعی خوراک تیار کرتے ہیں، قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اس کو بہت واضح انداز میں سمجھایا ہے:

”وَأَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجْنَا بِهِ أَزْوَاجًا مِّنْ ثَبَاتٍ شَتَّىٰ تَلْكُوا وَارْعَوْا أَنْفُسَكُمْ“ (طہ: 54-53)۔ ترجمہ: اور آسمان سے پانی برسایا پھر اس کے ذریعہ سے مختلف قسموں کے نباتات پیدا کئے، خود کھاؤ اور اپنے مویشی کو چراؤ۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے خوراک کی پیدائش اور افزائش کی طرف اشارہ کر دیا ہے کہ آسمان کی بارش، زمین کا سبزہ یہ انسانوں اور حیوانات کی غذا کی تیاری میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔

2. غذائی آلودگی کے اسباب

اللہ تعالیٰ نے جس طرح صاف پانی عطا کیا ہے، اسی طرح صاف غذا کا بھی انتظام کیا ہے؛ لیکن انسان اپنے غلط عمل کی وجہ سے، جس طرح پانی کو آلودہ کر دیتا ہے؛ اسی طرح غلط عمل کی وجہ سے غذا کو بھی آلودہ کر دیتا ہے اور وہ غذا جسمانی توانائی عطا کرنے کے بجائے بیماری میں مبتلا کر دیتی ہیں۔ غذائی آلودگی کے مختلف اسباب ہیں: ایک سبب تو یہ ہے کہ پانی کے آلودہ ہونے کی وجہ سے اسی طرح زمین کے آلودہ ہونے کی وجہ سے غذائی آلودگی پیدا ہو رہی ہے؛ اس لیے کہ غذا کی تیاری میں پانی اور زمین بنیادی عناصر کی طرح شامل ہوتے ہیں اور ظاہر ہے کہ پانی کے گندہ ہونے یا زمین کے آلودہ ہونے کا اثر غذا پر پڑتا ہے۔ اسی طرح دولت کی ہوس نے بھی غذائی آلودگی کے مسائل کو جنم دیا ہے۔ آج کل فطری طور پر غذا کو تیار کرنے کے بجائے مصنوعی طریقہ پر توجہ دی جا رہی ہے اور انجکشن کے ذریعہ ایک مہینہ میں تیار ہونے والے غذا کو ایک ہفتہ میں تیار کیا جا رہا ہے، ایک خاص مقدار میں تیار ہونے والے غذا کو بڑے مقدار میں تیار کیا جا رہا ہے، فارمی مرغی کو ایسی غذا دی جا رہی ہے کہ ایک مہینہ میں دو سو یا تین سو گرام وزن بڑھنے کے بجائے ایک کلو اور دو کلو کا وزن ہو جاتا ہے، لوکی، کھیرا، تربوز، گاجر، مولیٰ اور اس طرح کی بے شمار سبزیاں انجکشن کے باعث اپنی فطری صفت کھودیتی ہیں، اور مصنوعی صفت اس میں پیدا ہو جاتی ہے۔ دو کلو دودھ دینے والی بھینس کو اس طرح انجکشن دیا جاتا ہے کہ وہ دس کلو دودھ دینے لگتی ہے یہ سب غذائی آلودگی کی آماجگاہ ہیں۔ قدرتی مصنوعات میں ملاوٹ بھی غذائی آلودگی کا سبب ہے، انسان اپنے حقیر مفادات اور معمولی منفعت کی خاطر ہر طرح کی چیزوں میں ملاوٹ کر رہا ہے جس سے پاک صاف چیزیں گھٹیا ملاوٹ کی وجہ سے آلودہ ہوتی جا رہی ہیں حد یہ ہے کہ مرچ میں اینٹ کے سفوف کی آمیزش کی جاتی ہے، گھی اور تیل میں چربی کی، اصلی دوا میں نقلی دوا کی، حتیٰ کہ گھوڑے کی لید کو سکھا کر اور کیمیکل کے ذریعہ اس کے بدبو کو زائل کر کے دھینے میں ملا کر فروخت کیا جاتا ہے، دودھ میں نقصان دہ پاؤڈر ملا دودھ کو فروخت کیا جا رہا ہے۔ اس طرح کی چیزوں سے غذا بالکل آلودہ ہو چکی ہے، ماہرین کے مطابق سڑکوں پر ریڑی لگا کر غذائی اجزاء فروخت کرنے والے کھانے پینے کی چیزوں کے ساتھ جو غلط اور غیر صحت بخش طریقہ کار اختیار کرتے ہیں وہ بھی بہت سے ممالک میں غذائی معیار کی

خرابی اور آلودگی کا سبب بنتا ہے۔ اسی طرح پھلوں اور سبزیوں کی افزائش میں اس طرح کے کیڑے مار دوا دی جاتی ہے کہ اس کا اثر پھلوں اور سبزیوں میں ظاہر ہو جاتا ہے نیز اس طرح کی کیڑے مار دواؤں کی کثرت کی وجہ سے زمین کی زرخیزی ختم ہوتی جا رہی ہے اور غذا کی قلت پیدا ہو رہی ہے آج بھوک مری کی شرح میں جو اضافہ ہو رہا ہے اس میں ایک سبب یہ بھی ہے کہ زمین کی آلودگی کی وجہ سے غذا کی پیداوار میں کمی ہو رہی ہے اور قلت کے سبب مہنگائی بڑھ رہی ہے جس کی وجہ سے غریب طبقہ غذا سے دور ہو جاتا ہے اور بھوک مری کا شکار ہو جاتا ہے۔ اقوام متحدہ (UN) کی رپورٹ کے مطابق ہر سال دنیا بھر میں چھ سو ملین انسان ناقص غذا سے پیدا ہونے والی بیماریوں کا شکار ہوتے ہیں اور ان میں سے بیالیس لاکھ موت کے منہ میں چلے جاتے ہیں۔

3. غذائی آلودگی اور اسلامی تعلیمات

اسلام نے دیگر آلودگی کی طرح غذائی آلودگی سے منع کیا ہے اور جو انسان، حیوانات اور جنات کی غذا ہے اس کو نقصان پہنچانے کو برا عمل قرار دیا ہے؛ اس لیے کہ غذا انسانوں اور دیگر ذی روح مخلوق کی ضرورت ہے؛ اسی لیے شریعت نے اس کا احترام کرنے کا حکم دیا ہے۔ فقہاء نے کھانے کی چیزوں سے استنجا کرنے سے منع کیا ہے۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے: ”یُکْرَهُ الْإِسْتِنْجَاءُ بِالْعِظْمِ وَالرُّوثِ وَالرَّجِيعِ وَالطَّعَامِ وَاللَّحْمِ وَالزَّجَاجِ وَالْخَزَفِ وَوَرَقِ الشَّجَرِ“۔ ترجمہ: ہڈی، گوبر، پاخانہ، کھانا، گوشت، شیشہ، ٹھیکر اور درخت کے پتوں سے استنجا کرنا مکروہ ہے۔ کتاب الطہارہ شیخ مرتضیٰ انصاری (1281ھ) میں یہ حدیث ہے: ”أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ نَهَى عَنِ الْإِسْتِنْجَاءِ بِالرُّوثِ وَالرِّمَّةِ يَعْنِي الْعِظْمَ الْبَالِي“۔ ترجمہ: نبی ﷺ نے گوبر اور بوسیدہ ہڈی (الرِّمَّة) سے استنجا کرنے سے منع فرمایا۔

کھانا اور گوشت سے استنجا کرنے سے اس لیے منع کیا گیا ہے کہ یہ انسان کی غذا ہے، اس کا احترام کرنا ضروری ہے اس کو آلودہ کرنا درست نہیں ہے۔ اسی طرح ہڈی اور گوبر سے استنجا کرنا اس لیے منع ہے کہ یہ جنات کی غذا ہے۔ سنن ابی داؤد میں حضرت عبداللہ بن مسعود کی ایک حدیث ہے: جنات کا ایک وفد آپ ﷺ کی خدمت میں اسلام قبول کرنے کے لیے حاضر ہوا اور انہوں نے آپ ﷺ سے درخواست کی: آپ اپنی امت کو ہڈی، لید اور کونکے سے استنجا کرنے سے منع فرمادیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے ہمارا رزق بنایا ہے تو آپ ﷺ اس سے (استنجا کرنے سے) منع فرمادیا۔

شارحین حدیث نے لکھا ہے کہ ہڈی اور کونکے جنات کی غذا ہے اور لید جنات کے جانور کی غذا ہے۔ غور فرمائیں اسلام نے غیر مرنی مخلوق کا اس قدر خیال فرمایا اور ان کی غذا کو آلودہ کرنے سے منع فرمایا پھر اسلام انسانوں اور جانوروں کی غذا کو آلودہ کرنے کی اجازت کس طرح دے سکتا ہے؟

8.8 بحری آلودگی

آلودگی کی ایک قسم بحری آلودگی ہے، زمین کے دو حصہ ہیں خشکی اور تری، جس کو آپ ”بحری“ اور ”برّی“ سے تعبیر کر سکتے ہیں اور زمین کا دو تہائی حصہ پانی پر مشتمل ہے اور ایک تہائی حصہ خشکی کا ہے، انسانی ضرورت جس طرح خشکی کے حصے سے وابستہ ہے؛ اسی طرح پانی

کے حصے سے بھی وابستہ ہے اور جس طرح خشکی پر مختلف قسم کے حیوانات رہتے ہیں اسی طرح پانی میں بھی وہ تمام حیوانات رہتے ہیں؛ بلکہ پانی میں حیوانات کے انواع خشکی کے مقابلہ میں کئی گنا زیادہ ہیں؛ اس لیے کہ خشکی میں جتنے انواع کے حیوانات رہتے ہیں وہ تمام پانی میں بھی موجود ہے اسی طرح پانی میں بہت سے انواع کے حیوانات ہیں جو خشکی میں نہیں ہے۔ فقہاء نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ اگر پانی کے انسان کی شادی خشکی کے انسان سے ہو جائے تو نکاح درست نہیں ہوگا اس لیے کہ جنس الگ ہے معلوم ہوا کہ پانی میں بھی انسان ہیں جس کو عربی میں ”انسان الماء“ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

1. بحری آلودگی کا مفہوم

بحری آلودگی کا مطلب یہ ہے کہ سمندر میں اس طرح کے اجزاء شامل ہو جائیں جس کی وجہ سے سمندر کا پانی خراب ہو جائے اور سمندر میں موجود مخلوق کی زندگی خطرے میں پڑ جائے، جس طرح خشکی کے زمین کی حفاظت ضروری ہے اور اس کو آلودہ کرنا ناجائز ہے اسی طرح سمندر، ندی تالاب کو آلودہ کرنا بھی درست نہیں ہے، سمندر ہمارے بے شمار فوائد کا منبع ہے، سمندر سے ہماری تجارتی زندگی بھی وابستہ ہے اور معاشی ترقیات اور سیر و تفریح کی ضرورت بھی، سمندر ہماری غذائی ضرورت بھی پوری کرتا ہے؛ اس لیے سمندر کو آلودہ ہونے سے بچانا ہماری ترجیحات میں داخل ہونا چاہیے۔

2. بحری آلودگی کے اسباب اور نقصانات

بحری آلودگی کے مختلف اسباب ہیں: خشکی میں موجود غلاظت کا بڑا حصہ سمندر میں ڈال دیا جاتا ہے، تجزیہ نگاروں کا کہنا ہے کہ 80 فیصد بحری آلودگی کا سبب زمین پر موجود آلودگی ہے۔ عام طور پر گنداپانی بھی سمندر میں ہی منتقل کیا جا رہا ہے، سمندر کو کھود کر تیل کے ذخائر پر قبضہ کرنے کی کوشش ہو رہی ہے اور سمندر میں پائپ لائن بچھا دی گئی ہے تیل کا سطح سمندر میں پھیل جانا آلودگی کا سبب ہے، سمندری جنگ میں بے شمار فاضل مادے سمندر میں ڈال دیے جاتے ہیں، فیکٹریوں کے فضلات سمندروں میں پھینکے جا رہے ہیں، سمندری جہاز جس میں ہزاروں لوگ سفر کرتے ہیں اور وہ سارا فضلہ سمندر میں ڈال دیا جاتا ہے۔ بحری آلودگی پر روشنی ڈالتے ہوئے ڈاکٹر شہاب الدین سیبلی لکھتے ہیں:

سمندری جنگ میں تیل کے ذخائر میں آگ لگادی جاتی ہے، اور تیل کی آلودگی سے سمندر کے نباتات بری طرح متاثر ہوتے ہیں، کیوں کہ جب تیل خارج ہوتا ہے تو یہ پانی کی سطح پر تیرتا رہتا ہے، جس کی وجہ سے آکسیجن کا کاربن ڈائی آکسائیڈ اور روشنی پانی کے اندر نہیں پہنچتے ہیں جب کہ ان پر نباتات کی بقا منحصر ہے اس عمل کو ماحولیات کی زبان میں فوٹوسنتھس (photosynthesis) کہا جاتا ہے، یعنی سمندر میں آکسیجن کا پہنچنا اور اس سے کاربن ڈائی آکسائیڈ کا خارج ہونا تیل کے دھبے سورج کی حرارت کو پانی میں پہنچنے سے روکتے ہیں نیز تیل میں کچھ ایسے زہریلے مادے ہوتے ہیں جو کئی ایسے جراثیموں کو ختم کر دیتے ہیں جو سمندر میں رہنے والی مخلوقات کی بقا کے لیے ضروری ہیں، اسی طرح تیل کے دھبے پانی سے خارج والے بخار کو 20 فیصد گھٹا دیتے ہیں جب کہ دریاؤں اور سمندروں ہی سے 90 فیصد پانی بخار بن کر ہوا میں جاتا ہے۔

3. بحری آلودگی اور اسلامی تعلیمات

جس طرح اسلام نے دیگر آلودگی سے روک تھام کی تعلیم دی ہے؛ اسی طرح بحری آلودگی سے بھی روک تھام کی تعلیم دی ہے، جہاں کہیں بھی اسلام نے پانی کی حفاظت اور صفائی پر زور دیا ہے اس میں سمندر داخل ہے، اسی طرح جہاں فساد پھیلانے سے روکنے کی بات کی ہے اس میں بحری آلودگی بھی داخل ہے: ”ولا تفسدوا فی الأرض بعد إصلاحها“۔ ترجمہ: زمین میں اس کی اصلاح کے بعد فساد مت پھیلاؤ۔ اس میں بحری آلودگی کا فساد بھی داخل ہے۔

8.9 فرہنگ

زمینی آلودگی: Land Pollution

ماحول: Environment

بحر: سمندر

8.10 اکتسابی نتائج

اس اکائی میں آپ نے درج ذیل نکات سیکھے:

- اسلام کی تعلیمات کا حاصل یہ ہے کہ انسان کو دوسروں کے لیے نفع بخش ہونا چاہیے دوسروں کو نقصان پہنچانے والا نہیں بننا چاہیے۔
- ماحولیاتی آلودگی کے تئیں اپنے رویے میں تبدیلی لانے کی ضرورت ہے اور ماحولیات کے تئیں سماج کا شعور بیدار کرنا ضروری ہے۔
- پانی اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت ہے اس کی حفاظت انسانوں کا شرعی، اخلاقی اور انسانی فرض ہے۔
- فضائی، صوتی آلودگی کی طرح، غذائی، زمینی اور بحری آلودگی بھی ماحول کے لیے خطرناک ہے۔
- اسلام نے اخلاق کی ظاہری و باطنی صفائی کا صرف حکم نہیں دیا ہے؛ بلکہ ماحول کی صفائی بھی حکم دیا ہے۔

8.11 نمونہ امتحانی سوالات

8.11.1 معروضی جوابات کے متقاضی سوالات

1. ڈبلو ایچ او کے مطابق کتنی عمر کے بچوں میں موت کی بہت سی عام وجوہات کو صاف پانی اور کھانا پکانے کے ایندھن سے روکا جاسکتا ہے؟
(a). تین سال سے سات سال (b). ایک ماہ سے پانچ سال (c). چھ ماہ سے تین سال (d). ایک سال سے پانچ سال
2. حضور ﷺ غسل میں کس قدر پانی استعمال کرتے تھے؟
(a). ایک مد (b). دور طل (c). ایک صاع (d). چار مد
3. اقوام متحدہ کی رپورٹ کے مطابق ہر سال دنیا بھر میں کتنے انسان ناقص غذا سے پیدا ہونے والی بیماریوں کا شکار ہوتے ہیں؟
(a). چھ سو ملین (b). چالیس لاکھ (c). تین ملین (d). اسی لاکھ

4. قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے صفائی کا زیادہ خیال رکھنے پر کن لوگوں کی تعریف کی ہے؟

(a). اہل مکہ (b). اہل مدینہ (c). اہل قبا (d). اہل طائف

5. قدیم زمانے میں پانی کی آلودگی کو دور کرنے کے لیے جو وسائل تھے ان کو فقہ کی اصطلاح میں کس نام سے تعبیر کیا جاتا ہے؟

(a). استحال (b). تنقیہ (c). ری سائیکلنگ (d). تحلیل

8.11.2 مختصر جوابات کے متقاضی سوالات

1. آبی آلودگی کے اسباب پر روشنی ڈالیے۔
2. بحری آلودگی اور اسلامی تعلیمات پر مختصر نوٹ لکھیے۔
3. غذائی آلودگی اور اسلامی تعلیمات پر مختصر نوٹ لکھیے۔
4. غذائی آلودگی کا مفہوم اور اس کے اسباب تحریر کیجیے۔
5. زمینی آلودگی کے اسباب و نقصانات کے موضوع پر مختصر مضمون قلم بند کیجیے۔

8.11.3 طویل جوابات کے متقاضی سوالات

1. آلودگی کے سلسلے میں اسلامی نقطہ نظر پر تفصیلی گفتگو کیجیے۔
2. اسلام اور نظافت کے عنوان پر تفصیلی مضمون لکھیے۔
3. زمینی آلودگی اور اسلامی تعلیمات کے موضوع پر روشنی ڈالیے۔

8.12 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1. آبی وسائل، شرعی احکام و ضوابط : اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا
2. قرآن مجید اور عصر حاضر : مولانا خالد سیف اللہ رحمانی
3. مخاطر التلوٹ البیئی : دکتور کیمیائی / احمدی ابوالنجا
4. قرآن اور سائنس : سید عبدالرشید
5. ماحولیاتی آلودگی : مولانا اختر امام عادل

معروضی سوالات کے جوابات

1.C	2.C	3.C	4.C	5.D
-----	-----	-----	-----	-----

نمونہ امتحانی پرچہ

Maulana Azad National Urdu University

B.A. I Semester Examination

(Paper 2 : Islam & Modern Issues)

Paper Code: BNIS202DET

Time: 2hrs.

Marks: 35

یہ پرچہ تین حصوں پر مشتمل ہے، حصہ اول، حصہ دوم، حصہ سوم ہے۔ ہر جواب کے لیے لفظوں کی تعداد اشارۃ دی گئی ہے۔ تمام حصوں سے سوالوں کے جواب دینا لازمی ہے۔

حصہ اول میں 5 لازمی سوال ہیں جو کہ معروضی سوالات / خالی جگہ کو پر کرنا / مختصر جوابات والے سوالات ہیں۔ ہر جواب کے لیے 1 نمبر مختص ہے۔

$$1 \times 5 = 5$$

حصہ دوم مختصر جواب کے 6 متقاضی سوالات پر مبنی ہے۔ 4 سوالات کے جواب مطلوب ہیں۔ جواب 100 الفاظ پر مشتمل ہوں۔ ہر سوال کے لیے 5 نمبر مختص ہیں۔

$$4 \times 5 = 20$$

حصہ سوم طویل جواب کے متقاضی سوالات پر مبنی ہے۔ 2 سوالات دیے گئے جن میں سے ایک سوال لازمی ہے۔ جواب 250 الفاظ پر مشتمل ہو۔ ہر سوال کے لیے 10 نمبر مختص ہیں۔

$$1 \times 10 = 10$$

حصہ اول

سوال 1

- i. اصحاب فرائض کل بارہ افراد ہیں جن میں عورتیں ہیں؟
 (a). دو (b). چار (c). چھ (d). آٹھ
- ii. حضرت خنساء بن خزام کا نکاح ان کے والد نے ان سے مشورہ کیے بغیر کر دیا تو آپ ﷺ نے کا حکم دیا۔
 (a). طلاق رجعی (b). خلع (c). فسخ نکاح (d). تمام غلط
- iii. ایکو سسٹم کا معنی ہے؟
 (a). نظام شمسی (b). نظام قمری (c). نظام حیات (d). نظام سماوی
- iv. کرہ فضا میں کل کتنے طبقات ہیں۔
 (a). 9 (b). 8 (c). 7 (d). 10

v. لفظ فساد کس کی ضد ہے؟

(d). سلامتی

(c). امن

(b). صلاح

(a). آلودگی

حصہ دوم

2. حقوق کا مفہوم اور اصطلاح میں حقوق سے کیا مراد ہے؟ لکھیے۔
3. اسلام نے آزادی اظہار رائے کے جو حدود بتائے ہیں، ان پر روشنی ڈالیے۔
4. اسلام میں عورت اور نظام وراثت پر گفتگو کیجیے۔
5. ماحولیات میں انسان کا رول کیا ہے؟ بیان کیجیے۔
6. آلودگی کی کتنی قسمیں ہیں؟ بیان کیجیے۔
7. فضائی آلودگی کے اسباب پر روشنی ڈالیے۔

حصہ سوم

8. بنیادی حقوق انسانی کیا ہیں اور اسلام میں ان کی کیا اہمیت ہے؟ قلمبند کیجیے۔
9. ماحولیات کا تعارف کرواتے ہوئے ماحولیاتی بحران پر ایک جامع مضمون قلمبند کیجیے۔

اهم نکات

یادداشت